

حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب مہانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا مجموعہ

مواعظ اشرفیہ

حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب مہانوی رحمۃ اللہ علیہ

مولوی مسافر خاندان اے جناح روڈ کراچی ۱
فون: ۴۴۴۶۲۰، ۴۴۴۰۰۹۲

مکتبہ مہانوی دفتر الابقاء رسالہ

www.ahlehaq.org

جمادی الاول ۱۴۰۶ھ مطابق جنوری ۱۹۸۶ء

رسالہ الابقاء جلد ۵ نمبر ۱



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ ابْنِ مَرْثَدَةَ

رواه البخاری
التبليغ

وعظ من عظمه
ذكر الرسول

مُلَقَّبٌ بِـ
المربع في الربيع

مجملة رشاداً حكيماً للأمة مجد الملة حفزت لانا محمد اشرف علي صفا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المثنان

مکتبہ تھانوی • دفتر الابقاء

متصل مسافر خانہ بندر روڈ - کراچی

فون:
۷۲۷۵۲۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وعظمت مسئرت به

ذکر الرسول

ملقب بہ

المربیع فی الربیع

ابتدا	کے	ہم	کیفیت	مادہ	من ضبط	المستعملون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑکی ہو کر یا بیٹھ کر	کیا مقصد تھا	کس نے لکھا	سائین گنجینہ تعاد	سفرات
جانب مسجد کامپور	۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ یوم جمعہ	۲ گھنٹہ	بیٹھ کر	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا بیان	حکیم محمد یوسف صاحب بجنوری	۵۰۰	

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَخَمَدَهُ وَتَسْتَعِينُهُ وَتَسْتَغْفِرُهُ وَتَوْفِيهِ بِهِ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ
 أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ
 تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ مَا بَعْدَ
 فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ
 ذِكْرًا سَوِيًّا لِيَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ
 الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَنْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
 الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ۝ رَحِمَاتِ اللَّهِ لِيَسْتَعِينَهُ
 نصیحت نامہ بھیجا وہ نصیحت نامہ دیکر ایک ایسا رسول بھیجا جو تم کو اللہ تعالیٰ کے صاف صاف احکام پڑھ پڑھ کر

سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں تاریکیوں سے نور کی طرف آئیں جو شخص اللہ (تعالیٰ) پر ایمان لاویگا اور اچھے عمل کریگا خدا (تعالیٰ) اس کو ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے بلاشک اللہ (تعالیٰ) نے بہت اچھی روزی دی) یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اسی کی تلاوت پر اس لئے اکتفا کیا گیا کہ اس وقت اس جزو آیت ہی کا صرف بیان مقصود ہو حق تعالیٰ نے اس آیت کے جزو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے حقوق اور برکات بیان فرمائے ہیں وجہ اس بیان کے اختیار کرنے کی اس وقت یہ ہو کہ بعض مجتہدین کی عادت ہے کہ وہ اس زمانہ میں تذکرہ کیا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا۔ اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے مگر اس کے ساتھ جو ان کو غلطی واقع ہوئی ہے اس کا رفع کرنا بھی ضروری ہے۔ اس آیت میں غور کرنے سے اور نیز دوسری نصوص میں غور نظر کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا واجب ہے۔ اور ادائے حق کے معنی یہ ہیں کہ تمام حقوق ادا کئے جاویں۔ ایک کیا اور ایک نہ کیا اس سے ادائے حق نہیں ہوتا علم کی کمی سے مختلف قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں ان میں سے ایک غلطی یہ بھی ہے کہ بعض ایک حق کو اور بعض دوسرے کو اور بعض تیسرے حق کو ادا کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے ادائے حق کر دیا حالانکہ ادائے حق کے معنی یہ ہیں کہ تمام حقوق کی رعایت کی جائے مثلاً باپ کا حق یہ ہے کہ اس کا ادب بھی کرے اطاعت بھی کرے اس کے لئے دعا بھی کرے اس کی تعظیم بھی کرے اگر اس کو حاجت ہو خدمت بھی کرے اور مثلاً بادشاہ کا حق یہ ہے کہ اس کا ادب کرے اس کے احکام کو مانے اس کی عظمت دل میں ہو اس کی اطاعت کرے اب اگر کوئی شخص اس کی تعظیم نہ کرے یا احکام کو نہ مانے تو اس نے بادشاہ کا حق ادا نہیں کیا۔ مثلاً جب گفتگو کرتا ہے تو نہایت خلاف یا تعظیم و تکریم تو اس قدر کرتا ہے کہ پچھلے پاؤں ہٹتا جاتا ہے مگر قانون کے خلاف کرتا ہے تو قانون کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ ہاں زبان سے بادشاہ کی مدح و ثنا خوب ہی کرتا ہے اور اس کے متعلق مختلف جلسوں میں خوب تقریریں کرتا ہے اور اگر کوئی کہتا ہے تو جواب میں یہ کہتا ہے کہ جو میں کر رہا ہوں میرے نزدیک ادائے حق یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اس عذر کو قبول نہ کرے گا بلکہ سب سے بڑا حق تو سلطان کا رعایا پر ہے ہے کہ اس کی مخالفت نہ کی جائے۔ غرض یہ تو ادائے حقوق کی حقیقت ہے۔

اب سمجھئے کہ حقوق میں تفاوت ہوتا ہے۔ باپ کا اور حق ہے ماں کا اور بی بی کا اور بیٹے کا اور بہن کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور خدا تعالیٰ کا اور اور یہ قاعدہ سب میں مشترک ہے کہ ادا لے حق اسی کو کہیں گے جو سب حقوق ادا کئے جائیں مثلاً باپ کا حق یہ تھا کہ اُس کی تعظیم بجالاتا اطاعت کرتا اُس کی خدمت کرتا اُس کی مدح کرتا ڈعا کرتا ادب سے گفتگو کرتا۔ مگر بیٹے کی حالت یہ ہے کہ نہ اُس کی تعظیم بجالاتا ہے نہ اطاعت کرتا ہے نہ ڈعا مگر ہاں مجموعوں میں باپ کی مدح و ثنا خوب کرتا ہے تو کیا اس کو کہا جاوے گا کہ وہ باپ کا حق ادا کرتا ہے۔ اگر باپ کہتا ہے کہ بیٹا اٹھ کر پانی دے دو تو یوں ہی اب دیتا ہے کہ میں نے آپ کی بہت سی تعریفیں کر دی ہیں اب مجھے ضرورت اطاعت کی نہیں رہی میں خدمت نہ کروں گا یہ کہاں کی عدلت لگائی کہ میں یہ باتیں بھی کروں۔ ظاہر ہے کہ کوئی عاقل اس کو ادا لے حق نہ کہے گا علیٰ ہذا اور حقوق کے بارے میں بھی ایسا ہی کہہ دے۔ ان مثالوں سے معلوم ہو گیا کہ بعض حق ادا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق ہیں تو ان کا ادا کرنے والا وہی شخص سمجھا جائے گا جو سب حقوق ادا کرے اور کسی شخص کے اس طرز کو کافی نہ سمجھا جائے گا کہ ایک حق تو ادا کرے اور باقی کو چھوڑ دے۔ جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق پہچانے جائیں۔ اس باب میں اس وقت تین جماعتیں ہو رہی ہیں۔ کثرت سے وہ لوگ ہیں کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی فضائل بیان کرنے کو کافی سمجھتے ہیں نہ اطاعت سے بحث ہے نہ ان کے دل میں حقیقی محبت ہے نہ تعظیم ہے۔ تین حقوق تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ایک حق اطاعت ایک حق محبت ایک حق عظمت۔ سو زیادہ حصہ تو ان لوگوں کا ہے جو صرف زبانی محبت پر اکتفا کرنے کو کافی سمجھتے ہیں نہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی خبر نہ حقیقی محبت کی خبر نہ عظمت کی۔ بس اس کو کافی سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کر لیا جاوے باقی جتنا اہتمام ذکر کا ہوتا ہے اطاعت کا نہیں ہوتا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اطاعت کرتے تو علماء سے رجوع کرتے ان سے مسائل دین کے پوچھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا طریقہ دریافت کرتے ان سے احکام کی تحقیق کرتے۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ

اُس کا ذکر بھی نہیں۔ سو زیادہ لوگ تو اسی قسم کے ہیں اس واسطے ضرورت اس کی ہوتی کہ اس غلطی کو رفع کر دیا جاوے۔ محبت بیشک بڑا حق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس کا مقصد یہ بھی ضرور ہے کہ ذکر مبارک کیا جاوے مگر اسی کا مقصد یہ بھی ہے کہ اطاعت کی جائے اسی کا مقصد یہ بھی ہے کہ تعظیم کی جائے چنانچہ دنیا میں جس سے محبت و تعلق ہوتا ہے اس کا کہنا مانا جاتا ہے اس کی عظمت قلب میں ہوتی ہے خود اس کی محبت کا تقاضا ہے کہ اُس کی مرضی کے خلاف نہ کیا جائے خواہ اس کو خیر ہو یا نہ ہو مجھے خوب یاد ہے کہ مجھ کو ایک ادنیٰ اچکن میں رفو کرانے کی ضرورت تھی۔ ایک دوست سے میں نے کہا کہ کسی کاریگر سے رفو کرادو اور اجرت پوچھ کر بتلا دو۔ چنانچہ انھوں نے رفو کرنے کے لئے وہ اچکن کاریگر کو دیدی۔ جب رفو ہو کر آگیا تو میں نے اجرت پوچھی تو کہا کہ اجرت اُس نے بتلائی نہیں پھر میں نے تقاضا کیا تو کہا کہ وہ بتلاتا نہیں میں نے اصرار کیا کہ پوچھ آئیے مگر ملنے رہے بعد میں معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے پاس سے اجرت دیدی تھی اور ظاہر تک نہیں کیا محبت سے تو غرض یہ ہوتی ہے کہ دل ٹھنڈا ہو محبوب کا اسے راحت ہو اس لئے خیر ہونے کی ضرورت بھی نہیں۔ اور جہاں خیر بھی ہوتی ہو تو وہاں تو زیادہ اثر ہو گا زیادہ اہتمام ہو گا اور جب یہ بھی معلوم ہو کہ اُس کو اس طرح خیر ہوتی ہے کہ خلاف کرنے سے ایذا بھی ہوتی ہے تب ظاہر ہے جیسا کچھ اہتمام ہو گا اور یہ محبت کیسی ہے کہ اپنے محبوب کو تکلیف پہنچائی جائے اب چھئے کہ سب جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعمال اُمت کے پیش ہوتے ہیں کہ فلاں شخص نے یہ کیا اور فلاں نے یہ کیا۔ کوئی شراب پیتا ہو رشوت لیتا ہو فسق و فجور میں مبتلا ہو سب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی جاتی ہے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی محبت تھی اُمت سے یہ حالت تھی کہ رات رات بھر کھڑے کھڑے قرم مبارک ورم کر جاتے تھے صرف اُمت کے لئے دعا کرنے میں۔ ایک بار ساری رات گزر گئی اس آیت کی تلاوت میں **اِنْ تَعُدُّوْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَعْفُرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ** ۵ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں تو آپ زبردست قادر ہیں یعنی آپ برد

میں محبت میں سے بڑا حق محبت ہے اور اس کے مقصد یہ

عنت یہ ترجمہ صحت اُمت العزیز العظیم کا ہو اس کی تقریر اس لئے کر دی کہ بعض نادان اس کا ارتباط ان لغز لہم کیساتھ نہیں سمجھتے ۱۲ منہ

قادریں کیا مشکل ہے آپ کو بخشنا۔ ساری رات اسی میں گذر گئی۔ ہمارا وجود کبھی کہیں نہ تھا اور آپ کی حالت یہ تھی مولانا فرماتے ہیں ۵

ما نبو دیم و تقاضا ما نبود لطف تو ناگفتہ مامی شتود

نہ ہم تھے نہ ہماری طرف سے تقاضا تھا مگر بے کہے ہوئے درخواست پیش بھی ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام بھی شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے کیا نفع۔ ہم کیا پیش کر رہے ہیں۔ کیا فیض تھا ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں قسم کا نفع پہنچتا ہے اگر کہو کہ ہم درود شریف پڑھتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع ہوتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا آپ لوگوں کو ہوتا ہے۔ ہمیں ارشاد ہو حق تعالیٰ کا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۱۷ ایمان والو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجو) اگر آپ اپنے نوکر سے کہیں کہ یہ ہزار روپیہ ہیں ہم سے کہو کہ ہم اپنے بیٹے کو دیدیں تو اس نوکر کے مقبول بنانے کو اور اس کی عزت بڑھانے کو یہ صورت تجویز کی ہوتی کہ بیٹا روپے ملنے میں اس نوکر کا محتاج ہے۔ اگر نوکر نہ بھی کہے تب بھی روپیہ بیٹے کے لئے تجویز کر لیا گیا ہے صرف نوکر کی عزت افزائی کے لئے ایسا کیا ہے یہی حال درود شریف کا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ رحمت کی دعا کرو رسول کے لئے۔ رحمت بھیجنا تو منظور ہی ہے (خواہ ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں) چنانچہ اس کے قبل اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتُهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِيِّ (بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں) موجود ہے مگر ہماری قدر بڑھانے کو ہمیں کہہ دیا کہ درود بھیجو کہ تمہارا بھی بھلا ہو۔ اور بگا کوئی شخص کیا منہ لیکر کہہ سکتا ہے کہ آپ ہمارے محتاج ہیں اور اس کہنے سے آپ پر رحمت ہوگی۔ یہ شبہ شاید کسی خشک مزاج کو ہوتا اس لئے رفع کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاملہ حق تعالیٰ کا ہے وہ ہماری درخواست پر موقوف نہیں اس کی ایک دلیل یہ بھی ہو کہ علمائے لکھا ہے کہ اور عبادات بعض دفعہ مقبول ہوتی ہیں اور بعض دفعہ مردود لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہوتا ہے۔ سو اگر ہمارے عمل کا آپ پر رحمت نازل ہونے میں کوئی اثر ہوتا تو جیسے اور اعمال ہیں یہ بھی ہمارا عمل ایسا ہی ہوتا چاہئے تھا (کبھی مقبول اور کبھی مردود) سو ہمیشہ مقبول ہونا دلیل ہی اس کی کہ

معلوم ہوا کہ ہمارے عمل کا اس میں کوئی اثر نہیں۔ حق تعالیٰ ضرور رحمت بھیجتے ہیں۔ ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں اس لئے (درود شریف) کبھی غیر مقبول نہیں ہوتا بس خدا تعالیٰ کو رحمت بھیجتا تو ہے ہی ہم کو جو حکم دیا تو صرف ہمارا عزت بڑھانے کے لئے۔ نیز ہماری اعمال ظاہر ہو کر مقبول ہونے کے قابل ہیں نہیں اور جو عمل مقبول نہ ہو وہ کالعدم ہی پھر ہمارا درود پڑھنا کالعدم ہوا مگر پھر بھی آپ پر رحمت ہوتی ہی کوئی شخص یہ احسان نہ سمجھے کہ میں درود بھیجتا ہوں تب ہی رحمت ہوتی ہی۔ اگر ہم آفتاب کے سامنے ہو گئے تو آفتاب نے ہم کو منور کر دیا آفتاب ہمارا محتاج شعاع میں نہیں پس علماء کے قول سے اس کی بھی تائید ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نفع کے محتاج نہیں البتہ اس مقام پر ایک شبہ اور ہو سکتا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دین کی تعلیم کی ہی اور ہمارے عمل کرنے سے آپ کو بھی ثواب پہنچتا ہی تو اگر ہم عمل نہ کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ثواب کیسے ملے گا پھر ہماری عمل کو اس میں دخل ہوا۔ جواب اس کا یہ ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس نیت سے تعلیم فرمائی کہ امتی عمل کریں اور نیت پراجر ملجاتا ہی پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نیت فرمائی تو آپ ہر حال میں ماجور تو ہو گئے۔ اب ہمارے عمل کرنے کا اثر اتنا رہا کہ عمل کرنے سے آپ کا جی خوش ہوتا ہی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوتی ہی کہ فلاں امتی نے یہ عمل کیا تو آپ خوش ہوتے ہیں بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے کوئی نفع نہیں مگر پھر بھی آپ کو ہم سے کتنی محبت اور ہماری یہ کیفیت کہ زبانی دعویٰ محبت کا بہت اور خیر بعض میں کسی قدر زبانی سوز و گداز بھی سہی۔ چنانچہ جب اس قسم کی مجالس میں شعر اشعار پڑھے جاتے ہیں تو ہائے ہو بہت کرتے ہیں مگر اس کی پرواہ نہیں کہ جس سے محبت کا دعویٰ ہو اعمال ناشائستہ کا ارتکاب کر کے ان ہی کو ایذا پہنچا رہے ہیں تو صاحب ایسے سوز و گداز سے کیا نتیجہ۔ مجھے اس پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک شاعر آزاد منش تھے۔ بعض کا دل رقیق ہوتا ہی وہ بھی ایسے ہی تھے اس لئے ان کے کلام میں سوز و گداز تھا ایک شخص ان کا فارسی کلام دیکھ کر کلام سے ان کو صوفی سمجھ کر ایران سے چلے۔ آکر کیا دیکھا کہ ایک حجام خلیفہ ان کے سامنے ہو اور ان کا چہرہ استرے سے صاف کر رہا ہی اس شخص نے جھلا کر کہا کہ آغا ریش می تراشی (آغا کیا ڈاڑھی تراشوتے ہو) شاعر صاحب نے کہا کہ بلے ریش می تراشم مگر دل کے نمی خراشم یعنی داڑھی تو تراشواتا ہوں مگر کسی کا دل نہیں دکھاتا بڑا گناہ دل دکھانا ہے۔ اُس نے بیساختہ جواب دیا کہ آ رہے دل

علیٰ آعقابکم (سو آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ اُلٹے پھر جاؤ گے) اور بعض صحابہؓ کا جو یہ خیال تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت میں محبوب کی موت کا خیال بھی لانا گوارا نہیں ہوتا اس لئے صحابہؓ کبھی سوچتے بھی نہ تھے کہ موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگی۔ مجھ کو اس پر تعجب ضرور ہوتا تھا مگر ایک واقعہ دیکھ ا یقین ہو گیا قریب کا واقعہ ہی ایک بی بی کی شادی ہوئی ایک عالم سے وہ عالم مر گئے شدید صدمہ ہوا جس کی وجہ سے یہ تحقیق ہوئی کہ اُس بی بی کا گمان یہ تھا کہ عالم مرا نہیں کرتے اور یوں کہا کرتی تھی کہ میں بڑی خوش قسمت ہوں جو ان سے شادی ہوئی کہ کبھی مرے گے نہیں۔ اُن کا طاعون میں انتقال ہو گیا تھا۔ وہ بی بی کہتی تھیں کہ میں نے سنا ہی نہ تھا کہ مولوی مرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے اب موجود ہیں جو علماء پر موت کے ورود کو بعینہ سمجھتے ہیں تو صحابہؓ کا مرتبہ حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسا خیال ہو تو کیا بعید ہے مگر حضرت ابو بکرؓ باوجود کمال عشق کے مستقل رہے تو حقیقت میں کمال عشق وہ ہے جو کمال عقل کے ساتھ ہو سو ایسا شخص مغلوب ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نہیں چھوڑے گا۔ ہمارے مجمع میں ایک مجذوب ہیں اللہ اور اہل اللہ کا نام سنکر اس قدر چلاتے ہیں کہ تاب نہیں رہتی مگر نماز میں کبھی چیخ نہیں نکلتی آہ بھی نہیں نکلتی۔ یہ کمال اتباع کی دلیل ہے شیخ عبدالحق دہلویؒ اس قدر مغلوب الحال تھے کہ جامع مسجد میں تیس برس تک نماز پڑھنے پر بھی مسجد کا راستہ یاد نہ ہوا مگر جماعت ایک وقت کی بھی قضا نہ ہوئی۔ مخدوم صابرؒ بارہ برس تک مستغرق رہے مگر کبھی نماز قضا نہ ہوئی۔ نماز پڑھی پھر مستغرق ہو گئے یہ کمال عقل کی علامت ہے اور عقل جس قدر زیادہ کابل ہوگی اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی جیسے یہ حضرات اہل محبت تھے کہ خدا کے احکام کے لئے مغلوب نہ ہوئے اور اس کا راز یہ ہے کہ محبت بڑھتی ہے معرفت سے اور معرفت ہوتی ہی عقل سے جتنی عقل کابل ہوگی اتنی ہی معرفت ہوگی اور جتنی معرفت ہوگی اتنی محبت ہوگی جتنی عقل کم ہوگی معرفت کم ہوگی۔ بس کابل العقل وہ ہے جس کی شان انبیاء علیہم السلام کی سی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کو کتنی محبت تھی مگر مغلوب نہیں ہوتے تھے سو کمال محبت تو یہ ہے کہ اضطرار ابھی احکام میں اخلال نہ ہو لیکن اگر ایسا اخلال بھی ہو گیا تو گو کمال نہیں مگر صدق تو ہے اور جہاں اختیاراً و قصداً اخلال ہو جیسے یہ لوگ (مدعیان محبت) کھاتے پیتے زراعت کرتے ہیں۔ رشوت، سود بٹا دیتے لیتے ہیں پھر عاشق۔ یہ اچھے

عاشق ہیں کہ سارے احکام ان سے ٹل گئے۔ نظر ہے کہ جب مغلوب نہ ہو گا تو تمام احکام اس پر ہوں گے سو ایسے لوگوں کے متعلق تو کہاں سے قطع نظر کر کے محبت ہی میں کلام ہو۔ دوسرے محبت کی خاصیت یہ ہے کہ اِذَا جَاءَتِ الْاُلْفَةُ دُفِعَتِ الْكُلْفَةُ (جب ہوگی اُلفت اٹھ گئی کلفت) یعنی وہ شخص محبِ رسول کا پابند نہیں ہوتا کلفت جاتا رہتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان مدعیوں میں کلفت اور زیادہ ہے۔ صحابہؓ کی شان تھی کہ وہ اکثر اوقات ذکر کرتے تھے رسم کی اس میں کوئی قید نہ تھی چار آدمی بیٹھے ہیں بجائے اس کے کہ اور کوئی ذکر کریں بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تھے ہماری یہ کیفیت ہے کہ کسی کو سال بھر کے بعد یاد آتا ہے کسی کو مہینہ کے بعد کیا وہ اس کے منظر رہتے تھے کہ مجمع کریں شیرینی منگائیں اب یہ کیا بات ہے کہ کبھی بلا اس کے ذکر ہی نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ کلفت آپ کی سنت کے بھی خلاف ہو جن کی محبت کا دعویٰ ہے۔ پس گو ایک لمپ کافی ہو مگر بیس بیس جلا میں گے کیا یہ اسراف نہیں ہے و اعظا کے لئے مسند بچھایا گیا ہے خواہ ریشمین ہی ہو اس کا استعمال کہاں جائز ہے۔ داڑھی ترشوائی ہے۔ یہ ادب ہے محفل ذکر شریف کا۔ اور جہاں ایسا کلفت نہ ہو اور کوئی شخص محفل منعقد کرے تو کوئی بھی نہ آئے۔ یہیں کانپور کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اشتہار دیا کہ فلاں مسجد میں میلاد ہے مگر اخیر میں مٹھانی نہ بانٹی تو برا بھلا کہتے گئے کہ بڑا دھوکا دیا۔ محبوب کا ذکر سن کر کبھی مٹھانی کی سوجھ رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے سامنے ہفت اقلیم کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ محبت تو کیا ہوتی نقل محبت بھی نہیں اگر نقل ہوتی تو کم از کم صورت تو ویسی بنا لیتے وہ ہی ہیئت بنا لیتے۔ اس پر عالمگیر کی حکایت یاد آئی جب عالمگیر کی تخت نشینی کا جلسہ ہوا تو کام کے لوگوں کو عطا یا دیئے گئے ایک بہروپہ بھی مانگے آیا مگر عالمگیر تھے اُس کو کس مار سے دیتے اور ویسے صاف انکار کرنا بھی آداب شاہی کے اعتبار سے نازیبا معلوم ہوا جیلہ سے ٹالنا چاہا۔ اُس سو کہا کہ انعام کسی کمال پر ہوتا ہے۔ تمہارا کمال یہ ہے کہ ناشناسا صورت میں آؤ مگر وہ جب کبھی بھیس بدل کر آیا بادشاہ نے پہچان پہچان لیا کبھی دھوکا نہیں کھایا کہ جس روز دھوکہ دیدے گا انعام کا مستحق ٹھیرے گا اتفاق سے عالمگیر کو سفر دکن کا درپیش تھا۔ بہروپہ داڑھی بڑھا مقدس لوگوں کی صورت بنا رستہ میں کسی گاؤں میں جا بیٹھا کچھ روز کے بعد شہرت ہو گئی۔ عالمگیر کی عادت تھی کہ جہاں جاتے تھے علماء اور فقرا سوسے برابر ملتے تھے چنانچہ جب اس مقام پر پہنچے وہاں شہرت سن کر اول وزیر کو اُس کے پاس بھیجا۔ وزیر نے کچھ مسائل تصوف کے پوچھے اُس نے سب کے

محبت کی خاصیت یہ ہے کہ اِذَا جَاءَتِ الْاُلْفَةُ دُفِعَتِ الْكُلْفَةُ

صحا میں ذکر کے لئے کوئی قید نہ تھی

جواب معقول دیئے۔ بات یہ تھی کہ اُس وقت بہروپے بہرن کو قصداً حاصل کرتے تھے۔ وزیر نے
 آکر عالمگیر سے بہت تعریف کی۔ عالمگیر خود ملنے گئے۔ آپس میں خوب گفتگو رہی اور خوب سمجھ گئے کہ
 شاہ صاحب کا مل شخص ہیں۔ چلتے وقت ایک ہزار اشرفیاں بطور نذر پیش کیں۔ اُس نے انات
 ماری اور کہا کہ تو اپنی طرح ہم کو بھی ساگے نیا خیال کرتا ہو۔ اس کو اور بھی اعتقاد بڑھا۔ واقعی
 استغنا عجیب چیز ہے۔ عالمگیر لشکر میں واپس چلے آئے پیچھے پیچھے بہروپہ صاحب پہنچے کہ ایسے
 انعام خدا تعالیٰ حضور کو سلامت رکھے۔ بادشاہ نے کہا اے تو تمہارا غرض انعام دیا مگر تمہاری
 اور کہا کہ اُس وقت جو پیش کیا تھا اُس کو کیوں نہیں لیا تھا وہ تو اس سے بہت زیادہ تھا
 اور میں اس کو واپس کھوڑا ہی لیتا۔ اُس نے کہا کہ حضور اگر میں لیتا تو نقل صحیح نہ ہوتی کیونکہ
 وہ فقیری کا روپ تھا اور فقیر کے شان کے خلاف تھا وہ لینا۔ نقل تو اس کو کہتے ہیں کم از کم
 مدعیانِ محبت نے شکل تو بنائی ہوتی اہل محبت کی سی۔ اگر شکل بناتے تو ظاہر ہی میں رسم
 اور قیود کی پابندی نہ ہوتی۔ عرب میں پھر یہاں سے تفاوت ہو یہ حالت ہو کہ چھوڑ کر بائٹے
 شروع کئے اگر کچھ آدمی بچ رہے اور چھوڑے ختم ہو گئے تو کہہ دیتے ہیں (خلاص) یعنی اب
 نہیں رہا۔ یہاں یہ کیفیت ہو کہ اگر کھائی آنے میں دیر ہو تو پڑھنے والے ہی کہہ دیتے ہیں کہ
 ذرا تھام تھام کر پڑھنا امرتیاں منگانی ہیں ابھی آئیں نہیں کبھی تاک کئی ہو جاوے۔ یہاں
 تو نقل بھی نہیں دعویٰ ہی ہو۔ بے تکلفی پر یاد آیا کہ ایک بزرگ تھے ان کی عادت تھی کہ
 کبھی کبھی کچھ منگا کر مساکین کو تقسیم کر کے روح مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچا دیتے
 ایک دفعہ کچھ نہ تھا چنے ہی تقسیم کر دیئے تو خواب میں دیکھا کہ چنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
 سامنے رکھے ہیں۔ محبت کا طریق یہ ہو۔ محبت میں تو تکلف ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک بزرگ کے
 خلوص اور بے تکلفی کی حکایت یاد آئی کہ وہ ایک دوسرے بزرگ سے ملنے چلے ان کا جی
 چاہا کہ کچھ لے چلیں مگر پاس کچھ تھا نہیں پس یہ کیا جنگل سے خشک لکڑیاں ہی کھوڑی
 سی جمع کر کے لے گئے اور پیش کر دیں اُنہوں نے حکم دیا خادم کو یہ لکڑیاں احتیاط سے رکھ لو
 جب ہمارا انتقال ہو تو پانی ہمارے غسل کے لئے ان ہی لکڑیوں سے گرم کیا جائے ہم کو
 اس کی برکت سے اُمید ہو نجات کی۔ یہ کیفیت تھی بے تکلفی کی اور اب تو یہ حالت
 رہ گئی ہو کہ یوں خیال کرتے ہیں کہ پیر کی خدمت میں جب جائیں کہ جب کچھ ہو۔ اس کو
 معلوم ہوا کہ پیر کو بھی دنیا دار سمجھتے ہیں اگر ایسا سمجھا ہو تو ایسے پیر کو چھوڑ دینا واجب ہو

یہ تو مریدوں کو تکلف کی کیفیت تھی اب رہے پیرسواں کی بھی طمع کی یہ حالت ہو کہ جب کوئی مریدین میں سے ان کے پاس آتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ کچھ لایا ہو گا۔ بقول مولانا ننگوئی کے کہ کوئی نہ کھیلانے لگے تو پیر سمجھیں گے کہ پگڑی میں سے نکال کر کچھ دیکھا۔ ایسا طمع کا باب کھلا ہے ایسے پیروں سے تو ان کے بعضے مرید اچھے جو پیر سے محض نیاک نیتی سے تعلق رکھتے ہیں گو اس تعلق رکھنے میں ان سے غلطی ہوئی مگر خلوص تو ہے۔ ایک ایسے ہی پیر و مرید کا قصہ یاد آیا کہ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں تو شہد میں بھری ہوئی ہیں اور میری غلیظ ہیں۔ پیر نے کہا کہ کیوں نہیں ہم ایسے ہی ہیں اور تم ایسے ہی ہو۔ مرید نے فوراً کہا کہ حضور ابھی خواب پورا نہیں ہوا میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی چاٹ رہا ہوں۔ پیر نے کہا نکل یہاں سے خبیث۔ اُس نے کہا کہ خبیث تو ہوں مگر دیکھا یوں ہی ہے یا تو واقعی یہ خواب ہی دیکھا ہو گا یا مرید نے پیر کا حال ظاہر کرنے کو تراشا ہو گا ہر حال میں مطلب یہ تھا کہ مرید کا تعلق تو پیر سے دین کے لئے تھا اور پیر کا تعلق مرید سے دنیا کے لئے تھا یہ حالت ہو رہی ہے۔ پیر کیا ہے ایک دکان ہے کیسی پیر مریدی۔ اگر پیر ایسا ہے کہ تمہارے خیالی جانے سے ناراض ہو گا تو واجب ہے آپ کے ذمہ اُس کو طلاق دو۔ غرض یہ تکلفات سب علامتیں اسی کی ہیں کہ خلوص اور حقیقی محبت نہیں اسلح ذکر مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سمجھے کہ اگر سچی محبت ہو تو قیود و تکلفات کا انتظار نہ ہوتا۔ چین نہ ہوتا یہ نہ سوچتے کہ پہلے لڑو بیوالیں اُس وقت ذکر کریں گے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ارے بھائی کیا اس میں اس قسم کی کوئی شرط ہے۔ نماز میں تو وقت و عدد وغیرہ کی شرط ہیں مگر ذکر میں تو بجز موافقت حدود شرعیہ کے ایسی کوئی شرط نہیں۔ جیسا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کوئی شرط نہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔ اس میں نہ وضو کی قید نہ وقت کی قید نہ عدد کی قید بلکہ یہ ہونا چاہئے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(ایک پلک مارنے کی مقدار بھی مجھ سے غافل نہ رہو شاید کہ تم پر لطف کی نگاہ کرے اور تم آگاہ نہ ہو)

ہر آنکہ غافل از حق یا نہ مان است در آمدم کافرست اما نہان است

(جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ایک گھڑی غافل ہے اس گھڑی وہ کافر ہے لیکن پوشیدگی میں)

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر کرتے تھے یذکر اللہ فی کلّ احوالہ

(یعنی اپنے سارے وقت میں ذکر اللہ کرتے تھے) البتہ علمائے اہل سنت نے اتنا تو فرمایا ہو کہ پانچاں پشیا کے وقت زبان سے نہ کرے لیکن قلب سے دھیان رکھے جب ذکر اللہ کے یہ احکام ہیں اور عشاق کے نزدیک آپ کا ذکر مثل ذکر اللہ تعالیٰ کے ہو جب اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے کوئی قید نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیوں قید ہوگی۔ چار آدمی بیٹھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر لیں۔ تنہا ہو ذکر کر لے بلکہ تنہائی میں تو بہت لطف آتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے کہ یارے بر خور داز وصل یارے

(کیا اچھا وقت اور کیا اچھا زمانہ ہے کہ کوئی محب اپنے محبوب کے وصال سے لطف اندوز ہو)

جو بڑی بڑی محفلیں کرتے ہیں ان سے قسم دیکر پوچھتے کہ بدون اس خاص ہیئت کے تم کو کتنی توفیق ہوتی ہے اس ذکر کی۔ کوئی کتاب پڑھتے ہو اس سے مزہ لیتے ہو بلکہ بعض تو اسکو (یعنی میلاد کو) دین بھی نہیں سمجھتے بلکہ عمل سمجھتے ہیں روزگار کی ترقی کا۔ اسی نیت سے کرتے ہیں گیارہویں بارہویں اور یوں سمجھتے ہیں کہ سال بھر تک جو کمایا تھا گیارہویں بارہویں کرنے سے گذشتہ تو ساری کمائی پاک ہو جاوے گی اور آئندہ آفات سے بچے رہیں گے عہدہ بڑھے گا اولاد جسے گی ان دنیاوی اغراض سے کرتے ہیں اَللّٰمَّ شَاءَ اللّٰهُ اِسْمِیْ لَیْ اِیْسَی لوگوں میں بالکل ادب بھی نہیں ذکر مبارک کا یہ ہیں کا قصہ ہے کہ ایک جگہ میلاد ہوا اور اس سے اگلے ہی دن وہیں ناچ ہوا۔ شادی تھی ایک صاحب کے یہاں جس میں ناچ کی دعوت بھی کی گئی تھی بعض ان کے دوستوں میں ثقہ بھی تھے انھوں نے انکار کیا۔ بس ان کی ضرورت سے یہ محفل کی تھی مگر دوسرے دن وہیں ناچ کی محفل کرادی جو ان کو اصلی مقصود تھا۔ اس شخص نے دونوں پہ برابر سمجھے۔ یہ حالت ہے۔ اور بعض جگہ اگر کوئی ایسا امر منکر بھی نہیں ہوتا تب بھی سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ روایات میں اس قدر بے اعتدالی کرتے ہیں کہ جن کا سر نہ پاؤں۔ قصیدے اس قسم کے پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی خود رسول کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں عرض کرتا ہوں واقعات دکھاتا ہوں تاکہ محض فرضی دعویٰ نہ سمجھا جائے۔ ایک قصیدہ ہے اور اس کا یہ شعر ہے: شاعری میں آکر یہ کہہ دیا ہے

طوافِ کعبہ مشتاقِ زیارت کو بہانہ ہے کوئی ڈھب چاہئے آخر قیوب کی خوشامد کا

یعنی اصل تو زیارت مدینہ کی ہے حج مقصود نہیں ہے حج محض ایک مصلحت سے کرتے ہیں اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اللہ میاں (نعوذ باللہ) عاشق ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہم بھی

عشاق کے نزدیک آپ کا ذکر مثل ذکر اللہ کے ہو جس میں کوئی قید نہیں

بعض میلاد کر سکتے ہیں روزگار کی ترقی کا اسی نام پر ہوتا ہے

لیونوں میں ذکر مبارک کا ادب نہیں

قصیدہ بیہودہ میلاد میں پڑھنا

عاشق اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے چلے اور محبوب کے دو عاشق آپس میں قیب کہلاتے ہی ہیں تو گویا اللہ میاں (نعوذ باللہ) ان کے رقیب ہوتے اور رستہ میں گھر پڑتا ہی رقیب کا جو قادر ہو شاید جانے نہ دے اس لئے حج کر کے ان کی خوشامد کر لینی چاہئے اس سبب سے پہلے طوافِ کعبہ کرتے ہیں کہ خوش رہیں اور کچھ کھنڈت نہ ڈال دیں (نعوذ باللہ) اور لیجئے کہ

پے تسکین خاطر صورتِ پیرا ہن یوسف ^{صا ذ علیہ سلم} محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قدا کا

یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک ہو سکتی ہیں سوشاعر صاحب اس کا نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سایہ کیوں نہ تھا تو وہ نکتہ یہ ہوا کہ یعقوب علیہ السلام نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت یہ سوچا کہ یوسف مجھ سے جدا ہوتے ہیں میرے دل کو تسلی کیسے ہوگی پیرا ہن رکھ لیا کہ اسی کو دیکھ لیا کروں گا۔ اسی طرح نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنا چاہا تو سوچ ہوئی کہا کہ میں کا ہے سے تسلی حاصل کروں گا۔ اس لئے سایہ کو رکھ لیا کہ اس سے تسلی تو ہو جایا کرے گی الہی توبہ الہی توبہ۔ انصاف سے کہئے کہ ان مضامین کے بعد ایمان باقی رہ سکتا ہے اس شعر میں حق تعالیٰ کے لئے بیچینی ثابت کی ہے پھر بصیر ہونے کا انکار کیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جب بصیر وخبیر ہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ دکھائی نہیں دیتا تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا کرتے پھر سایہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی کیا ایسی محفل کرنے سے پکڑ دھکڑ نہ ہوگی۔ بانی محفل پر مواخذہ نہ ہوگا۔ اگر دین ایسا سستا ہے کہ کہیں سے بھی نہیں جاتا تب تو خیر گستاخی بھی کوئی چیز نہیں مگر دین تو ایسا سستا نہیں ہے کیا دین کے یہ معنی ہیں کہ سب کچھ کے جاؤ اور وہ نہ جائے۔ یہ تو اللہ میاں کی شان میں سوراہا تھا اب انبیاء علیہم السلام کی شان میں دیکھئے ایک شاعر صاحب کہتے ہیں سے

برآسمان چہارم مسیح بیمار سرت تبسم تو برائے علاج درکار سرت

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان چہارم پر بیمار ہیں اور ان کا علاج آپ کا تبسم ہی سچ بتلائیے کہ کیا حضرت عیسیٰ بیمار ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم سے وہ اچھے ہو جائیں گے اور حقیقت میں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناراض کرنا ہی۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات سے خوش ہوں گے جس میں دوسرے نبی کی توہین ہوتی ہو۔ آپ سمجھئے کہ آپ کے کوئی بھائی حقیقی ہو اور اس کے ایک بیٹا ہو اور وہ آپ کی شان میں

گستاخی کرے تو کیا بھائی گو یہ بات پسند ہوگی ای طرح انبیاء علیہم السلام آپس میں بھائی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب میں بڑے ہیں اگر آپ نے کسی نبی کی توہین اور ان کی شان میں گستاخی کی تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے۔ ایک شاعر صاحب ہیں کہ انھوں نے نعت لکھنے کے لئے روشنائی تجویز کی ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کو اس روشنائی کے حل کرنے کے لئے کھل قرار دیا ہے وہ شعر اس وقت مجبوریاً نہیں رہا۔ سچ بتلایئے ایمان اگر ہم انبیاء علیہم السلام کو کسی موقع پر مجتمع پائیں اور وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوں تو کیا اس مجمع میں ہم ان اشعار کا نکرار کر سکتے ہیں کیا یعقوب علیہ السلام کی آنکھ میں روشنائی پس سکتے ہیں یا ان کے منہ پر ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔ تو جو بات منہ پر کہنا بی ادبی قرار دیا جائے کیا پیچھے کہنا گستاخی نہ ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی تو بڑی شان ہے۔ مخلص لوگوں نے تو دوسرے اہل اللہ کے ساتھ اس کی رعایت کی ہے۔ ایک قصہ یاد آیا۔ ایک عورت جس کو جذام کا مرض تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں طواف کعبہ کر رہی تھی آپ نے فرمایا یا امة اللہ اقعدي في بيتك ولا تؤذي الناس یعنی کہ لوگوں کو تیری وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اب نہ آنا۔ چنانچہ وہ چلی گئی پھر عرصہ کے بعد پھر طواف کا شوق ہوا اگر طواف کرنے لگی۔ ایک شخص نے کہا خوب دل کھول کر طواف کر جو شخص تیرا روکنے والا تھا وہ انتقال کر گیا کہنے لگی وہ شخص ایسا تھا کہ سامنے تو اس کا اتباع کیا جائے اور بعد میں مخالفت کی جائے یہ کہہ چلی اور کہا کہ اب نہ آؤں گی کیونکہ وہ منع کر گئے تھے۔ میں تو اس لئے آئی تھی کہ طواف کر کے پھر ان کو راضی کر لوں گی جب وہ نہیں پھر کس سے معاف کر لوں۔ سو ادنیٰ پیچھے وہ معاف کرے جو سامنے کر سکتا ہو۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیچھے کیوں آیا معاملہ کیا جاتا ہے جو سامنے نہیں کر سکتے۔ کسی نے خوب رد کیا ہے اس شعر کا (جس میں دیدہ

یعقوب کو کھل بنایا تھا) وہ یہ ہے

نظر آتا ہے جسے دیدہ یعقوب کھل

ابھی اس آنکھ کو ڈالے کوئی پتھر سے کھل

اور کہتے ہیں

کوئی تشبیہ نعتی اور نصیب اجہل

تو بہ ہے یوں ہو کہیں چشم نبی مستعمل

انبیاء علیہم السلام کی شان میں تو ایسے اشعار بطور نقل بھی کہتے ہوئے پریشانی ہوتی ہے بلکہ سب سے بڑھ کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت بے ادبی کی جاتی ہے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کی جاتی ہے

آپ کی شان میں کہتے ہیں فتنہ عرب۔ شور و عجم۔ آوردہ رسم کافر۔ جس ذات نے کفر کی جرأت کی ان کے لئے یہ کہا جائے۔ اصل میں یہ امیر خسر و کا شعر ہے جو مجازی فرضی محبوب کے لئے کہا گیا ہے کسی نے اس کو نعت کے اشعار میں تضمین کر لیا ہے باقی امیر خسر و نے یہ شعر نعت میں نہیں کہا اور اگر امیر خسر و بھی کہتے تو ہم ان کی نسبت بھی یوں کہتے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرے۔ اگر وہ ایسا کہتے تو ان کی بھی غلطی ہوتی باقی ان کی نسبت ہم زیادہ اس لئے نہ کہتے کہ وہ بزرگ ہیں وہاں تاویل غلبہ حال کی ہو سکتی ہے گو اوروں کو اس کا نقل بطور شغل کے جائز نہ ہوتا مگر جو صاحب حال بھی نہ ہو اس کے پاس کیا عذر ہو ان گستاخیوں کا۔ اب بتلایئے یہی محبت ہے نیز اگر محبت ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے حقوق محبت بھی تو ادا ہوتے۔ جو لوگ اہتمام کرتے ہیں اس مجلس کا ان سے قسم دیکر پوچھو کہ وہ کس قدر درود شریف دن رات میں پڑھتے ہیں اگر ان سے جبکہ وہ محفل میں بلانے کے لئے آویں یوں کہو کہ جتنے درود شریف وہاں پڑھے جاتے ہیں میں اس سے زیادہ یہاں پڑھ لوں گا تو کبھی راضی نہوں۔ ایک شخص ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ رہا ہے اس پر تو انکار ہے اور جو محفل میں چار مرتبہ بھی نہ پڑھیں گے وہ محب ہیں ایسے ہی لوگ اصلاح کرنے والے کو کہتے ہیں کہ مولود شریف کا منکر ہو مگر اس جو سمجھنے کی بات ہے کہ نماز سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں لیکن اس میں بھی اگر کوئی شخص سجاوہ کے ادھر (مثلاً مشرق کی طرف) منہ کر کے اور گھٹنے کھول کر پڑھے اور اس پر کوئی منع کرے تو کیا یہ کہا جائیگا کہ یہ نماز سے روکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے روکتا تو اس کو کہتے ہیں کہ نہ تو کلمہ پڑھنے دے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے دیو ایسے شخص کو بیشک منکر کہیں گے۔ ایک شخص کہتا ہے کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر واجب ہے مگر تعجب ہے کہ اس کو منکر کہا جاتا ہے جو شخص یوں کہے کہ نشر الطیب پڑھو اور وہ کتابیں پڑھو جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے حالات ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات مذکور ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے احکام ہیں یہ سب ذکر ہی ہیں مگر ان میں کوئی قید نہیں ہے۔ کیا ایسے شخص کو منکر رسول کہیں گے۔ کیا یہ تہمت نہیں ہے۔ کیا اس کا حساب نہ ہوگا۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی سے کسی نے پوچھا کہ مولود کیسا ہے تو فرمایا کہ ہم تو ہر وقت مولود کرتے ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھا لا الہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور فرمایا یہ بھی مولود ہو گیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے

آج کے مہمانان محبت کو حقیقت میں محبت نہیں

یہ لوگ مصیبتیں کو منکر مولود کہتے ہیں ان کا غلط خیال ہے

تو آپ کا کلمہ کیسے پڑھا جاتا۔ مولانا کا یہ مولود شریف تھا ایسے شخص کو یہ کہنا کہ منکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اسکو محبت نہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی سخت بات ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ذکر کرتے تھے وہاں یہ قیدیں کہاں تھیں کسی صحابی نے مٹھائی منگائی ہو کسی نے صحابہ کو بلا کر جمع کیا ہونہ آنے والوں کو لتاڑا ہو تو بتلاؤ۔ بات یہ ہے کہ یہ چیزیں دو طرح سے ایجاد ہوتی ہیں بعض تو تکلف و تفاخر کی غرض سے چنانچہ ہم اس کی علامت بتلاتے ہیں کہ ایک فہرست لکھو اور اس میں یہ بھی لکھو کہ ہمارے یہاں مٹھائی نہ ہوگی دیکھیں ایسی فہرست لکھنا کون گوارا کرتا ہے اس سے تو بانی صاحب کی طبیعت اور نیت کا حال معلوم ہو گیا اگر تفاخر نہیں تو یہ کیوں ناگوار ہے۔ آگے سننے والوں کی نیت کو دیکھئے کہ اگر کوئی ہمت کر کے لکھ بھی دے تو پھر دیکھنا آتا کون ہے۔ دو قسم کی محفلیں کر کے دیکھ لو ایک وہ محفل جس میں مٹھائی ہو اور ایک وہ جس میں مٹھائی نہ ہو پھر دیکھو کہاں زیادہ آدمی ہوں گے۔ دوسرے تفاخر کی ایک دلیل یہ ہے کہ اگر اتفاقاً مٹھائی کم ہو جائے اور آدھے آدمی بلا مٹھائی چلے جائیں تو ناک کٹی کے خیال سے کسی قدر قلق ہوتا ہے۔ اگر لوگ مسجد میں نماز کے لئے آئیں گو کسی آہٹاری پر آئیں اور جگہ نہ ملے تو کوئی شکایت نہیں کرنا کہ ہتم صاحب نے ہماری بیقداری کی اور نہ ہتم کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ فلاں شخص کو جگہ نہیں ملی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہتم کہہ سکتا ہے کہ ہمارے اوپر کوئی احسان نہیں آپ دین کا کام کرنے آئے تھے جس قدر اہتمام ہم سے ہو سکتا تھا ہم نے کر دیا ہمارے ذمہ کچھ بھی نہیں ہاں کسی کے بلکے ہوئے شادی میں آؤ اور اہتمام میں کمی ہو تو شکایت ہو سکتی ہے پھر جب محفل میلا دین جگہ نہ ملنے یا مٹھائی سے رہ جانے میں شکایت ہوتی ہے اور خود محفل انجام دینے والے کو بھی سخت شرمندگی ہوتی ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس کو مثل حاضری مسجد کے نہیں سمجھتے مثل شرکت شادی کے سمجھتے ہیں جہاں تفاخر سبب ہوتا ہے اہتمام کا جس کی کمی سے شکایت ہوتی ہے پس اگر اس محفل کو دین کا کام سمجھتے ہیں تو حالات مذکورہ میں شرمندگی کیوں ہوتی ہے۔ اسٹیج مٹھائی موقوف کر دی جاوے تو اس سے سامعین کی نیت کا اندازہ ہو جاوے گا کہ کتنے آدمی ذکر میں شریک ہوتے ہیں مگر مٹھائی کے موقوف کرنے سے یہ نفع ضرور ہو گا کہ دوسرے غریب بھی ہمت کریں گے ذکر کی جن کو وسعت نہیں مگر اب کوئی اسکو گوارا کر سکتا ہے۔ نام کیسے ہو گا غرض ان رسوم کے ایجاد کی بنا پر ایک تو یہی تکلف و تفاخر ہے جس کو ابھی بیان کر چکا ہوں اور بعض شروع ہوتی ہیں غلبہ حال سے چنانچہ قیام کی اصل یہی غلبہ حال اور

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ذکر کرتے تھے وہاں تو کہاں تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتی ہے

وحد ہی اور آداب وحد میں سے امام غزالی نے لکھا ہے احیاء العلوم میں کہ اگر مجلس میں کسی کو وجد ہو اور وہ کھڑا ہو جاوے تو سب کو چاہئے کہ کھڑے ہو جائیں کیونکہ مخالفت سے انقباض ہوتا ہے اور موافقت سے انبساط۔ مخالفت سے طبیعت بجمہ جاتی ہے۔ تو یہ قیام کرنا بھی ذکر مبارک میں کوئی حکم شرعی نہیں صحابہؓ سے ثابت نہیں محض ایک قسم کا وجد ہے کسی وقت میں کسی صاحب حال پر حال طاری ہوا وہ حالت غلبہ میں کھڑا ہو گیا اور مطابق ادب وحد کے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس کے کھڑے ہونے پر سب کھڑے ہو گئے۔ بس اصل تو اتنی تھی بعد میں کسی کو یہ ہیئت طبعاً پسند آئی بس پاس کر لی (یعنی یہ بات اختیار کر لی کہ جب ذکر ولادت شریف ہو تو ضرور کھڑا ہوا جائے) اب غلو کی یہ حالت ہے کہ نماز تو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے عذر میں مگر میلاد بدون قیام نہیں ہوتا۔ بہر حال جب یہ وجد محققا تو جب غلبہ حال نہیں تو پھر اس کے اختیار کرنے کے کیا معنی۔ پھر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج اور وفات کا بھی تو ذکر ہی ہے۔ نزول وحی کا ذکر بھی ذکر ہے پھر پیدا ہونے کے ذکر کی کیا تخصیص ہے بس رسم ہو اور کچھ بھی نہیں۔ جیسے بعض بعض جگہ سماع میں اختراعات ہو گئے ہیں کہ اصل تو گذر گئی رسم رہ گئی۔ ایک موقع پر ایک بزرگ پر عین سماع کے اندر ایک وجد طاری ہوا وہ اٹھ کر مسجد کی طرف چلے قوال ان کے پیچھے پیچھے ہوئے قوال بھی پہنچ گئے مسجد میں۔ بس اتنی حقیقت تھی۔ ایک دفعہ ایسا ہو گیا تھا۔ اب وہاں لازم ہو گیا ہے کہ عین سماع کے اندر حسب سجادہ قصداً کھڑے ہوتے ہیں اور مسجد میں جاتے ہیں اور قوال ان کے پیچھے پیچھے ہوتے ہیں اور مسجد میں بیٹھ کر گانا بجانا ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئی صاحب وحد ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سن کر کھڑے ہو گئے تھے محبت میں رسول کی اور دوسرے شکر کا مجلس کھڑے ہو گئے ان کی موافقت میں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اب یہ لازم کیوں ہو گیا۔ اگر یوں کہو کہ جی چاہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی مستحب میں بھی احتمال ہو اوروں کے بگڑنے کا تو اس کو نہ کرنا چاہئے چہ جائیکہ مستحب بھی نہ ہو محض جی ہی چاہتی چیز ہو تو اگر میں اس کو اس مفسدہ کے سبب ترک کر دیں تو کیا حرج ہے اور اگر بالکل یہ ترک کرنے کو دل گوارا نہ کرے تو اچھا ضروری اصلاح تو ضروری ہونا چاہئے جس کی سہل صورت یہ ہے کہ میلاد میں کبھی قیام کر لیں کبھی نہ کریں اگر ایسا ہو تو کیا حرج ہے صاحب اگر پھر کوئی تم پر اعتراض کرے تب ہی کہئے مشکل تو یہ ہے کہ اس کو ایسا لازم سمجھتے ہیں کہ بھلا کوئی ترک قیام کرتا تو لے۔ باقی منع کر نیوالے مطلقاً حرام نہیں

بعض حکم شرعی کے اندر غلو

اور ضروری ہونا چاہئے جس کی سہل صورت یہ ہے کہ میلاد میں کبھی قیام کر لیں کبھی نہ کریں اگر

کہتے جیسا کرنے والے لوگ مطلقاً واجب سمجھتے ہیں بہر حال جب ایسی ایسی باتیں پیدا ہو گئیں تو اگر نہ کہا جائے تو کیا کیا جائے۔ اسی طرح گیارہویں میں گیارہ تاریخ کی پابندی نہ کرو کبھی نو کو کر لو کبھی بارہویں کو کر لو مگر عقیدہ درست رکھو اب تو یہ بھی نہیں اکثر لوگ گیارہویں ڈرکے مارے کرتے ہیں کہ نہ کریں گے تو حضرت سیدنا غوث پاک حمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ناخوش ہو جاویں گے جس سے کچھ ضرر ہو جاوے گا اگر خوف سے نہ کرتے ان کو مقبول سمجھ کر محبت سے کرتے تو پھر پابندی کی کیا ضرورت تھی کیا مقبولین و اولیاء کی یہ شان ہوتی ہو کہ نذرانہ دو خوش ورنہ ناخوش۔ ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ میں نے ان بدعات کے متعلق بیان کیا تو وعظ کے بعد ایک صاحب کہنے لگے کہ ایسے مسائل بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی خواہ مخواہ لوگوں کو بھڑکانا۔ میں نے کہا ضرورت آپ ہی حضرات نے ثابت کی ہو اگر آپ یہ بدعات نہ کرتے ہوتے تو ہمیں ان کے رد کی توبت نہ آتی۔ آپ کرنا چھوڑ دیں ہم رد کرنا چھوڑ دیں قصور تو آپ ہی کا ہو آپ عمل کرتے ہیں بلا ضرورت۔ ہم کہتے ہیں بضرورت۔ باقی ہم نفس عمل کو منع نہیں کرتے تم تخصیص تاریخ کی چھوڑ دو اور نیت اپنی درست کر لو ہم کچھ نہ کہیں گے۔ نیت یہ مت رکھو کہ روزگار میں ترقی ہوگی یا بیٹا ہوگا۔ نیت یہ رکھو کہ حضرت غوث اعظم ہمارے محسن ہیں کہ ہم کو ان سے دین پہنچا اگر وہ تشریف رکھتے ہوتے تو ان کی خدمت کرتے اب یہ نہیں ہو سکتا تو ہم ان تو اب ہی بخش دیں تو پھر ہم منع نہیں کریں گے مگر معیار اس نیت کا یہ ہوگا کہ پھر سب کی نیاز ہونا چاہیے ابو حنیفہ کی بھی اماں بخاری کی بھی (کیونکہ سب محسن ہیں) حضرت غوث اعظم کی تخصیص نہ ہوگی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تخصیص کیوں کر لی ہو اسی طرح سو ہم قیام کو منع نہیں کرتے مگر کہیں تو ذکر و ولادت کے وقت کھڑے ہو جاؤ کبھی رضاعت کے بیان میں کبھی معراج کے ذکر میں۔ علیٰ ہذا بعضی محفل میں تین چار دفعہ کھڑے ہو جاؤ۔ اگر اس طرح رکھو تو کون شخص منع کری۔ یہ حقیقت ہے اس عمل کی۔ مقصود یہ ہو کہ محبت رسول یہ نہیں ہے جیسے تم کرتے ہو۔ محبت کے لوازم سے ہے کہ سب حقوق ادا کئے جائیں ان میں سے ایک ذکر بھی ہو۔ پھر ذکر میں رو و تشریف بھی ہو قرآن شریف کی تلاوت، کبھی جس میں جا بجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت جامع تذکرہ ہو اگر قرآن شریف ختم کر لیا تو گویا پورا ذکر کر لیا چنانچہ آپ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

(حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں) اسی طرح بہت آیتیں ہیں ان سب آیات میں ذکر ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ذکر بھی بادشاہوں کا سا۔ اگر کسی بادشاہ کی سوانح عمری لکھو تو کیا بس اتنا لکھو گے کہ فلاں تاریخ پیرا ہوا اور فلاں تاریخ تخت نشین ہوا۔ اصل سوانح عمری تو یہ ہو کہ اس نے اتنو ملک فتح کئے یہ یہ احکام جاری کئے اس اس طرح مخالفین کی سرکوبی کی ایسی ایسی شجاعت ظاہر کی یہ ہو اصل سوانح عمری بس اس قاعدہ سے آپ کی اصل سوانح عمری دو ہی چیزیں ہیں قرآن و حدیث۔ قرآن شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری شان ظاہر ہوتی ہو آپ کے اخلاق کا ذکر ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **وَاِنَّكَ لَعَلَّ خُلُقٍ عَظِيمٍ** اور آپ کی شان میں فرماتے ہیں **اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا اَوْ مُبَشِّرًا وَاَوْذَاعِيًّا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهِ وَاَسْرًا جَا صُنِيْدًا رَيْثُكَ** آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہو کہ آپ گواہ ہوں گے اور مومنین کے لئے بشارت دینے والے اور کفار کو ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں) اسی طرح حدیث میں آپ کا کھانا پینا۔ سونا جاگنا اور دوسرے حالات مذکور ہیں۔ اے اللہ اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہوتا۔ میں اس کی وجہ بتلاتا ہوں۔ ایک حریف سے پوچھا تھا کہ تجھ کو قرآن شریف میں کونسا حکم سب سے زیادہ پسند ہے اس نے کہا **مَلُّوْا وَاَشْرَبُوْا** کہ کھاؤ اور پیو۔ پوچھا دعا کونسی پسند ہے کہا **رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدًا مِنَ السَّمَاءِ** (اے ہمارے پروردگار ہم کو آسمان سے دسترخوان نازل فرما) پس جس طرح اس شخص کو یہ پسند آیا اور یہ پسند کیوں نہ آتا کیونکہ اور باتوں میں تو نفس کے خلاف کچھ کرنا پڑتا ہی اور اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ اسی طرح ان لوگوں میں سارے ذکر و عمل میں یہ پسند آیا کہ آپ کا نور پیدا ہوا پھر وہ آپ کی والدہ میں آیا پھر فلاں تاریخ ولادت شریف ہوئی بس اور یہ ذکر پسند نہیں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جاگ جاگ کر طاعت کی ہے۔ ایک ہی آیت کی تلاوت میں رات گزر گئی۔ پاؤں مبارک ورم کر گئے اور یہ ذکر پسند نہیں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی ظاہر کی ہو معصیت سے۔ ریاسے۔ حرام خواری سے۔ اس کو نہیں بیان کیا جاتا۔ وجہ اس کی صرف یہ ہو کہ اس میں نفس کے خلاف کرنا پڑتا ہے سو اگر محض رسم ہی کی پابندی ہو تو اس کا علاج نہیں اور اگر عقل سے کاالیا جاننا کوئی چیز ہے تو کیا یہ شان ہوتی ہو مجتہدین کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تذکروں کو اڑا ہی دیں اسی طرح محبت کے لوازم سے ہی آپ کی شان میں گستاخی نہ کرنا اور آپ کی تعظیم کی جاو

نیز متابعت کرنا۔ میرے ایک صالح دوست نے جو کہ ذکر مبارک کے عاشق تھے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم اُس کی سفارش نہ کریں گے جو ہماری بہت تعریفیں کری۔ ہم تو اُس کی سفارش کریں گے جو ہمارا کہنا مالے۔ یہ تو اُن کا ذکر تھا جنہوں نے بزعم خود آپ کے حقوق میں سے صرف محبت کا پہلو لیا بعض تو وہ ہیں جنہوں نے عظمت کو لیا ہے نہ تو محبت ہی نہ متابعت اکثر یہ لوگ ہیں جن پر تعلیم جدید کا مذاق غالب ہے طرز ان کا یہ ہے کہ یہ لوگ علماء سے علتیں احکام کی پوچھتے ہیں احکام میں خود علتیں نکالتے ہیں اور جو بات اپنی عقل نارسا و ناقص کے خلاف ہو اُس کے ماننے میں اُن کو تامل ہوتا ہے کہیں کہتے ہیں کہ پلصراط پر چلنا عقل کی خلاف ہو اس لئے کہ وہ بال سے زیادہ ^{باریک} اور تلوار سے تیز ہے پھر کیسے کوئی چل سکتا ہے کہیں کہتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں کا بولنا عقل کی خلاف ہے غرض بڑی ارزاں چیز ان کے یہاں یہی ہے کہ جہاں چاہیں کہیں کہ عقل کی خلاف ہے اُن امور میں سے ایک حجاج بھی ہے کہ اُن کے نزدیک عقل کے خلاف ہے کہتے ہیں کہ محضوری دور جا کر ہوا نہیں ہے وہاں پہنچ کر جاندار کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتا یہ طرز بتلا رہا ہے کہ ان کو محبت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کیونکہ جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کے احکام میں شبہ نہیں ہوا کرتا فرض کیجئے کسی عورت سے محبت ہو جائے اور وہ کہے کہ اپنا کرتہ نکال کر سر بازار برسنہ نکل جاؤ تو میں تم سے خوش ہوں گی تو اگر وہ شخص محبت و عشق میں لپکا ہے تو کبھی نہ پوچھو گا کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ بلکہ یوں کہیگا کہ میرے محبوب نے اپنے راضی ہونے کی ایک صورت تو نکالی۔ مجھ کو اس فرمائش کی وجہ دریافت کرنے سے کیا غرض۔ میرا تو مطلب نکلتا ہے ہرگز کسی مصلحت اور حکمت کے معلوم ہونے کا انتظار نہ کریگا۔ محب کی تو بڑی مصلحت کا راضی کر دینا ہے جب ایک عورت مردار کی محبت میں یہ حال ہے کہ اس کے احکام کی علت دریافت نہیں کی جاتی تو یہ احکام تو دیکھو کسی ذات مقدس کے ہیں اُن کی علتیں کیوں دریافت کی جاتی ہیں بس بات یہ ہے کہ جو لوگ احکام میں شبہات نکالتے ہیں ان کو محبت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اگر محبت نہیں ہے تو ان کا ایمان ہی کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصریح فرماتے ہیں لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (ہر ایک تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کو اپنے والد اور بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو جائے) اس سے معلوم ہوا کہ جب تک اتنی محبت نہ ہوگی تو ایمان نصیب نہ ہوگا خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں الَّذِينَ آمَنُوا شَدِيدًا حُبًّا لِلَّهِ (جو لوگ ایمان والے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ شدید محبت ہے)

بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے صرف عظمت کو لیا ہے اور متابعت کو چھوڑ دیا

ایمان باللہ وہ ہے جس میں محبت ہو شدت کیساتھ اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول ﷺ متلازم ہیں پس ایمان بالرسول ﷺ کی شرط بھی وہی شدت محبت ہوگی اور علاوہ شہادت قرآن و حدیث کے ویسے بھی تو مشاہدہ ہو اور موٹی بات ہو کہ طاعت کا لطف ہی بلا محبت نہیں آتا جو طاعت بلا محبت کے ہو وہ محض صنایع کی طاعت ہوتی ہے حقیقی طاعت نہیں ہوتی اس طاعت کی ایسی مثال ہوگی جیسے انجن میں بھاپ نہ ہو اور اس کو مزدور ٹھیلے ہوں جس کی رفتار کچھ بھی قابل اعتبار نہیں ہوتی جہاں ٹھیلنا بند کیا بس رُک گیا۔ اسی طرح بدون محبت کے جو طاعت ہوگی قابل اعتبار نہیں طاعت جب ہی قابل اعتبار ہوگی کہ آگ لگی ہوئی ہو۔ بھاپ بھری ہو محبت کی بلکہ قطع نظر لطف کے آسان بھی طاعت جب ہی ہوتی ہے کہ جب محبت ہو۔ مثلاً ایک تو مزدور کا کہنا ماننا اس کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ جہاں آقا نکلا اور کام سے بیٹھ گئے اور ایک کسی مجبور کا محب کو کسی بات کی فرمائش کرنا اور اس کا کام پر لگ جانا اس کی یہ حالت ہوگی کہ اگر اس حالت میں کوئی اس سے یہ بھی کہے کہ کھانا تو کھا لو تو وہ یہ ہی کہے گا کہ میں جب تک کام کو پورا نہ کروں گا مجھ کو کسی بات میں چین نہ آئیگا غرض مزدور کے کام میں اور محب کے کام میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے خوب سمجھ لیجئے کہ دو اہم طاعت جو کہ عادت سہولت پر موقوف ہے بلا محبت نہیں ہوتی پس جب عقلاً بھی محبت طاعت مفروضہ کا موقوف علیہ ہے تو ضرور محبت بھی فرض ہے اور ایسے لوگوں کو جب محبت نہیں تو ظاہر ہے کہ متابعت بھی نہیں جو محبت پر موقوف ہے اور ویسے بھی بدیہی ہے کہ جو لوگ احکام میں شبہات نکالتے ہیں وہ عمل کیا خاک کریں گے۔ غرض محبت و متابعت کو تو یہ عاری ہیں البتہ ان لوگوں کے قلب میں آپ کی عظمت ہے ضرور مگر عظمت بھی وہ نہیں جو مطلوب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جس حیثیت سے ہونی چاہئے وہ ان میں نہیں یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اصالتاً ایک شاندار اور عاقل بادشاہ سمجھتے ہیں اور ضمناً نبی بھی پس زیادہ عظمت آپ کی ان کے دل میں بادشاہ ہونے کی حیثیت سے ہونی ہونے کی حیثیت سے آپ کی زیادہ عظمت ان کے ذہن میں نہیں اگر نبی ہونے کی حیثیت سے اصل عظمت ہوتی تو احکام میں عینت نہ ڈھونڈتے کیونکہ نبی مومن احکام نہیں مبلغ احکام ہیں۔ اسی طرح آپ کا نام بانی اسلام نہ رکھتے جیسا کہ یہ لوگ آپ کو بانی اسلام کہا کرتے ہیں میرے نزدیک یہ لقب عیسائیوں کو لیا گیا ہے وہ لوگ اسلام کو خدا تعالیٰ کا بنایا ہوا نہیں سمجھتے بلکہ بوجہ انکار نبوت کے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو بنایا ہے۔ مسلمانوں اس لقب کو چھوڑو

طاعت بلا محبت صرف صنایع کی طاعت ہے اور اس کی نشان

دو اہم طاعت بدون محبت نہیں ہوتی

جدید خیال والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب بانی اسلام

خوب سمجھ لیجئے کہ بانی اسلام خدا تعالیٰ ہیں آپ کی تو یہ شان ہے ۔
 دس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔ انچہ استاد ازل گفت بگو می گویم

دس پردہ مجھے طوطی کی طرح بٹھا دیا ہے جو حکم استاد ازل سے ملا تھا وہ ہی میں کہہ رہا ہوں ۔

آپ کے تو ادھر سے سنا ادھر کہہ رہا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز خود نہیں بنائی ۔ آپ کی حکایت بیان فرما رہی ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آپ صرف سفیر ہی نہیں بلکہ ہماری آقا اور سردار بھی ہیں اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک پیام پہنچانا تو وہ ہے جیسے ڈاک کی خط پہنچانا ہے اور ایک وہ جیسے استاد مضامین شاگرد کو پہنچاتا ہے استاد صرف حکایت کر نیوالا ہی نہیں بلکہ حاکم اور مرنی بھی ہے سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی شان ہے بعض بے ادب لوگوں کو دھوکا ہوا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کی مثال محض سفیر جیسی ہے سو یہ محض باطل ہے بلکہ ہم غلام ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ ہمارے آقا ہیں ۔ البتہ مبلغ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کھٹاتے بڑھاتے نہیں ہیں اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ اجتہاد نہیں فرماتے تھے مگر وہ اجتہاد بھی مالا احکام وحی ہی میں داخل ہے کیونکہ جس اجتہاد کو قائم رکھنا نہ ہوتا تھا وہ وحی سے منسوخ کر دیا جاتا تھا پس منسوخ نہ ہوا وہ بھی وحی منصوص بن گیا پس احکام اجتہاد میں بھی آپ کی یہی شان ہے ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود ۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کا کہا ہوا اللہ تعالیٰ کا کہا ہوا ہے اگرچہ بندے کے منہ سے نکلا ہے)

اور اوپر جو کہا گیا ہے کہ آپ محض سفیر نہ تھے مرنی تھے اس کا ایک کھلا قرینہ یہ ہے کہ آپ کی حالت یہ تھی کہ جب کوئی شخص امت میں سے خلاف کرتا تھا تو آپ افسوس کرتے تھے کہ کیوں بگڑ رہا ہے سو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اس طرح کام سپرد ہوتا جیسے سفیر کے ہوتا ہے تو آپ افسوس ہی کیوں کرتے کیونکہ جب آپ نے سفارت پوری کر دی تو آپ بری ہو گئے ۔ سفیر کا کام تو اتنا ہی ہے خواہ کوئی جنت میں جائے یا دوزخ میں افسوس کے کیا معنی اس کی صاف معلوم ہوا کہ آپ سفیر محض نہ تھے ۔ غرض نہ تو سفیر محض تھے جیسا اہل تفریط سمجھے ہیں اور نہ مخترع احکام تھے ہمارے نبیوں کے مگر وحی کے بالکل تابع جب یہ ہے تو آپ کے فرمودہ احکام خدا تعالیٰ کے احکام ہیں پھر خدا تعالیٰ کے احکام میں عقل دوڑانا چہ معنی کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم ہماری علم کے جنس سے نہیں کہ ہم وہاں تک پہنچنے کی فکر کریں سو جب ان لوگوں نے عقل دوڑائی تو

آپ کو جس سفیر کہنا بھی سزا ہے

اجتہاد کی ذمہ داری ہے

تعلیم جہیدہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہ شاندار سمجھتے ہیں

معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپ کی شانِ نبوت کو مغلوب اور شانِ سلطنت کو غالب سمجھتے ہیں اور یہ خیال کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک بادشاہ شاندار سمجھتے ہیں اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ جب کبھی یہ لوگ آپ کے کارنامے بیان کرتے ہیں تو صرف بادشاہت کے کارنامے بیان کرتے ہیں آپ کے فقر و فاقہ کو بھی بیان نہیں کرتے کہتے ہیں کہ اس میں ہلٹی ہوگی مگر خوب سمجھ لو کہ جنکی عظمت می رودی ان میں تو ایسی باتوں سے کمی ہو سکتی ہے ورنہ ان حکایتوں سے کیا کمی ہوتی بلکہ اگر کسی پاس لشکر و حشم و خدم سب کچھ ہو اور اس صورت میں اس کو غلبہ رعب حاصل ہو تو وہ چنداں کمال نہیں۔ بڑی عظمت تو اس میں ہے کہ ایسی تو آپ کی حالت مگر پھر رعب کی کیا کچھ کیفیت۔ ان لوگوں نے اپنے مذاق کے موافق قیاس کیا ہے جیسے ان کے یہاں اناج نہ رہے تو چھپاتے ہیں مہان کے لئے کہیں سے سالن منگاتے ہیں تو مہان سے چھپا کر لا حوالہ دلاؤۃ الا باللہ میرے یہاں کا قصہ ہے وہ یہ کہ ایک دفعہ ہمارے یہاں سالن کم ہو گیا گھر کے لوگوں نے بھائی کے یہاں سے چھپا کر سالن منگایا کہ مہان کو خبر نہ ہو کہ یہ دوسری جگہ سے آیا ہے۔ جب کھانے بیٹھے تو میں نے صاف کہہ دیا کہ یہ بھائی کے یہاں سے آیا ہے۔ اور میں نے گھر میں کہا کہ ہم سے جو دوستوں کو محبت ہے تو اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے پھر اس میں اس کی کیا گنجائش دوسرے ہماری شان ہی کیا ہے جو گھٹ جاوے گی سو اپنی نسبت تو ہمیں ہی سمجھنا چاہئے کہ ہماری شان ہی کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ دوسرا ہے کہ آپ کی اتنی بڑی شان ہے کہ وہ ایسی حکایات سے گھٹتی ہی نہیں کوئی سمندر سے ایک قطرہ لے لے تو اس میں کیا کمی ہوگی۔ اگر چوٹی نے ایک ریزہ مٹھائی کا حلوائی کی دکان سے توڑ لیا تو اس کی دکان میں کیا کمی ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ہی ارفع ہے آپ کے اُمتیوں میں ایسے ایسے گزرے ہیں کہ سلطنت کی بھی پروا نہیں۔ حضرت غوث اعظم پاک رحمة اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس شاہ سب نے لکھا تھا کہ ملک نیمروز کا ایک حصہ آپ کی خانقاہ کے خرچ کے لئے نذر کرنا چاہتا ہوں قبول فرمائیے۔ آپ نے جواب میں یہ دو شعر لکھے

چوں چتر سجری زرخ بختم سیاہ باد در دل اگر بود ہوس ملک سخرم

زانکہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

چتر سبخر کی طرح میرا منہ کالا ہوا اگر میرے دل میں ملک سبخر کا دوسرا بھی آس لے کہ مجھے جیسے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ولایا اللہ ایسے گزر کر ہیں جو سلطنت کی پروا نہیں کرتے

نیم شب کی سلطنت ملی ہو میری نظر میں نیم روز کی سلطنت ایک جو کے برابر نہیں)

حضرت ابراہیم ابن ادہم جب سلطنت ترک کر کے چلے گئے تو اراکانِ دولت میں کمیٹی ہوئی کہ کسی طرح ان کو لانا چاہئے وزیر گیا دیکھا کہ آپ گڈڑی اوڑھے ہوئے بیٹھے ہوئے ہیں عرض کیا کہ حضور سلطنت درہم برہم ہو رہی ہے حضور تشریف لے چلیں آپ نے فرمایا کہ یہ سلطنت تمہیں مبارک ہو مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی سلطنت عطا فرمادی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی سوئی گڈڑی سے نکال کر دریا میں پھینک دی اور وزیر سے کہا کہ میری سوئی دریا میں سے نکلوا دو۔ وزیر نے بیشمار آدمیوں کو دریا میں داخل کر دیا وہاں سوئی کا پتہ کہاں آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ہماری سلطنت دیکھو یہ کہہ کر مچھلیوں کو مخاطب کیا کہ اے مچھلیو میری سوئی لاؤ صراہ مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں کوئی سوئی سونے کی کوئی چاندی کی سوئی لیکر حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ میری وہی لوہے کی سوئی لاؤ۔ ایک مچھلی وہی لوہے کی سوئی لیکر نکلی آپ نے وزیر کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ دیکھی میری سلطنت تمہیں اپنی سلطنت پر بڑا ناز ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں ۷

روبر سلطاں و کار و بار ہیں حسن تجرئی تجتہا الائنہا رہیں

(بادشاہ کے پاس جاؤ اور کار و بار دیکھو عمدہ باغ کہ اس کے نیچے نہریں جاری دیکھو)

عارف شیرازی کہتے ہیں ۷

میں حقیر گدایانِ عشق را کہیں قوم شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلاہ اند

(یعنی گدایانِ عشق کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ شاہانِ بے تخت و تاج ہیں)

اور کہتے ہیں ۷

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں کہ ناز برفلک حکم برستارہ کتم

(گدائے میکدہ ہو لیکن مستی کی حالت میں دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستاروں پر حکم کرتا ہوں)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں زلزلہ آیا آپ نے زمین پر پاؤں مار کر فرمایا اسکنی یا ارض اے زمین کٹھنر جا۔ بس زمین ٹھیر گئی۔ کیا حقیقت ہے سلطنت کی اس کے سامنے۔ ایک دفعہ دریائے نیل خشک ہو گیا ہمیشہ چڑھا کرتا تھا اسی سے آبپاشی ہوتی تھی اس دفعہ نہ چڑھا۔ عمرو بن العاص یا عبداللہ بن عمرو بن العاص مصر کے عامل تھے لوگوں نے آکر عرض کیا آپ نے فرمایا کہ کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے تو تم کیا کرتے ہو لوگوں نے کہا کہ جب ایسا ہوتا ہے تو

ہم ایک جوان حسین لڑکی بھینٹ دیتے ہیں اس سے وہ جاری ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ جاہلیت کی رسم کبھی نہیں ہوگی اسلام میں اور میں خلیفہ کو لکھتا ہوں انھوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا حضرت عمرؓ نے نیل کے نام ایک حکمنامہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اے نیل اگر تو خدا تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے تو کسی شیطان کے تصرف سے بند ہونے کے کیا معنی اور یہ نہیں ہے تو ہم کو تیری کچھ پروا نہیں خدا تعالیٰ ہمارا رازق ہے۔ آپ کے اس لکھنے پر مخالفین ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ دریا کبھی حکومت کرتے ہیں مگر قلندر انچہ گوید دیدہ گوید (قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھا ہوا کہتا ہے) آپ کو شبہ بھی نہوا کہ ایسا نہوا تو عزت کر کر رہی ہوگی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اس رقعہ کو اعلان کے ساتھ لیکر چلے اور مخالفین کا گروہ بھی آپ کے پیچھے چلا ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ اس رقعہ سے اور دریائے نیل کے جوش سے کیا نسبت مگر وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈالنا تھا کہ دریا کو جوش آیا اور لبریز ہو کر چلنے لگا۔ اور یہ باتیں تو کوڑھ مغزوں کے سمجھانے کے لئے ہیں واقع میں تو ان کی سلطنت کچھ اور ہی ہو جس کو حضرت بایزید بسطامیؒ نے ذراتی الفاظ میں کہا ہے مگر پھر کوئی ایسا نہ کہے انھوں نے کہا ہے مَلِكِيْ اَعْظَمُ مِنْ قَلْبِكَ اللهُ (میرا ملک اللہ تعالیٰ کے ملک سے بڑا ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی چیزیں ہیں وہ تو ملک ہیں اللہ کا اور اللہ تعالیٰ کے ملک سے ہمارا اور ظاہر ہے کہ کہاں اللہ تعالیٰ کی علوشان اور کہاں دوسری چیزیں اس لئے ہمارا ملک اعظم ٹھیرا اور یہ آپ نے مرتبہ ناز میں کہا ہے ہر شخص کا منہ اس کہنے کے لائق نہیں کیونکہ

نازاروئے بیاید ہچو درد چوں نہ داری گرد بدخونی بگرد

(ناز کے لئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے تو بدخونی کے پاس مت بھٹکی)

حاصل یہ کہ ان کی سلطنت کو کیا پوچھنے ہو اور جب اولیاء اللہ کی یہ کیفیت ہو تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ دنیوی سلطنت کیا بلا ہے۔ سو آپ صرف بادشاہ نہیں ہیں بادشاہ تو آپ کے غلام ہیں۔ آپ کو صرف بادشاہ قرار دینا تعظیم نہیں ہے آپ کو نبی قرار دینا یہ ادب اور تعظیم ہے مگر آپ کی تعظیم میں ایک امر نہایت لازم اور فرض ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا جائے آپ کو حق تعالیٰ کے برابر نہ کر دیا جائے۔ آجکل تو واعظین ایسی حکایات تراشتے ہیں کہ جن کا سر نہ پاؤں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی اور اولیاء اللہ کی شان میں بھی چنانچہ ایک حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ملے ہیں حکایات تراشنے کو ایک حکایت گھڑی ہو کہ ایک بڑھیا گئی حضرت غوث الاعظمؒ کے پاس اور

حضرت عمرؓ کے در تعظیم تھے

حضرت بایزید بسطامیؒ کا اس فقرہ کا مطلب

آپ کو عزت بادشاہ قرار دینا تعظیم نہیں ہے

واعظین کا حکایات تراشنا

کہا کہ میرا بیٹا مر گیا اس کو زندہ کر دیجئے آپ نے فرمایا کہ زندہ نہیں ہو سکتا اس کی عمر ختم ہو چکی تھی بڑھیمانے کہا کہ اگر اس کی عمر ختم ہوتی تو آپ کے کہنے کی ضرورت تھی آپ کے تو اسی واسطے کہا ہو کہ عمر ختم ہو گئی اور آپ کو زندہ کرنا پڑیگا آپ نے بارگاہِ الہی میں عرض کیا وہاں سے بھی اسی دلیل سے حکم ہوا کہ زندہ نہیں ہو سکتا آپ نے بھی وہی جواب دیا جب کسی طرح عرض منظور نہ ہوئی اور ادھر بڑھیمانے تنگ کیا تو آپ نے عزرائیل سے تھیلاروحوں کا چھین اسے کھول یا ساری روحیں پھر پھر اڑ گئیں اور تمام مرنے زندہ ہو گئے آپ نے فرمایا کہ دیکھا ایک کو نہ جلایا اب اچھا ہوا عزرائیل نے خدا تعالیٰ کے یہاں نالاش کی وہاں سے حکم ہوا کہ ہم کو دوست کی خاطر منظور ہی خیر جیسے وہ کہیں وہی الہی تو بہ کتنی بڑی گستاخی ہی حق تعالیٰ کی شان میں۔ کیا خدا تعالیٰ کی سلطنت اودہ کی سلطنت ہے کہ کوئی قاعدہ قانون ہی نہیں جس کا جو جی چاہا کر گذرا۔ ایسی غیر آئین سلطنت پر ایک حکایت یاد آئی۔ کوئی شہر تھا ان تیاؤ پور۔ ان نفی کا کلمہ ہی نیاؤ کے معنی ہیں انصاف کے اور پور شہر کو کہتے ہیں اس کے معنی ہو گئے انصافی کا شہر۔ ایک گرو اور ایک اس کا چیلہ اس شہر میں جا پہنچے اور چیزوں کا بھاؤ پوچھا۔ سب کا بھاؤ سولہ سیر۔ گہوں بھی سولہ سیر۔ چنے بھی سولہ سیر۔ گھی بھی سولہ سیر۔ نمک بھی سولہ سیر۔ گوشت بھی سولہ سیر۔ غرض سب کا ایک ہی بھاؤ۔ گرو نے یہ حال دیکھ کر چیلہ سے کہا کہ یہاں چلو یہ شہر رہنے کے قابل نہیں۔ یہاں کھرے کھوٹے سب ایک بھاؤ تلتے ہیں۔ چیلہ نے کہا کہ ہم تو یہاں رہیں گے خوب گھی کھائیں گے طاقت آئے گی۔ ہر چند گرو نے سمجھا یا مگر اس نے ایک شے مانی۔ خیر ایک عرصہ تک وہاں رہا۔ افرات سے سب چیزیں ملیں چیلہ کھا کھا کر خوب موٹا ہوا۔ ایک قعدہ اتفاق سے ایوان شاہی پر پہنچے راجہ کے یہاں ایک مقدمہ پیش تھا وہ یہ کہ دو چور کسی مہاجن کے یہاں گئے تھے چوری کرنے لقب دیکر ایک باہر پہرہ پر گیا ایک اندر گیا اس پر وہ دیوار گر پڑی دب کر مر گیا اس کے ساتھی نے دعویٰ دائر کر دیا مہاجن پر کہ اس نے دیوار کمزور بنائی تھی کہ وہ گر پڑی۔ مہاجن کو حاضر کیا گیا اس نے غدر کیا کہ میرا قصور نہیں معمار نے ایسی دیوار بنائی تھی۔ معمار حاضر کیا گیا اس سے پوچھا اس نے کہا کہ مزدور نے گارا پتلا کر دیا تھا اس نے اینٹ کو اچھی طرح نہیں پکڑا۔ مزدور حاضر کیا گیا اس سے پوچھا گیا اس نے کہا سقہ نے پانی زیادہ چھوڑ دیا تھا اس لئے گارا پتلا ہو گیا۔ سقہ حاضر کیا گیا اس نے کہا کہ سرکاری ہاتھی میری طرف دوڑا آ رہا تھا مشک کا

وہاں میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس لئے پانی زیادہ پڑ گیا فیلبان کو حاضر کیا گیا اس نے کہا کہ ایک عورت بچتا ہوا زلیور پہنے آرہی تھی پازیب کی جھنکار سی ہاتھی چونک گیا وہ عورت حاضر کی گئی اس نے کہا کہ سنار نے پازیب میں باجا ڈال دیا تھا سنار کو حاضر کیا گیا اس کو کچھ جواب نہ آیا۔ آخر کہیں تو سلسلہ ختم ہونا۔ آخر یہ تجویز ہوا کہ اس سنار کو پھانسی دی جائے۔ اس کو پھانسی پر لے گئے اور گلے میں پھانسی ڈالی اس کی گردن ایسی پتی تھی کہ حلقہ اس کے گلے میں برابر نہ آیا حلقہ تھا بڑا۔ جلاد نے آکر کہا کہ حلقہ اس کے گلے میں نہیں آتا اس پر یہ تجویز ہوا کہ کسی موٹے سے کو پھانسی دیدو۔ تلاش ہوئی تو سوائے چیلہ صاحب کے اتنا موٹا کوئی اور نہ ملا یہ پکڑے گئے انھوں نے گرجی سے کہا کہ اب کیا کروں۔ گرجی نے کہا کہ بھائی میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ شہر رہنے کے قابل نہیں مگر تو نے نہ مانا اب اپنے کئے کو بھگت۔ چیلہ نے کہا کہ حضور کسی طرح بچا ہے کچھ تو کیجئے آخر آپ کا بچہ ہوں گرو نے تدبیر نکالی کہ آپس میں جھگڑنا شروع کیا گر و کہے کہ مجھے پھانسی دو اور چیلہ کہے کہ مجھے دو خوب جھگڑے یہاں تک کہ راجہ تک تو بت پہنچی۔ راجہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ گرو نے کہا کہ یہ ایسی ساعت ہے کہ جو کوئی اس ساعت میں پھانسی چڑھے تو سیدھا بیکنٹھ جائے اس لئے ہم جھگڑتے ہیں کہ پھر ایسی ساعت نہ ملے گی۔ راجہ نے کہا کہ پھر اس سے اچھا موقعہ کہاں نصیب ہوگا ہمیں پھانسی دیدو۔ چنانچہ اس منحوس کو پھانسی دیدی گئی۔ ایسے راجہ کو پھانسی ہی دینا اچھا۔ پاپ کٹا۔ خس کم جہاں پاک۔ یہ قصہ تھا ان تیاؤ اور کا سو بہت سے لوگ مسلمان ہو کر ایسی سلطنت سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کی جیسے ان نیاؤ پور کی حکومت کہ کوئی قاعدہ اور قانون ہی نہیں اندھا دھند معاملہ ہی جس کے کچھ اصول ہی نہیں۔ صاحبو کتنا بڑا ظلم و ستم ہے کہ اولیاء کو یا انبیاء کو خدا تعالیٰ کی برابر بلکہ مطابق ایسی خرافات حکایات کے خدا تعالیٰ سے بڑھ کر قرار دیا جائے اس لئے کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا امت بڑھاؤ کہ خدا تعالیٰ میں ملا دو کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو ناخوش ہوں گے اب بعض وہ لوگ رہ گئے کہ کسی قدر متابعت تو کرتے ہیں مگر نہ ان کے دل میں عظمت ہو اور نہ محبت اور یہ لوگ زیادہ ان میں ہیں جو آجکل کسی امام کا اتباع نہیں کرتے کہتے ہیں کہ ترجمے موجود ہیں ضرورت کیا ہو اکابر کی اتباع کی۔ ہم خود دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں اگر عربی نہیں سمجھتے تو ترجمہ ہی سے احکام نکال لیتے ہیں سو ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ نہ بزرگوں کا ادب کرتے ہیں نہ صحابہؓ کا نہ ائمہ کا۔

بعض لوگ متابعت کرتے ہیں مگر ان میں عظمت و محبت نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا امت بڑھاؤ کہ خدا تعالیٰ

اور بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خشک الفاظ استعمال کرتے ہیں بس ظاہراً اطاعت تو کرتے ہیں اور بدعات سے بھی بچتے ہیں مگر نہ عظمت جیسا بیان ہوا اور نہ وہ سوز و گداز جو محبت میں ہوتا ہو غرض اس وقت یہ تین جماعتیں ہیں۔ ایک وہ جو محبت رکھتے ہیں مگر اتباع و عظمت نہیں۔ ایک وہ جو عظمت کرتے ہیں لیکن محبت و اتباع نہیں۔ ایک وہ جو اتباع کرتے ہیں مگر عظمت و محبت نہیں۔ سو یہ تینوں جماعتیں پورے حقوق ادا نہیں کرتیں کسی نے ایک کو لیا دو کو چھوڑا کسی نے دو کو لیا تیسرے کو چھوڑا علیٰ ہذا۔ جامع وہ شخص ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں۔ متابعت میں۔ عظمت میں سہرا فگندہ رہتا ہو پس

اس آیت میں یہی مضمون ہے آیت کا ترجمہ پہلے کرنا چاہئے تھا لیکن تمہید میں مضمون طویل ہو گیا اب ترجمہ کرتا ہوں فرماتے ہیں حق تعالیٰ شانہ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا شَرِيفًا اس کی توجیہ میں اختلاف ہے۔ ایک توجیہ تو یہ ہے کہ ذکر کی تفسیر کلام مجید سے کی جائے اور ذکر کا بدل الاشتمال ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک توجیہ یہ ہے کہ ذکر کے معنی ہیں شرف کے اور رسولاً اس سے بدل الکل ہو۔ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک شرف نازل کیا سو شرف کا لفظ عظمت کو ظاہر کر رہا ہے۔ وہ کون ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انزل بھی آپ کے شرف پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ انزال اوپر سے نیچے آنے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مٹی تو اونچی رکھنے کی چیز توجیہ شرف کے مگر مہاری خاطر سے نیچے بھیجا ہے اس صورت میں آپ کا شرف در شرف ظاہر ہو گیا۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ دوسرے موقع پر قرآن شریف میں ہے وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ کہ ہم نے لوہے کو نازل کیا حالانکہ وہاں اوپر سے نیچے آنا نہیں پایا جاتا کیونکہ لوہا آسمان سے تو نازل نہیں ہوتا وہ تو زمین میں سے نکلتا ہے اس لئے انزال کے معنی اوپر سے نیچے آنے کے کہاں ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں تعذر حقیقت کے سبب مجاز مراد لیا ہے اور لَقَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا میں تعذر نہیں اس لئے حقیقت مراد ہے۔ دوسرے علماء نے اس کی بھی یہ توجیہ کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کئی چیزیں آئی تھیں۔ ہتھوڑا تھا اور کئی چیزیں تھیں اور وہ اوپر ہی سے آئی تھیں۔ تیسری توجیہ یہ کہ حدید نکلتا ہے زمین سے اور سبب اور مادہ اس کا بخارات ہیں جو پانی سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی اوپر سے آتا ہے اور زمین میں نفوذ کرتا ہے سو اس طرح بھی معنی حقیقی ہی ہیں۔ غرض حقیقی معنی انزال

عہ دشوار ہونا۔ عذرا و محبت لانا کسی بات میں عہہ کو بار آورہ چیز جس کو تیز کیا گیا ہوتا ہے جہاں کے۔

اس وقت تین قسم کی جماعتیں ہیں

آیت میں جو لفظ ذکر ہے اس کا ترجمہ

انزال کے معنی

انزال الحدید کی توجیہ

کے اوپر سے آنے کے ہیں اور اَنْزَلَ کا کلمہ بارش کے لئے بھی آیا ہے سو آپ کے اس کا استعمال ہونا یہ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ آپ کی شان بارش کی سی ہے کہ وہ بھی رحمت ہے اور آپ بھی رحمت چنانچہ حدیث میں ہے اَنَا رَحْمَةٌ مَّهِدَاةٌ یعنی میں خدا تعالیٰ کی رحمت ہوں جو بندوں کے لئے خدا تعالیٰ کے پاس سے تحفہ کر کے آیا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت بارش کی سی ہے چنانچہ بارش سے حیات ہوتی ہے اور آپ سے حیات ہوتی ہے قلب کی۔ ایک شعر حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب نے ایسے موقع پر پڑھا تھا کہ کسی نے آپ سے مسئلہ مولد کے متعلق پوچھا تھا آپ نے فرمایا لو ہم مولد پڑھتے ہیں اور یہ شعر پڑھا ہے تر ہوئی باران سے سوکھی زمیں یعنی آئے رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ

اس شعر سے میرے اس مضمون کو اور قوت ہوگی۔ غرض ذِکْرًا میں آپ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے دَرْسُوْنَا میں متابعت کی طرف کیونکہ ہمارا متابعت کا رسالت ہے اور اٰمَنُوْنَا میں محبت کی طرف کیونکہ ایک آیت میں ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (ایمان والے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتے ہیں) اور حُبُّ اللّٰهِ اور حُبُّ الرَّسُوْلِ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} میں تلامذہ ہے تو جس طرح ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی شدت محبت لازم ہے اسی طرح رسول ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کی شدت محبت۔ آگے ہی صِبِّیْنَ اِی یعنی خود ظاہر بھی اور ظاہر کرنے والے بھی آگے ارشاد ہے لِيُخْرِجَ الَّذِیْنَ اِيْح لِيُخْرِجَ فِيْ سَلَامٍ غَايَةِ كَا هِي۔ مطلب یہ ہے کہ کیوں بھیجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برکات حاصل کریں اور یہ شبہ نکلیا جاوے کہ جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف ہوگا وہ تو خود ہی خارج مِنَ الظُّلْمَةِ اِلَى النُّوْرِ (ظلمات سے نور کی طرف نکلنے والا) ہوگا پھر ان کے خارج کرنے کے کیا معنی سو مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ظلمت سے نور کی طرف خارج ہوئے ہیں وہ ایمان اور اعمال صالحہ کر کے ہوئے ہیں یعنی یہ برکت ایمان اور اعمال صالحہ ہی کی ہے کہ وہ تاریکی سے نور کی طرف لے آئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے پورے حقوق ادا کرنے چاہئیں یعنی ذکر بھی کریں محبت بھی کریں متابعت بھی ادب و تعظیم بھی۔ آگے آیت میں خاصیت ایمان اور اعمال صالحہ کی بیان فرماتے ہیں وَ مَن يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ اِيْح مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کر کے کیا ملے گا۔ بشارت دیتے ہیں کہ یہ ملیگا يَدْخُلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کا یہ ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ ایسی جنت

میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہر بہتی ہوں گی اور خالد بن میں یہ بتلایا کہ وہ نعمتین بلا حساب اور بلا انقطاع ہوں گی۔ یہی دو صورتیں کمال نعمت کی ہوتی ہیں کہ نفس بھی ہو کہ مزیت کیفا ہی اور بلا انقطاع بھی ہو کہ مزیت کما ہی سو یہ جنت میں حاصل ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کے جملہ حقوق ادا کر کے جنت کی نعمتیں حاصل کریں اور اگر حق دانہ کے برائے نام تھوڑی سی تعریف کر لی یا محفل منعقد کر لی اس سے کچھ نہیں ہوتا مثلاً طبیب کی تعریف سے کیا فائدہ جب تک اس سے نسخہ لکھا کر اس کا استعمال نہ کیا جاوے اور اس کے کہنے پر عمل نہ کیا جاوے اور یہ حقوق آپ کے دائمی ہیں تو آپ ایسی بارش کے مشابہ نہیں جو کسی خاص موسم میں ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بارش ہیں کہ جس سے ہمیشہ بہا رہی بہا رہی کبھی خزاں ہی نہیں یہ نہیں کہ ربيع الاول میں تو بہا رہا اور نہینوں میں نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہا جو حیات میں تھی وہ اب بھی بحال ہے اب میں اس مضمون کے مناسب اس شعر پر اپنے وعظ کو ختم کرتا ہوں

ہنوز آل ابر رحمت در نشان ست خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

(وہ ابر رحمت ابھی تک در نشان خم و خمخانہ مہر و نشان کے ساتھ موجود ہے۔)

محرم ہی وہ شخص جو اپنے نبی کے برکات حاصل نہ کرے۔ دعا کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب ہو متابعت کی توفیق ہو آپ کی عظمت ہو قلب میں فقط اور اس وعظ کا نام بمناسبت کلمات قرآنیہ کے ذکر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مناسب ہے اور لقب اس کا بمناسبت آپ کے معنوی برکات کے مشابہ ہیں باران و بہار کے ربيع فی الربیع مناسب ہے (پھر دعا کر کے جلسہ ختم کیا۔)

الحمد لله کہ وعظ ذکر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بملقب بہ الربیع فی الربیع چھپ کر تمام ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت مرشدنا و مولانا محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دیگر مواعظ و تصانیف اور دوسری کتب دینیہ و قرآن شریف وغیرہ پتہ ذیل سے طلب فرمائیے۔

مکتبہ تھانوی متصل مسافر خانہ جناح روڈ کراچی

۵ فی القاوس لایر یح ناو زاد و فی المربع الخصب فی الحریث غیثا غیثا مرینا مرینا و فی ایضی فی وصف المطر مرع الذبات فی اللغات مرینا ای آیتا بالربیع والخصب و یقہ امرعت الارض احصبت و یردی مرینا بضم المیم و کسہ الیام ای آیتھا بالربیع آہ فالربیع لستعمل مفعولا مجردا و فاعلا من یزید من الربیع و فاعلا من المرع و معنا ہا متقارب و بظہر وجہ التقلیب ۱۲ منہ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْدَعُوا عَنِّي وَلَا آيَةَ

الْوَعْدِ

مُسْتَبَهِ

الشَّرِيعَةِ

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان

مکتبہ تھانوی، دفتر الابقاء

متصل مسافرخیزانہ - بند روڈ کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وعظ مستحبہ

الشرعیۃ

ربین	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	کتنی بیت ہوئی	کیا مضمون تھا	ماذا	من ایام	من ضبط	المستعملون	الاشتمال
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	کتنی بیت ہوئی	کیا مضمون تھا	ماذا	من ایام	من ضبط	المستعملون	الاشتمال
مطبع نظامی سیکرٹریٹ لاہور	۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ	یوم یکشنبہ	۳۵ صفحہ	دعوت اتباع شریعت بازار عقل و تقویٰ	جو بابت اتباع شریعت بازار عقل و تقویٰ	جدید تحریکات والوں کے لئے زیادہ مفید تھا	احمد عبدالحمید گھنوی	۵۰۰	مجموع رجال و نساء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُحَمَّدًا وَنَسَعَيْنَهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَدُوْعٌ مِنْ بِيْهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ
شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِيْهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضِلِّهِ
فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدًا وَرَسُوْلًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

اٰمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ
عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّهُمْ لَكٰفِرُوْنَ يَغْوُوْنَ
عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْطٰنًا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ه
هٰذَا ابْصَارُ النَّاسِ وَهٰدٰى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُوْنَ ۝ (پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر

کر دیا سو آپ اسی طریقے پر چلے جائیے۔ اور ان جاہلوں کی خواہشوں پر نہ چلے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقابل میں آپ کے ذرا کام نہیں
آسکتے۔ اور ظالم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دوست ہے نیک لوگوں کا یہ قرآن عام لوگوں کے لئے
دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ اور یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے۔)

یہ چند آیتیں ہیں سورہ جاثیہ کی ان میں حق تعالیٰ نے ایک نعمت کا ذکر فرمایا ہے جو عطا کی گئی ہے اولاً بالذات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ثانیاً بالتبع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو۔ اور چونکہ اس نعمت کو نعمت نہیں سمجھا جاتا بلکہ بجائے نعمت کے مصیبت و کلفت سمجھا جاتا ہے اس لئے اس وقت اس کا اختیار کرنا ضروری ہوا۔ اب یہاں تک مذاق بگڑا ہوا ہے کہ اتنی بڑی نعمت کی قدر نہیں بلکہ اس کو مصیبت اور کلفت سمجھ کر اس سے بچنے کی فکر ہے جیسے کوئی مریض دوا کو مصیبت سمجھے اور اس سے بڑھ کر ناشکر اوہ ہے جو غذائے لطیف کو مصیبت سمجھے اس کو ایک اچھی اور لطیف غذا دی جاتی ہے اور وہ اس سے منہ بند کرتا ہے تو ایسے شخص کے اعتقاد کو درست کرنا اور خیال کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ وہ نعمت کیا ہے جسے کلفت سمجھا جاتا ہے وہ شریعت ہے جو اسی عنوان سے اس آیت میں مذکور ہے اور باعتبار اختلاف احوال مکلفین کے اس کے دو درجے ہیں دوا اور غذا اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے جو بعض کے اعتبار سے دوا ہو اور دوسری بعض کے اعتبار سے غذا۔ اور غذا تو نعمت ہوتی ہی ہے مگر دوا بھی واقع میں نعمت ہے کیونکہ مریض کے حق میں دوا ہی ذریعہ ہے غذا کا کیونکہ دوا کا مقصود مریض کے لئے یہی ہے کہ نعمتوں کا نعمت ہونا اس کو محسوس ہو موٹی بات ہے کہ ایک کو دودھ مضم نہ ہونا ہو یا گوشت مضم نہ ہوتا ہو اور ان میں لذت اور قوت اور فرحت سب سے مگر ایک شخص کو فساد معدی کی وجہ سے مضم نہیں ہوتا تو اس کی کیا تدبیر کی جاوے گی اس کی تدبیر یہ نہیں ہے کہ خوب کھاوے اور دست آویں یہ مذاق ہے وہ جو یہ تدبیر کرے۔ ہمارے وطن میں ایک بوڑھے تھے کھاتے جاتے اور قے کرتے جاتے اور منہ صاف کر کے پھر کھاتے حالانکہ اس کی یہ تدبیر نہ تھی بلکہ ان کو دوا سے اپنی اصلاح کرنا چاہئے تھی تو ایسے شخص کے حق میں دوا بھی نعمت ہے۔ اسی طرح شریعت بعض کے اعتبار سے دوا ہے مگر چونکہ ذریعہ غذا کا ہے اس لئے اس کے حق میں بھی نعمت ہی اور جن کے حق میں غذا ہے اس کا نعمت ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ اب سمجھنا چاہئے کہ

شریعت دو اکس کے حق میں ہے اور غذا کس کے حق میں سود و اتو اس کے حق میں ہے جو ابھی کلفت مجاہدہ میں ہے اور لوگ اس مجاہدہ ہی سے گھبراتے ہیں اور جو اس کا قصد بھی رکھتے ہیں وہ منتظر بوڑھا پے کے ہیں حالانکہ اس وقت آدمی قریب قریب معطل ہو جاتا ہے پھر اخلاق ذمیرہ جو شباب میں راسخ ہو چکے ہیں وہ جاہل مزاحمت کرتے ہیں کیونکہ جو خصلتیں جوانی میں جم چکتی ہیں وہ بڑھا پے میں بھی نہیں جاتیں مگر پھر بھی لوگ کہا کرتے ہیں کہ جوانی میں کھانے پینے کے دن ہیں جب بڑھا پے آئیگا تو اللہ اللہ کریں گے یہ غلطی ہے دو وجہ سے اول تو جس چیز کی عادت جوانی میں نہ ہو وہ بڑھا پے میں یوں بھی نہیں ہو سکتی دوسرے بڑھا پے میں قوت و بہتت نہیں رہتی کسل بڑھ جاتا ہے مشکل سے ٹھیل ٹھیل کے اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے فرض نماز کے لئے مشکل سے اٹھا جاتا ہے ایک بزرگ کہتے تھے کہ یہ قول کہ

دریغا کہ عمر جوانی گئی جوانی گئی زندگانی گئی

ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ زندگانی کیونکر گئی کیونکہ بڑھا پے آنے سے اور آرام سے بیٹھے رہتے ہیں لڑکے بالے یا نوکر چاکر پنکھا جھل رہے ہیں پاؤں دبا رہے ہیں مگر جب بڑھا پے آیا تو واقعی سمجھ میں آ گیا کہ جوانی گئی زندگانی گئی کیونکہ نہ کھانے کی حلاوت نہ پینے کا مزہ نہ سونے کا چین نہ جاگنے کا لطف اگر دماغ میں یسوست غالب ہو تو سب لوگ سو رہے ہیں یہ رات بھر اختر شماری میں مشغول ہیں نیند ہی نہیں آتی اور اگر رطوبت غالب ہے تو سوہر وقت آنکھیں بند ہیں اونگھ رہے ہیں اٹھنا چاہتے ہیں مگر اٹھا نہیں جاتا پھر اس کے علاوہ کہیں ناک میں درد ہے کہیں کان دکھتا ہے کبھی ٹانگ میں درد ہے کبھی برسات کی ہوا لگ کر کمر میں درد ہے جیسے مولانا رومی نے ایک بوڑھے کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک طبیب کے پاس گیا اور اُس نے کہا کہ میرے سر میں درد ہے طبیب نے کہا کہ بڑھا پے سے اُس نے کہا کہ زکام بھی ہو اُس نے کہا بڑھا پے سے اُس نے کہا کہ بلغم بھی سینہ پر جما ہوا ہے اُس نے کہا یہ بھی بڑھا پے سے ہے اُس نے کہا کھانا بھی اچھی طرح ہضم نہیں ہوتا اُس نے کہا یہ بھی بڑھا پے سے

غرض اس بوڑھے نے جو کہا اس کے جواب میں طیب نے یہی کہا کہ یہ بھی بڑھاپے سے یہ سُن کے وہ بوڑھا بہت غصہ ہوا اور ایک دھول ماری طیب کے تیری طب میں یہی رہ گیا ہونکہ بڑھاپے سے اُس نے کہا کہ میاں صاحب میں تمہاری اس دھول مارنے کا برا نہیں مانتا تم معذور ہو یہ بھی بڑھاپے سے ہے واقعی طیب کامل تھا کہ سمجھ گیا کہ یہ ناحق کا غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے بہر حال یہ تو زندگانی کا لطف گیا اور وہ جو جوانی میں لوگوں کے دلوں میں وقعت تھی باسستنا راہل اللہ کے وہ بھی چلی گئی کیونکہ ان کی دوستی سچ سچ کی دوستی ہے کیونکہ وہ محض دین کی وجہ سے ہوتی ہو اور ان کی دوستی محض اغراض کی وجہ سے ہے جب بڑھاپا آیا تو بڑے میاں اپنی ہی اغراض پورے نہیں کر سکتے تو اور کے کیا پورے کریں گے تو جب واسطہ نہیں رہا تو دوستی بھی ختم ہو گئی اور اہل اللہ کو جو مستثنیٰ کیا ہے مراد اس سے وہ ہیں جو واقع میں اہل اللہ ہیں اور جو واقع میں اہل اللہ نہیں اور اپنے کو صورت میں اہل اللہ کی پیش کرتے ہیں ان کی دوستی تو دنیا داروں سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہ دعویٰ کرتے ہیں تقدیس کا پھر ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں بعض تو خود اپنے کو غلطی سے اہل اللہ سمجھ رہے ہیں مگر واقع میں وہ اہل اللہ نہیں ہیں اور ان کی غلطی کی بنا یہ ہے کہ چار جاہل عوام معتقد ہو گئے اور انھوں نے حضور حضور مولانا مولانا شاہ صاحب شاہ صاحب کہنا شروع کر دیا تو یہ سمجھے کہ میں بھی کچھ ہوں گا جب ہی تو یہ معتقد ہوئے ہیں کیونکہ جو معتقد ہوئے ہیں وہ پاگل تو ہیں نہیں کچھ سمجھ ہی کے معتقد ہوئے ہیں سبحان اللہ اچھا استدلال ہے اگر مخلوق کی عقیدت پر دار و مدار ہے بزرگی کا تو کیوں صاحب سب ہی تو معتقد نہیں ہیں غیر معتقدین بھی تو ہیں ان کی بد اعتقادی سے کیوں نہ استدلال کیا جائے سچ یہ ہے کہ نہ خوش اعتقادی کوئی چیز ہے نہ بد اعتقادی ضابطہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ کیسا ہے اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ اچھا نہیں ہے تو ساری دنیا کا غوث و قطب کہنا کوئی چیز نہیں غرض عوام کا

اعتقاد کچھ نہیں ہے

بنائے لصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتوان گشت بتصدیق خرمی چند
 چند جاہلوں کے معتقد ہونے سے عیسیٰ نہیں ہو سکتے اگر کچھ ہے تو کسی صاحب نظر
 کو دکھلاؤ اگر وہ تصدیق کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ محض جہلار کے اعتقاد سے
 کچھ نہیں ہوتا جہلار کا اعتقاد کا ہے پر ہے تو ان کا اعتقاد تو اس پر ہے کہ جو ہماری
 مرضی کے موافق ہو وہ ٹھیک ہے اور جو مرضی کے خلاف ہو تو فبیہ کلام جب ان کا
 یہ مدار اعتقاد ہے تو اس فکر میں پڑنا ہی لاجہل ہے مخلوق تو ہزاروں ہو اور ہر
 ایک کی خواہش دوسرے کے معارض تو پھر کس کو کس کو راضی کرے۔ ہمارے
 حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص تمہا
 اس کے پاس ایک ٹٹو تمہا اور بیوی بچے اور کنبہ رکھتا تھا اس کو سفر پیش آیا
 اس نے تجویز کی کہ ایک جانور ہے اور کئی سوار ہیں باری باری سب بل کے چڑھتے
 اترتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ پہلے وہ خود سوار ہوا اور اپنے سیانے لڑکے کو
 اور بیوی کو پیادہ لے کے چلا چلتے چلتے ایک گاؤں میں گذر ہوا گاؤں والوں نے
 اسے سوار دیکھ کر کہا کہ تجھے سوار ہوتے شرم نہیں آتی کہ بچہ پیادہ اور عورت
 جو قابل رحم ہے وہ پیادہ اور ہٹا کٹا ہو کے سوار ہے اس نے کہا بات تو ٹھیک
 ہے بس خود اتر پڑا اور بیوی کو سوار کر دیا دوسرے گاؤں میں پہونچا گاؤں
 والوں نے دیکھ کے کہنا شروع کیا کہ جو رو کا غلام ہے کہ سائیس کی طرح گھوٹے
 کی رسی پکڑے چلا جا رہا ہے ارے کجنت تجھ پر کیا مار آئی تو نے اپنا وقار کیوں
 کھویا اس نے کہا یہ بھی سچ ہی آؤ ابکی سب بل کے سوار ہوں چنانچہ وہ اس حالت میں
 ایک تیسرے گاؤں میں پہونچا وہاں لوگوں نے کہا کہ ارے کیسا ظالم ہے کہ جانور
 پر سب کو ایک دم سے لا دیا ہے ارے ایک دفعہ گولی مار دے ترسا ترسا کے
 مارنے سے کیا فائدہ اس نے کہا یہ بھی معقول فردا فردا بھی بیٹھ چکے عورت کو
 بھی تنہا سوار کر چکے سب بل کے بھی بیٹھ چکے اب صرف یہی احتمال باقی ہے کہ

کوئی بھی سوار نہ ہو چنانچہ سب بل کے پیادہ پا چلے اب پانچویں گاؤں پر گزر ہوا وہاں لوگوں نے اس حالت کو دیکھ کے کہا دیکھی ناشکری خدا تعالیٰ نے سواری بھی دی تو اس کی قدر نہیں ارے اگر ایک سواری تھی تو سب بل کے باری باری چڑھتے اترتے چلے جاتے اُس نے کہا کہ اب کسی طرح الزام سے نہیں بچ سکتے اب وہی کرو جو اپنے جی میں آوے اور کسی کے کہنے کی پروا مت کرو بس پھر وہ سب اترتے چڑھتے چلے گئے تو خدا تعالیٰ نے اُسے اس تجربہ سے عقل دیدی کہ وہی کرو جس میں راحت ہو اور کسی کے طعن و تشنیع کی پروا مت کرو جیسے بزرگوں پر کفر تک فتوے لگتے ہیں اور وہ اپنے کام میں لگے رہتے ہیں اور کسی کے کہنے کی پروا نہیں کرتے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند آری می کند با خلق عالم کاریت
ہاں بھائی بت پرستی کرنا ہوں تمہارا اجارہ ہے؟ میں کہتا ہوں ہم تو کیا ہیں خود
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہو سکتا ہے
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

سارے کمال آپ میں موجود اور کوئی صفت ایسی نہیں جو علی وجہ کمال آپ میں موجود نہ ہو اور اُس کو مخالفین نے بھی تسلیم کیا تھا چنانچہ بہت جگہ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے کَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ لَمَّا يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ
آپ کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو دوسری آیت میں بطور استفہام انکاری کے فرمایا ہے کہ کیا اپنے رسول ﷺ کو نہیں پہچانا جو اس کا انکار کرتے ہیں مطلب یہ کہ باوجود پہچان لینے کے انکار کرتے ہیں۔ غرض سب اچھی طرح جانتے تھے اور اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ایک جگہ اونٹ ذبح ہوا تھا اس کی اوجھڑی پڑی تھی تو آپس میں مشورہ کیا کہ کون شخص یہ اوجھڑی سجدے کی حالت میں آپ پر لا کر رکھ دے روایت میں ہے

فقہاء اشقی القوم یعنی جو سب سے زیادہ شقی اور بد بخت تھا وہ تیار ہو گیا۔ کفر میں بھی درجے ہوتے ہیں کوئی ٹارل کوئی انٹرنس اور کوئی ایف۔ اے اور کوئی بی۔ اے تو ان میں جو سب سے بڑا کافر تھا یعنی بی۔ اے تھا اس نے کہا میں جاؤں گا چنانچہ وہ گیا اور اوجھڑی اٹھا لایا اور اسے کم مبارک پر رکھ دی آپ سچے ہی میں پڑے رہے کہ اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور اس اوجھڑی کو ہٹایا اور کفار کو خوب خوب کہا اور کوری کوری سنائیں اور آپ نے بھی نماز کے بعد بددعا شروع کی یا تو وہ اس حرکت پر آپس میں ہنستے تھے اور مضحکہ کرتے اور مذاق اڑاتے تھے جیسے اوباشوں کی عادت ہوتی ہے جو جب بددعا کے کلمات سنے تو سب کا رنگ فق ہو گیا ساری ہنسی بھول گئے کیونکہ یہ یقین تھا کہ جیسا فرما رہے ہیں ویسا ہی ہو گا۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

آپ کا فرمان گویا فرمودہ خدا ہے اگرچہ وہ فرمان ایک اللہ کے بندے (محمصلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے ادا ہوا ہے تو غرض اتنے تو معتقد مگر زبان سے آپ کو مجنون کا ہن شاعر ساحر وغیرہ ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے تھے گو دل میں وہ آپ کو سچا سمجھتے تھے مگر زبان سے تو یہ کہتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ ہوا تو اور کوئی کیوں یہ توقع کرے کہ وہ طعن و تشنیع سے بچ جائے گا۔ غرض بعض مصنوعی اہل اللہ تو دھوکہ میں ہیں کہ انھیں شبہ ہے کہ ہم بھی بزرگ ہیں اور ہوتے ہیں وہ اہل دنیا اور بعض خود دھوکہ میں نہیں مگر دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں تو ان سب کی دوستی بھی محض دنیا ہی کے واسطے ہوتی ہے غرض بہت کم لوگ ہیں جو خیرات اللہ کے واسطے محبت کرتے ہیں اور یہ محبت کبھی زائل نہیں ہوتی اعتقاد تو چاہے جاتا رہے مگر محبت رہتی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بد معاش لڑکا ہو اور باپ اسے ایک عرصہ تک نیک چلن سمجھتا رہا اور اس کی نیک چلنی پر اس کا اعتقاد تھا مگر اب کسی وجہ سے اسے اس کی بد معاشی کا علم ہوا تو دیکھتے اعتقاد

تو جاتا رہا مگر محبت باقی ہے بلکہ اس وقت تو کچھ فکر نہ متھی اور اب اور فکر بڑھ گئی کہ ہائے یہ بگڑ گیا چاہتے ہیں کہ یہ درست ہو جاوے اس کے لئے کہیں بزرگوں سے دعا کر رہے ہیں کہیں تعویذ لکھوا رہے ہیں کہیں عزیزوں اور دوستوں سے مشورہ کر رہے ہیں کہ اس کی درستی کے لئے کیا تدبیر کی جاوے۔ یہی حالت ہے حُب فی اللہ کی کہ محبوب بگڑ بھی جاوے تب بھی محبت باقی رہتی ہے بلکہ اس حالت میں اور بڑھ جاتی ہے ورنہ کیا پڑی ہو کہ اس کے لئے دعا کرے یا اہتمام کرے۔ بس اس معیار پر دیکھ لیجئے کہ محبت خدا تعالیٰ کے لئے ہے یا اپنی اغراض کے لئے تو جن کو محبت اغراض کے لئے ہوتی ہے تو ایسے لوگ جوانی تک دوست رہتے ہیں اور جب بڑھاپا آیا تو اب جانتے ہیں کہ بڑے میاں سے اب کام نہیں نکل سکتا تو سب نے چھوڑ دیا بلکہ یہ خود غرضی یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کرتا ہے تو ورثہ کو یہ مہنی ناگوار ہوتا ہے اور اولاد اور بیوی بھی ناک بھول چڑھاتی ہو کہ جتنا کم خرچ ہوا اتنا ہی اچھا کہ ہمارے لئے بچ جاوے گا بلکہ بعض جگہ جہاں معذور ہو جاتے ہیں مثلاً اندھے ہو گئے تو اُس وقت نوکر چاکر بھی پروا نہیں کرتے یہ پکارتے ہیں اور وہ سنتے ہیں مگر جواب نہیں دیتے کہ یہ ہمارا کیا کر لیں گے اور سنتے ہیں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اب احتمال نہیں ہے جوانی آنے کا جو بدلہ لیں اب وارثوں کی خوشامد کرتے ہیں کہ ان سے سابقہ پڑنے والا ہے تو غرض بعض اپنے مال سے بھی بڑھاپے میں منتفع نہیں ہو سکتے تو کیا آپ اس بڑھاپے کے منتظر ہیں میاں بڑھاپا آئے گا تم اس وقت کام ہی کے نہیں رہو گے اور جوانی میں طاعات کرنے میں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ جب جوانی میں طاعات کا خوگر ہو جاوے گا تو بڑھاپے میں عادت کی وجہ سے آسانی ہو جاوے گی اسے تو ہر شخص عقل سے سمجھ سکتا ہے دوسری بات یہ کہ جب بڑھاپا اتنا آجاوے کہ کچھ نہ کر سکے اس کے لئے حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص صحت کی حالت میں نیک عمل کرتا ہو اور مرض میں نہ کر سکے یا حالت اقامت میں کرتا ہو سفر کی وجہ

سے نہ کر سکے تو فرشتوں کو حکم کیا جاتا ہے کہ اس حالت میں بھی عمل پورا لکھنا یہاں تو
پنشن آدمی دی جاتی ہے اور وہاں پوری پنشن دی جاتی ہے بلکہ اور ایک ضمیمہ بھی
اس پنشن کے ساتھ ملتا ہے وہ کیا ہے وہ عمل نہ کرنے کی حسرت کا اجر کہ پڑوسیوں سے
ہیں اور سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ کا ثواب لکھا جا رہا ہے یہ جوانی کے عمل کی برکت
ہے ورنہ یہ ثواب کیسے ملتا یہ دلیل نقلی سے معلوم ہوا غرض دلیل سے یہ بات
سمجھ میں آگئی کہ جوانی کے عمل سے بوڑھا پلے کا تدارک ہو سکتا ہے تیسری بات
ذوقی عارفین کے سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اعمال میں ایک برکت خاصہ ہے جس سے
قلب میں نور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نور وہی ہے جس کے لئے تہجد کے وقت رسول
مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی تھی اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا اے اللہ میرے
قلب میں نور پیدا کر دے دَفِي سَمْعِي نُورًا اور میرے کانوں میں نور پیدا کر دے
دَفِي بَصَرِي نُورًا اور میری آنکھوں میں نور پیدا کر دے دَفِي مَخْرَجِي نُورًا اور میرے
گودے میں نور پیدا کر دے دَفِي عَظْمِي نُورًا اور میری ہڈیوں میں نور پیدا کر دے
دَفِي شَعْرِي نُورًا اور میرے بالوں میں نور پیدا کر دے دَفِي عَصَبِي نُورًا اور میری
رگوں اور سٹھوں میں نور پیدا کر دے دَفِي لَحْمِي نُورًا اور میرے گوشت میں
نور پیدا کر دے دَفِي دَحْيِي نُورًا اور میرے خون میں نور پیدا کر دے اور یہاں
تاک کہ اَعْظَمِي نُورًا بڑھا اس نور کو میرے لئے دَاَجْعَلْنِي نُورًا مجھے سراپا
نور کر دے دَاَجْعَلْ مِنْ قَوْعِي نُورًا اور میرے اوپر نور کر دے دَاَجْعَلْ مِنْ تَحْتِي
نُورًا اور میرے نیچے نور کر دے دَعَنْ يَمِينِي نُورًا میرے داہنے نور کر دے
عَنْ شِمَالِي نُورًا اور میرے بائیں نور کر دے۔ اسی کا ترجمہ مولانا رومی نے
کیا ہے

نور او درمین و یسر و تحت و فوق بر سر و بر گردنم مانند طوق

(اس کا نور دائیں بائیں نیچے اوپر ہر طرف ہے جیسے گلے کا ہار گردن کو گھیرے ہوتا ہے)

وہ نور لائٹین کی روشنی نہیں بلکہ ایک کیفیت خاصہ ہے کیونکہ حقیقت

نور کی یہ ہے کہ ظاہرًا لِنَفْسِهِ وَ مُظْهِرًا لِغَيْرِهِ یعنی خود بھی ظاہر ہو اور دوسری کو بھی ظاہر کر دے اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ لَعَالِي نُوْرٍ دینے والے ہیں آسمانوں اور زمین کا) میں بھی نور کے یہی معنی ہیں نور کے معنی چمک دکھانے ہیں تو یہ ہونی نور کی حقیقت کہ خود بین ہوتا ہے اور دوسرے حقائق کو بین کر دیتا ہے اور قلب کے اندر اس نور کے پیدا ہونے سے ظلمت دفع ہوتی ہے کونسی ظلمت ظلمت کس کی ظلمت کینہ کی ظلمت حسد کی ظلمت کبر کی ظلمت غصہ کی ظلمت معصیت کی وغیرہ وغیرہ اور اس کے اندر نشاط تازگی شگفتگی اور فرحت یہاں ہو جاتی ہے تو ایسا شخص بڑھاپے میں بھی نکماتا نہیں ہوتا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص دوامًا تلاوت قرآن کرتا ہے بڑھاپے میں اس کے حواس خراب نہیں ہوتے بڑھاپے میں عموماً حواس خراب ہو جاتے ہیں اس سے بچنے کی تدبیر تلاوت قرآن ہے اللہ والوں کو دیکھا ہو گا کہ باوجود بڑھاپا آجانے کے بھی ان کے حواس قائم رہتے ہیں جیسے مولانا فضل الرحمن صاحب قدس سرہ کہ سو برس سے سن متجاوز تھا مگر حواس ویسے ہی تھے یہ سب تلاوت قرآن کی برکت تھی اسے عقلا نہیں جانتے اہل اللہ جانتے ہیں کہ راز اس میں کیا ہے مولانا فرماتے ہیں

خود قوی تر میشود و خمر کہن خاصہ آن خمرے کہ باشد من لدن

د پرانی شراب کی تیزی خود بڑھ جاتی ہے خصوصاً اس شراب کی جو من جانب اللہ عطا ہوئی ہو

یعنی پرانی شراب تیز ہو جاتی ہے تو یہ بوڑھے میاں پہلے سے بھی تیز ہو جاتے ہیں اس میں راز یہ ہے کہ وہ اس وقت اہل مشاہدہ ہیں اور مشاہدہ کے معنی توجہ تام کے ہیں یہ توجہ ہی وہ حظ ہے کہ بڑھاپے کا بھی ضعف نہیں معلوم ہوتا جیسے ایک بوڑھا آدمی ہو اور وہ مر رہا ہو اس نے اپنے بیٹے کو جو کہیں سفر میں ہی خط لکھا کہ تم فوراً چلے آؤ اور بیٹا آگیا تو بڑے میاں کا یہ حال تھا کہ کروٹ بھی کوئی اور بدلوائے یا بیٹے کی صورت دیکھتے ہی فرط خوشی سے چار پانی پر سے

خود بخود اٹھ بیٹھے توجیب بیٹے کے مشاہدہ میں یہ اثر اور قوت ہے تو محبوب حقیقی کے مشاہدہ میں یہ اثر کیسے نہ ہوگا بلکہ اس سے بڑھ کر ہوگا اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں سے

بہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم بہر کہ نظر بروے تو کردم جواں شدم
(اگرچہ میں بوڑھا اور کمزور و ناتواں ہو گیا ہوں لیکن تیری صورت دیکھتے ہی جواں ہوتا ہوں)

بس یہ حالت ہوتی ہے کہ کسل اور سستی نہیں رہتی یہ اثر تو شباب میں طاعت کرنے کا عاجل میں ہے اور آجل میں یہ اثر ہے کہ حدیث میں ہے شباب نشأ فی طاعة اللہ یعنی جس کی جوانی کا نشوونما خدا تعالیٰ کی طاعت میں ہو اور وہ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا اس روز دھوپ اس شدت کی ہوگی کہ بیچھے پکنے لگیں گے زمین تانبے کی ہو جائے گی یعنی جس طرح تانبا فوراً گرمی کو قبول کر لیتا ہے اور مٹی دیر میں اور کم گرمی کو قبول کرتی ہے تو زمین باوجود مٹی کے تانبے کی سی ہو جائے گی کہ تپنے لگے گی اور آفتاب سوانیزہ پر آجاوے گا یعنی بائیں برابر سے اونچا ہوگا یعنی زمین کی قابلیت و انفعال بڑھ جائے گی اور آفتاب کی فاعلیت بڑھ جائے گی تو اس وقت کیا حال ہوگا گرمی کا دیکھو اس وقت کتنی دور ہے حکماء تو کہتے ہیں کہ چوتھے آسمان پر ہے اور اس پر کچھ دلائل بھی پیش کرتے ہیں مگر ان کے مقدمات مخدوش ہیں جن سے یہ حکم کرنا بنا الفاسد علی الفاسد ہو اور شریعت نے کوئی اس کا فیصلہ نہیں کیا مگر بظاہر نصوص سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب پہلے آسمان پر ہے گو کوئی دلیل محکم اس پر بھی نہیں بہر حال پہلے آسمان پر ہو تب بھی بہت دور ہوا کہ پانچ سو برس کی راہ ہے تو اتنے بعد پر بھی دیکھ لیجئے تھوڑی سی دھوپ میں کیا حال ہوتا ہے تو اس روز جبکہ قرب کے سبب آفتاب کی فاعلیت اور زمین کی قابلیت بڑھ جائے گی گرمی کی شدت کا کیا حال ہوگا پھر کوئی بچاؤ بھی نہ ہوگا لا تدری فیہا عوجاً ولا امتاً کہ وہاں نہ ہمواری ہوگی نہ کوئی ٹیلہ ہوگا نہ کوئی چھت یا

دیوار ہوگی کہ اسی کے سایہ میں بیٹھ جائیں ایسے وقت میں سایہ کی کتنی قدر ہوگی تو ایسی بڑی نعمت کی (جس کی بارولت عرش کا سایہ تمہارے قبضہ میں ہے) قدر نہیں جانتے افسوس کہ تم اپنی قدر نہیں جانتے کہ تم کیا ہو نفس و شیطان کے پتجہ میں پھنس کر اپنی قدر کھودی تم وہ ہو کہ عرش بھی تمہارے قبضہ میں ہے باہر معنی کہ ایسی تار بیری تمہارے ہاتھ میں ہیں کہ ان سے عرش کا سایہ تم کو بل سکتا ہے حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ وہ جوان جس نے طاعت اللہ میں نشوونما پایا قیامت کے روز اُسے عرش کا سایہ ملے گا تو اس جوانی کی یہ فضیلت ہے کہ اس کے واسطے عرش کا سایہ نصیب ہوا غرض ایسی نعمت ہی جوانی جسے تم اس میدان اُمید میں برباد کر رہے ہو کہ جب بڑھا پائے گا عمل کر لیں گے خوب سمجھ لو کہ جب تم سے جوانی میں نہ ہو تو بڑھا پائے میں کیا ہوگا اور اگر فرض کیجئے ہمت کر کے کیا ہی تو یہاں دو چیزیں ہیں ایک عمل اور ایک اس کی روح، روح کیا ہے وہ طمانیت ہے جس سے قلب کو حلاوت اور راحت ہوتی ہے یہ وہ چیز ہے کہ اعمال کی بھی روح ہے اور اموال کی بھی روح ہے اس وجہ سے کہ دوکان کھولنے کا رخا نہ کھولنے اور جائداد حاصل کرنے سے مطلب کیا ہے یہی تاکہ راحت سے زندگی بسر ہو تو اصل سب کی چین ہو لیکن افسوس ہے کہ جس طریق سے تم اعمال کرتے اور اموال حاصل کرتے ہو اس سے چین نہیں حاصل ہوگا

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کایں رہ کہ تو میروی بترکاں ست جس رستہ پر تم جا رہے ہو مجھے اُمید نہیں کہ اس سے کعبہ پہنچو کیونکہ یہ راستہ کعبہ کا نہیں ترکستان کا ہے اسی طرح وہ لوگ اموال و متاع کے ذریعہ سے چین حاصل ہونے کے خیال سے اس کے بڑھانے کی فکر میں منہمک رہتے ہیں حالانکہ مال کی خاصیت ہے کہ جوں جوں بڑھتا ہے پریشانی بڑھتی ہے ہر وقت ادھیڑ بن رہتی ہے کہ اور بڑھے یا گھٹنے نہ پائے اہل عرفان کا

قول ہے

وَمَنْ يَجِدْ الدُّنْيَا لَعِيشَ يُسْرِهْ فَسَوْفَ لَعْمَرِي عَنْ قَلِيلٍ يَلُومُهَا

جو شخص کسی مسرت بخش عیش دنیا کی مدح کر رہا ہے وہ عنقریب اس کی مذمت کر لگا ابھی جس جاتی رہی ہے جب جس ہوگی تو معلوم ہوگا۔ اجمی دو حالتیں ہیں دنیا کی ایک بڑھنا ایک گھٹنا دونوں حالتوں کے متعلق خوب کہا ہے

إِذَا أَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً وَإِنْ أَقْبَلَتْ صَارَتْ كَثِيرًا هُمُومَهَا

دنیا جاتی ہے تو حسرت کو اپنی جگہ چھوڑ جاتی ہے اور آتی ہے تو پریشانیوں کو ساتھ لاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کو چھوڑ دو مطلب یہ ہے کہ اس میں روح پیدا کر لو وہ تدبیر کرو جس سے روح پیدا ہو وہ تدبیر روح پیدا ہونے کی میں بتا دوں گا۔ یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ روح اعمال و احوال کی یہ ہے کہ قلب کو چین ہو جاوے۔ اب یہ ثابت کرنا رہ گیا کہ یہ کاہے سے ہوا کرتا ہے اسے دلیل کے قبل تجربہ سے بتلا ہوں کہ بڑھاپے میں جس چیز سے چین ہوتا ہے وہ جوانی کا عمل ہے شیخ عبدالحق محدث نے لکھا ہے کہ اگر تم کو یہ منظور ہو کہ بڑھاپے میں آسودہ رہو تو جوانی میں گناہوں کو چھوڑ دو خصوصاً دو چیزوں کو ایک حسن پرستی اور دوسرے خوش آوازی میں مشغول ہونا ان دونوں سے بالخصوص بہت بچو ورنہ بڑھاپا آوے گا اور قلب میں بچینی پیدا ہوگی اور یہ بات کیوں پیدا ہوگی اسے ہم نہیں جانتے وہ تجربہ کا دعویٰ کرتے ہیں جسے شیخ سے عقیدت ہو وہ ان کی پکائی ہوئی کھاوے ورنہ خود پکاوے۔ اب تجربہ کے بعد دلیل سے کہتا ہوں کہ چین کی تدبیر کیا ہے مسئلہ عقیدت ہے کہ چین قلب کے متعلق ہوتا ہے جو ارح کا چین بھی دراصل قلب کا چین ہی کیونکہ ہاتھ پاؤں اور ڈیل میں درد ہو تو قلب بچین ہوتا ہے نہ کھانے میں مزہ آتا ہے نہ دریا کی سیر میں لطف آتا ہے غرض کسی چیز میں دل نہیں لگتا تو چین کیا ہوا قلب کا سکون یعنی دل کا قرار پا جانا اور چین کا مقابل

ہے بچپنی جب چین سکون ہوا تو بچپنی بے سکونی ہوئی اور بے سکونی حرکت ہوئی کیونکہ حرکت سکون کے مقابلہ میں ہے تو سکون اور چین انقطاع حرکت کا نام ہوا اور انقطاع حرکت کب ہوتا ہے جب کوئی چیز اپنے مرکز پر پہنچ جائے کیونکہ حرکت مرکز پر پہنچنے کے لئے ہوتی ہے مثلاً ڈھیلے کا مرکز زمین ہے اگر اس کو اچھال دو تو وہ پھر بلندی سے پستی کی طرف رجوع کرے گا کیونکہ پستی اور زمین اس کا مرکز ہے اور اس وقت تک حرکت کرتا رہیگا جب تک زمین تک جو اس کا مرکز ہے نہ پہنچ جاوے اور بیچ میں کوئی مکان دیوار یا چھت اسے روکنے والی ہے تو رُک جائے گا مگر تقاضا یہی رہے گا کہ کسی طرح نیچے اترے چنانچہ جب یہ حجاب زائل ہو جاوے گا فوراً اتر آوے گا تو جو ڈھیلے زمین پر نہیں ہیں وہ بیچ میں ہوتے ہیں دیکھو پتھر کو زمین سے اٹھاؤ تو وزنی معلوم ہوتا ہے یہ وزن کیا ہے اصل میں یہ تقاضا ہے کہ مرکز سے نہ اٹھاؤ کیونکہ جب ہاتھ سے چھوٹتا ہے وہیں پہنچ جاتا ہے اور مرکز کیا ہے جہاں قرار ہو اب قلب کا مرکز دیکھئے کیا ہے سو مرکز کے دو مرتبے ہیں ایک حسی ایک معنوی حسی تو مشاہدہ سے متغین ہو جاتا ہے اور معنوی خاصیت سے معلوم ہوگا سو مرکز کی خاصیت ہے محبوبیت یعنی مرکز مطلوب کو کہتے ہیں چنانچہ مطلوب ڈھیلے اور پتھر کا زمین ہے اسی طرح جو قلب کا محبوب ہوگا وہ قلب کا مرکز ہے اور محبوب کون ہوتا ہے جس سے مناسبت ہو تو قلب کو جس سے مناسبت ہوگی وہی محبوب ہوگا اور وہی اس کا مرکز ہوگا میں نے ایک باپ سے سنا ہے کہ مجھ کو جو فلاں بڑی بیٹے کی محبت زیادہ ہے وہ میری بہو کی وہ میرا سا ہے یعنی مجھے اس سے مناسبت ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ قلب کو کس چیز سے مناسبت تامہ ہے سو برہان اور وجدان سے ثابت ہو چکا ہے کہ قلب کو پوری مناسبت صرف حضرت حق سبحانہ سے ہے اور اسی مناسبت کی نسبت شہادت دی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اِنَّ اللّٰهَ

خلق آدم علی صورته یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا یہاں صورت کے معنی شکل نہیں بلکہ وہی مناسبت ہے جسے صوفیہ نے ایک خاص عنوان سے کہا ہے (جسے علماء خشک نہیں قبول کرتے) کہ انسان مظہر ہے حق تعالیٰ کا اس لفظ مظہریت سے چونکے ہیں اور حقیقت میں یہ عنوان تفسیر ہے اسی حدیث کی اور بدون اس تفسیر کے سخت اشکال پڑتا ہے جس سے بچنے کے لئے بعضوں نے ضمیر کا مرجع بنایا ہے آدم کو یعنی آدم کو آدم کی صورت پر پیدا کیا یعنی جیسی صورت آدم کے لئے مناسب تھی اس صورت پر پیدا کیا مگر بعض روایات میں بجائے صورتہ کے صورة الرحمن آیا ہے اسے کیا کریں گے اس کے جواب میں انہوں نے اسے روایت بالمعنی باجتهاد الراوی بنایا ہے میں کہتا ہوں کیوں تکلف کرتے ہو جو تفسیر صوفیہ کرام نے بیان کی وہ نہایت بے تکلف اور سہل ہے۔ یہ دیکھئے کہ صورت کسے کہتے ہیں اگر کہو چہرہ کی شکل کو کہتے ہیں اچھا مانا مگر یہ دیکھنا ہے کہ اس کو کیوں کہتے ہیں صورت کی حقیقت کیا ہے سو حقیقت صورت کی ظہور ہے چنانچہ یہ بھی محاورہ ہے صورة المسبک کذا اور یوں بھی کہتے ہیں اس کام کے بننے کی کیا صورت ہے تو یہاں صورت کے معنی ظہور کے ہیں اور چہرہ کو بھی صورت ظہور ہی کے معنی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے ظہور ہوتا ہے حقیقت انسانیہ کا اور یہ حقیقت وہ ہے جس کو انا سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ روح ہے جسے حکما نفس نامتہ کہتے ہیں اور وہ ایک مخفی چیز ہے چونکہ روح ایک مخفی چیز تھی جسے کالبد نے ظاہر کر دیا اس لئے کالبد کو صورة کہہ دیا تو اصل معنی صورت کے ظہور کے ہوئے اب سمجھئے کہ خلق آدم علی صورته کے معنی علی ظہورہ ہوئے یعنی خدا تعالیٰ نے اپنے ظہور پر آدم کو پیدا کیا یعنی آدم کو پیدا کر کے اپنے صفات کو ظاہر کر دیا کہ خدا تعالیٰ سمیع بھی ہو بصیر بھی ہے متقن بھی ہے محکم بھی ہے ان ہی صفات کا کچھ حصہ انسان کو دیکر

اپنے صفات کمالیہ کو ظاہر کر دیا گو اور مخلوق سے بھی صفات کا ظہور ہوتا ہے مگر انسان سے بوجہ اجمع لکمالات ہونے کے زیادہ ظہور ہوتا ہے اسی واسطے اسکو مظہر اتم کہتے ہیں صوفیہ نے کیا کیا وہی انھوں نے بھی کہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں صرف اصطلاح بدل دی یہ ان کا لطیفہ ہو کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لئے اصطلاحیں مقرر کر لی ہیں ورنہ وہ قرآن و حدیث سے جدا ہو کر کوئی نئی بات نہیں کہتے ہاں علماء خشک جو انکی اصطلاح نہیں سمجھ سکتے ان پر اعتراض کر دیتے ہیں جو واقع میں ان پر نہیں ہوتا بلکہ اپنی فہم پر ہوتا ہے اصطلاحاتے است مرابداں را : اور محققین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ طالب کے سامنے تو ان نکات کو ظاہر کر دیتے ہیں لیکن معاند کے سامنے اعتراضات سنکر بھی خاموش رہتے ہیں بلکہ اپنے

متوسلین کو بھی اظہار سے منع کر دیتے ہیں کما قال الشیرازی ۷

۷ بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذارتا بمیرد در رنج خود پرستی

(عشق کے بھید مدعی کے سامنے مت کہو - چھوڑ دو دنیا کہ غور اور گھمنڈ میں مرجئے)

وجہ یہ کہ ان کو جوش نہیں آتا جوش آتا ہے عازم اظہار کو اسی لئے کیمیاگر کو کبھی جوش نہیں آئے گا اگر کوئی اس کا انکار کرے تو وہ اور خوش ہو گا کہ چلو اچھا ہوا لوگوں کے ہجوم سے بچے اور پولیس کے خوف سے بچے اور جو کیمیاگر نہیں ہے محض دوکاندار ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے وہ طرح طرح کی کوششوں سے اپنا کیمیاگر ہونا ثابت کر دیگا اسی طرح اہل اللہ جب دیکھتے ہیں کہ معتقد کم ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ چلو خلوت بالمحبوب کی دولت نصیب ہوئی ہے

چہ خوش وقت و خرم روز گالے کہ یارے بر خور داز وصل یالے

(وہ کیا اچھا وقت اور کیا اچھا زمانہ ہے کہ اس میں کوئی محب اپنے محبوب کے وصل سے متمتع ہو)

ایک اور عاشق نے کہا ہے ۷

چہ خوش ست با تو بزمی نہ ہفتہ باز کردن در خانہ بند کردن سہر شیشہ باز کردن

ذکیا ہی اچھا ہو کہ محفل میں تنہا ہو اور گھر کا دروازہ بند شراب کی بوتل کھلی ہوئی پاس رکھی ہو۔
اس سے زیادہ خوشی کا کیا مقام ہوگا کہ محبوب کا وصل ایسے موقع سے حاصل ہو کہ
کوئی پکارے تاکہ نہیں کیا محبوب کے وصل کے وقت کوئی یہ چاہے گا کہ کوئی آکر
پکارے ارے فلانے اس وقت تو یہ چاہے گا کہ ایک چار گھنٹے کے لئے ساری
دنیا مجھ کو چھوڑ دے تو کام بن جاوے اور کبھی جسے نقدۃ حرمتہ کی ضرورت ہو
البتہ معتقدین کے ہونے سے فکر ہوگی کہ ایک اسامی کم ہوگئی بہر حال منظر اتم
حق تعالیٰ کا انسان ہے کیونکہ انسان کو حق تعالیٰ سے مناسبت تامہ ہے
اور یہی مناسبت سبب تھا محبوبیت کا اور محبوبیت صرف مرکز میں ہوتی
ہے تو معلوم ہوا اور ثابت ہو گیا کہ قلب کا مرکز صرف ذات حق ہے اور
اسی سے قلب کو قرار اور چین حاصل ہو سکتا ہے بس یہی ایک صورت ہے
چین کی کہ خدا تعالیٰ سے دل لگاؤ اسی کو فرماتے ہیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ
قُلُوْبُهُمْ ذِکْرُ اللّٰهِ لَیْسَ جَوْلُوْکَ اَیْمَانٌ وَّ اَلْیَوْمَ اَنۡ نَّجۡزِیَہُمۡ
ہے خدا تعالیٰ کے ذکر سے اور اس میں حصر اس لئے نہیں کہ خدا تعالیٰ ہی کے
ذکر سے چین ہوتا ہے کیونکہ مخاطب ابھی سمجھ رہا تھا کہ چین اور چیزوں سے
ہوتا ہے تو اسے بالفعل تو صرف اتنا ہی بتا دیا کہ چین خدا تعالیٰ کے ذکر سے
بھی ہوتا ہے سبحان اللہ کیا تدریجی تعلیم ہے کہ مخاطب قبول ہی کر لے اگر
ابتدا ہی سے حصر کے طور پر فرماتے تو ایک قسم کا معارضہ ہو جاتا یہ نہیں کیا
پہلے یہ بتایا کہ اور چیزوں سے چین ہونے کی ہم نفی نہیں کرتے مگر خدا تعالیٰ
کے ذکر سے بھی چین ہوتا ہے جب مخاطب نے یہ سمجھ لیا کہ خدا تعالیٰ کے ذکر سے
بھی چین ہوتا ہے تو آگے فرمایا اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کہ آگاہ ہو جاؤ
اور خبردار ہو جاؤ کہ خدا تعالیٰ ہی کے ذکر سے دلوں کو چین ہوتا ہے اور
کسی چیز سے چین نہیں ہوتا پہلے جملہ میں تو بذکر اللہ جو ظرف ہے تطمئن کا اپنی
جگہ پر ہے یعنی مؤخر ہے اور آگے بذکر اللہ کی تقاریم فرمائی تاکہ حصر کو مفید

ہو کہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفیہ حصر ہوتا ہے اور پھر اس کو الاحرف تنبیہ سے موکر بھی کر دیا کہ ہوشیار ہو جاؤ کہ خدا تعالیٰ ہی کی یاد سے دلوں کو چین ہوتا ہی اس کی دلیلیں میں ابھی سب بیان کر چکا ہوں اس لئے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں اسی کا ترجمہ مولانا رومیؒ نے کیا ہے سے

گر گریزی بر امید راحتے ہم ازاں جا پیشت آید آفتے

(اگر کسی راحت یا آرام کی امید پر بھاگتا ہے تو اس جگہ بھی تجھ کو کوئی آفت پیش آئے گی)

جہاں جا کے پناہ لوگے کہیں چین نہیں ملے گا کہیں کوئی آفت آئے گی اور کہیں کوئی مصیبت کہیں دوستوں کی طرف سے پریشانیوں پیش آئیں گی اور کہیں دشمنوں کی طرف سے

ہتھی کچے بے درو بے دام نیست جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

(کوئی گوشہ بے دوڑ دھوپ اور بغیر دام کے نہیں ہو بخلوت گاہ حق کے سوا کسی جگہ آرام نہیں)

۱۹ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں پریشان کرنے کے لئے بھڑیئے نہ ہوں۔ جز بخلوت گاہ حق آرام نیست؛ یہ ترجمہ ہے اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے) کا۔ غرض آرام کی چیز صرف یہ ہی خلاصہ یہ کہ جب خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے جو مرکز ہے قلب کا تو پھر حرکت نہیں ہوتی قلب کو اور یہی سکون ہے اب اگر دنیا کی تدبیریں بھی کرو گے مگر قلب کو مرکز پر رکھو گے تو پھر پریشانی نہیں ہوگی جیسے پرکار کا ایک پرہ مرکز پر ہوگا اور ایک دائرہ کے محیط پر حرکت کرے گا تو جو حصہ مرکز پر ہوگا وہ حرکت نہیں کرے گا کیونکہ مرکز نقطہ حقیقی ہوتا ہے اور حرکت وضعیہ میں نقطہ مرکز یہ کہ حرکت نہیں ہوتی ایک پہیہ بہت بڑا ہے اور اس کے اندر ایک اور ہے اس سے چھوٹا پھر اس سے چھوٹا پھر اس سے چھوٹا تو حرکت سب کو ہوگی جو بڑا ہے اس کو زیادہ اور جو چھوٹا ہے اس کو کم مگر ان سب محیطوں کا مرکز ہے اسے بالکل حرکت نہ ہوگی۔ اب سمجھئے کہ

ایک باطن قلب ہے جو مرکز پر ہے اور ایک ظاہر قلب ہے جو محیط پر دور کرتا ہے باطن قلب خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہے اور ظاہر قلب کمانے میں مصروف ہے بلکہ اس محیط پر چلنے والے کو یہی حکم ہے کہ چلاؤ ورنہ دائرہ قطع کیسے ہوگا وہ دائرہ کیا ہے بیوی بچوں کا نان و نفقہ قلب کے اسی ظاہر اور باطن پر متنبی کہتا ہے ۷

عَذْرُ الْعَوَازِلِ حَوْلَ قَلْبِي التَّائِبِ وَهَوَى الْأَحْبَبَةِ مِنْهُ فِي سَوْدَائِهِ

یعنی ملامت کرنے والیوں کی ملامت قلب کے ارد گرد ہے اور احباب کی محبت سویا ر قلب میں ہے۔ پس سویا ر قلب جو اندرون قلب ہے وہ غیر متحرک ہے جب اس میں خدا تعالیٰ کا ذکر اور محبت جم جائے گی تو پھر حرکت نہیں ہوگی اس کی علامت یہ ہے کہ خوشی اور غم دونوں حالتیں یکساں ہوں گی خوشی ہے تو الحمد للہ اور غم ہے تو الحمد للہ کیونکہ وہاں نہ غم مطلوب ہے نہ خوشی مطلوب ہے مطلوب تو ان کی رضا ہے ۷

۲۰

بس زبون و سوسہ باشی دلا گر طرب را باز دانی از بلا

یعنی اگر تم خوشی کو بلا سے ممتاز سمجھتے ہو تو ابھی وساوس میں مبتلا ہوو

ہرچہ از دوست میرسد نیکوست

(دوست کی طرف سے جو کچھ بھی اچھا ہی ہے)

خوشی بھی انھیں کی ہے اور غم بھی انھیں کا ہے

ناخوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے یار دل رنجبان من

(تیرا رنجیدہ کرنا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے دل قربان ہو ایسے یار پر جو میرے دل کو رنجیدہ کرے)

محبوب کی رضا مقصود ہے جس طرح اس سے مصافحہ کرنے سے فرحت

ہوتی ہے اسی طرح اس کی چپت میں بھی فرحت ہوتی ہے چپت میں چوٹ

تو ضرور لگے گی کیونکہ معشوق اچھا خاصہ کھاتا پیتا ہٹا کٹا تھا اس کا ہاتھ

بھی زبردست ہی ہوگا اور اس سے چوٹ بھی ضرور لگے گی مگر چوٹ سر پر

لگے گی دل پر نہیں لگے گی اسی سے یہ چپت میں بھی خوش ہیں دلیل یہ ہے کہ اگر معشوق کہے کہ اگر تمہارے چوٹ لگتی ہو تو لاؤ میں تمہیں چھوڑ کر رقیب کو اسی طرح چپت لگاؤں دباؤں تو وہ اس کا یہ جواب دیگاے

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغیت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی
(ایسا دشمن کا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ خنجر آزمائی کے لئے دوستوں کا سلامت)

کہ جب ہم موجود ہیں تو رقیب کو کیوں مارتے ہو۔
سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہو کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہو
تو جس کے قلب میں خدا تعالیٰ کا تعلق جم جاتا ہے اس کو کسی حال میں غم نہیں
ہونا عارف شیرازی فرماتے ہیں

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیث باشد از وغیر او تمنائے
(فراق و وصل کی کیا حقیقت ہے رضائے دوست کے ساتھ)

۲۱ یعنی وصل کو بھی مطلوب نہیں سمجھتے اگر کوئی کہے کہ وصل تو مطلوب ہی ہے اس
کے مطلوب نہ سمجھنے کے کیا معنی جواب یہ ہے کہ وصل مرغوم عند السالک کو
مطلوب نہیں سمجھتے یوں توفی نفسہ وصل حقیقی مطلوب ہی ہے البتہ وصل مرغوم
کو مطلوب نہیں سمجھتے جسے سالک مطلوب سمجھتا ہے کیونکہ سالک غیر کامل کو
ان حقائق کی خبر نہیں ہوتی جب تک شیخ کامل کی تقلید نہ ہو ایسا سالک
محض اپنے علم سے کام لیتا ہے اور یہاں علم و فضل کا مٹانا ضروری ہے اسی کو
مولانا نے ایک حکایت میں بیان کیا ہے کہ ایک نحوی صاحب جنہیں اپنی خودانی
پرناز تھا سفر کے ارادہ سے کشتی پر سوار ہوئے راستہ میں ملاح سے پوچھا کہ میاں
تم نے کچھ نحو بھی پڑھی ہے اُس نے کہا نہیں کہنے لگے افسوس تم نے آدھی عمر کھوئی
اس کے بعد کشتی گرداب میں آگئی اور چکر کھانے لگی ملاح نے پوچھا میاں کچھ
تیرنا بھی جانتے ہو اُنھوں نے کہا نہیں اُس نے کہا افسوس تم نے ساری ہی
عمر کھوئی مولانا فرماتے ہیں صر محومی باید نہ نحو اینجا بدال دالہ نقلے کے راستہ میں

محویت کی ضرورت ہے علم نحو کی ضرورت نہیں، تو یہاں تو اس کی ضرورت ہے یہاں نرا لیا ہی
 علم و فضل کافی نہیں اس سے محقق نہیں ہوتا اور اگر علم و فضل کی وجہ سے محقق ہو
 تو وہ دلائل کا محقق ہے و جان کا محقق نہیں ہے دلائل کیا چیز ہیں انار سے کی
 لکڑی کہ اس کے سہارے سے ٹیوں ٹیوں کے چل رہا ہے جہاں وہ لکڑی ٹوٹ
 گئی بس کچھ بھی نہیں تو اسی طرح اس نے اپنے علم سے وصال کی تعریف لکڑی
 کہ وصال کسے کہتے ہیں کہ کچھ کیفیت ہونے لگے کچھ سنسا ہٹ ہونے لگے جی لگنے
 لگے اگر جی لگا تو سمجھے ہاں وصل ہو گیا اور اگر جی نہیں لگتا اور وساوس کا
 ہجوم ہو گیا تو سمجھا کہ بس مردود ہو گیا تو اس کو غلطی یہ ہوتی کہ کیفیات کو
 وصل اور وساوس کو فراق سمجھا حالانکہ یہ قبض و بسط ہے فراق و وصل نہیں
 ہے اور قبض و بسط دونوں وصل ہی کی قسمیں ہیں چنانچہ جس طرح محبوب کا پاس
 بلا کر بٹھانا وصل ہے اسی طرح یہ حکم دینا کہ جاؤ آم لاؤ یہ بھی وصل ہی نہیں کہ
 آموں کی جستجو میں جو وقت صرف ہو اور محبوب سے جارا رہنا پڑا یہ فراق
 ہو گیا۔ کسی شاعر نے کہا تھا ہے

اُس کے کوچہ سو جب اٹھ اہل وفا جاتے ہیں تا نظر کام کرے رو بقفا جاتے ہیں
 اور کسی نے اس کی اصلاح کی تھی ہے

اُس کے کوچہ سو کب اٹھ اہل وفا جاتے ہیں وہ ہو سناک ہیں جو رو بہ قفا جاتے ہیں
 مگر یہ اُس اٹھنے میں ہے جو از خود ہو وہ حقیقت میں خلاف ہے لیکن اس کے
 علاوہ ایک مرتبہ اور ہے وہ یہ کہ معشوق خود اٹھاوے تو یہ اٹھنا عین وفا ہی
 ہے مثلاً اگر معشوق کہے آم لاؤ تو فوراً چلا جائے اور اگرچہ لغتاً یہ زمانہ فراق
 کا ہو گا مگر اہل عقل کے نزدیک یہ زمانہ اس وصال سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ
 اس میں تو محبوب کے ناراض ہو جانے کا بھی جو کہ حقیقی فراق ہے اندیشہ ہے
 اور اس میں اس کے ناراض ہو جانے کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ جتنی دیر آم لانے
 میں لگے گی اتنی دیر تک اس کے راضی رہنے کا یقین ہے تو جو عاشق ہے وہ

اس حالت میں بھی مزے میں ہے اور نہایت خوش ہے کہ محبوب کی رضا تو حاصل ہے اور اس حالت میں وہ عاشق ضرور یہ کہے گا کہ

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیث باشد از وغیر او تمنائے

فراق و وصل کیا چیز ہے دوست کی رضا اور خوشی کی کوشش کر اس کے سوا اور کچھ طلب کرنا افسوس کی بات ہے

اور یہ وہ فراق ہے کہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گوارا فرمایا کیا

آپ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ فراق صوری یعنی توجہ الی الغیر مطلقاً بھی نہ ہو

مگر آپ کو ارشاد ہوا اَذِنَا رَعَشِيْرَتَكَ الْاَحْمَرِيْنَ . قُمْ قَانِدِيْ . فَاَصْدَحْ بِمَا تَوَمَّرُوْا . وَ اَتْلُ بِعَلَمِيْ

کہ کفار کے پاس جائیے اور انہیں انداز و تبلیغ فرمائیے اور کلام الہی سنائیے

اور اس پر آپ اٹھے اور خلوت میں بجائے محبوب حقیقی سے مناجات کرنے کے

مشرکین و کفار سے خطاب فرماتے ہیں يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِخْلَعُوْا كَذَا وَاذَلَا تَفْعَلُوْا

کذا گو آپ کی توجہ محبوب حقیقی کی جانب سے اس وقت بھی منقطع نہیں ہوئی

تھی مگر ایک گونہ حجاب تو تھا کیونکہ ایک تو براہ راست محبوب کا دیکھنا

اور ایک آئینہ کے اندر اس کا چہرہ نظر آتا تو حق تعالیٰ کے دیکھنے کی مثال

ایسی ہے کہ پہلے تو خود محبوب کو بلا واسطہ دیکھ رہے تھے اور اب بواسطہ

مرآت کے دیکھ رہے ہیں گو توجہ اب بھی نام ہے مگر بلا حجاب نہیں کیونکہ

مرآت حجاب ہے گو شفاف ہے اور وہاں حجاب تو حجاب خود اپنی ذات کا

حائل ہونا بھی گوارا نہیں حضرت ابو علی قلنر فرماتے ہیں سے

غیرت از چشم برم روئے تو دیدار نہ دہم گوش را نیز حاریت تو شنیدم نہ دہم

(مجھ کو آنکھوں پر رشک آتے کہ ان کو محبوب کے رخ انور کو دیکھنے نہ دوں اور کانوں کو ان کی باتیں سننے نہ دوں)

ہمارے اور محبوب کے درمیان آنکھ اور کان کا بھی کیوں واسطہ ہو اس سے

بھی غیرت آتی ہے غرض یہ حجاب تھا جسے حق تعالیٰ کے ارشاد سے گوارا کیا

گو وہ حجاب ان کی رضا سے تھا مگر وصال بلا حجاب کے مقابلہ میں تو فراق

ہی تھا تو دوسرے مؤمنین کیوں نہ اس فراق کو گوارا کریں سے

میل من سکو وصال و میل اوسوئے فراق ترک کام خود گرفتہ تا بر آید کام دوست

(میں ملنا چاہتا ہوں وہ جدا رہنا چاہتا ہے میں اپنی ارادہ کو اس کے ارادہ پر قربان کرتا ہوں)

خلاصہ یہ کہ عاشق قبض و بسط میں کچھ فرق نہیں کرتا نہ قبض میں گھبراتا ہے نہ بسط میں ناز کرتا ہے کیونکہ یہ سب وصال ہی کی حالتیں ہیں اور گویا ہر قلب محیط پر دائر ہے جو دنیا کے کاموں میں مشغول ہے مگر باطن قلب جو مرکز ہے وہ مشغول ہے تسلیم و رضا میں یہی وجہ ہے کہ اسے کسی حالت میں بھی تغیر نہیں ہوتا اور کسی مصیبت سے نہیں گھبراتا یہاں تک کہ مرنے سے بھی نہیں گھبراتا اس واسطے کہ اس وقت بھی مطلوب تو پاس ہی ہے بلکہ موت کا وقت تو وہ ہے کہ پرکار کا باہر کا پرہ جو محیط پر تھا وہ بھی اندر کے پرہ کے قریب آ رہا ہے کیونکہ تمام افکار دنیا خود بخود منقطع ہو رہے ہیں تو اور خوشی کی بات ہے کہ یہ جسم ہیولانی جو ایک گونہ حجاب تھا اٹھا جاتا ہے اسی کو ایک بزرگ وقت نزع اس طرح فرما رہے تھے

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذازم سراسر جاں شوم

(اب وہ وقت آ گیا کہ میں عریاں ہو جاؤں جسم کو چھوڑ کر سراسر جان بن جاؤں)

اور اسی کے ساتھ یوں بھی کہہ رہے تھے

چیت توحید آنکہ از غیر خدا فرد آئی در خلا و در ملا

(توحید کی شان کب ہو سکتی ہے سوائے خدا کے جھکا رہے تنہائی میں اور میل جول کے وقت)

غرض اسی خوشی میں جان دیدی۔ ابن الفارض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو بڑے صاحب کشف و صاحب حال تھے جب ان کا زمانہ وفات قریب آیا تو آٹھوں جنتیں ان پر منکشف ہو گئیں یہ دیکھ کر انھوں نے منہ پھیر لیا اور غلبہ حال میں یہ فرمایا کہ

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ما قدر آیت فقد ضیعت ایامی

کہ اگر محبت کا صلہ یہی ملا تو ساری عمر ہی برباد ہوئی پھر کہتے ہیں وہ جنتیں

مستور ہو گئیں اور خاص تجلی کا ظہور ہوا اور روح پر واز کر گئی گویا وہ حالت تھی جسے اور ایک بزرگ کہتے ہیں ۷

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد تانہ بنیم رخ تو روح رمیدن ندہم

(اگر ملک الموت میری جان نکالنے آئے تو جب تک میں آپ کی تجلی نہ دیکھ لوں جان نہ دوں گا)

غرض جس شخص کی یہ حالت ہو وہ کس قدر چین میں ہوگا۔ میں راہب نہیں بنانا نہ میں کارخانے چھوڑاتا ہوں میں تو صرف یہ بتاتا ہوں کہ ظاہر قلب سے دنیا کے کام کرو اور باطن قلب کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرو باقی یہ مطلب نہیں ہے کہ بیوی کو طلاق دیدو اور بچوں کو عاق کر دو اور کوٹھری میں بیٹھ جاؤ کیا سارا جہان چھوڑ کے بس اللہ میاں کوٹھری میں ہیں نعوذ باللہ ان کا تو کوئی مکان نہیں دھوم معکم ایما کنتم وہ تو ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہیں ہاں تم ہی ان سو دور ہو اس لئے دلتی اقرب الیہ من حبل الودید یعنی ہم تم سے بہت نزدیک ہیں یہ نہیں فرمایا کہ انتم اقرب الینا کہ تم ہم سے بہت نزدیک ہو اس لئے کہ تم تو دور ہو اور وہ نزدیک ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ قرب و بعد تو نسب متکررہ میں سے ہے جب ایک دوسرے سے قریب ہوگا تو دوسرا بھی اس سے قریب ہوگا ایک بعید ہوگا تو دوسرا بھی بعید ہوگا مگر یہ قرب جسمی میں ٹھیک ہو یہاں قرب کے معنی قرب علمی کے ہیں قرب جسمی کے نہیں ہیں پس مراد محض یاد اور توجہ ہے تو اس اعتبار سے وہ قریب ہیں یعنی تمہاری طرف متوجہ ہیں اور تم بعید ہو یعنی تم ان کی طرف متوجہ نہیں پس اگر تم ذرا ان کی طرف متوجہ ہو تو پھر ان کا قرب تمہیں معلوم ہوے

میان عاشق و معشوق ہر حال نیست تو خود حجاب خودی حافظ از میاں بر خیز

(اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان کوئی چیز حاصل نہیں تو اپنے حجاب بے خودی کو لے حافظ درمیان کو ہٹا دے)

حضرت بایزید بسطامی نے حضرت حق جل و علا شانہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا یا رب دلنی علی اقرب الطرق الیک یعنی مجھے اپنے تاک پہنچنے کا سب سے

مختصر راستہ بتا کہ بس اس سے سیدھا اور مختصر نہ ہو۔ سبحان اللہ خواب میں بھی یہی دھیان ہے جو اب میں فرماتے ہیں دع نفسك و تعال اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ کیسا سہل راستہ ہے یعنی اپنے نفس کے تقاضے پر عمل چھوڑ دو یعنی اپنی رائے کو اپنے ارادہ کو اور مصالح کو چھوڑ دو بس ان مصالح ہی نے تو خراب کیا ہے ہر بات میں غرض ہر بات میں پالیسی یہی وجہ ہے کہ انھیں چین نہیں اور اللہ والوں کو اس لئے تکلیف نہیں کہ ان کے سویدانے قلب میں پالیسی اور غرض نہیں ہو حضرت بہلول نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہوا انھوں نے کہا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہو اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہو پھر اُسے کا ہے کی تکلیف حضرت بہلول نے کہا کہ حضرت یہ تو سمجھ میں نہیں آتا وہ منسنے لگے اور کہا کہ اس پر تو تمہارا بھی ایمان ہو کہ بدوان خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے کچھ نہیں ہوتا جب یہ سمجھ گئے تو اب یہ سمجھ لو کہ جس نے اپنی خواہش ہی نہ رکھی ہو اور اپنی مرضی کو بالکل خدائے تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیا ہو تو جو کچھ ہوگا وہ خدائے تعالیٰ کی مرضی کے موافق تو ہی ہوگا اور اس کی مرضی بھی وہی ہے جو خدائے تعالیٰ کی مرضی ہے بس وہ اس کی خواہش کے موافق بھی ہوگا اس کا کوئی خاص ارادہ ہی نہیں نہ یہ کہ ابھی مر جاؤں نہ یہ کہ دس برس زندہ رہیں کہ ذرا بیمار ہوئے اور دھڑکا پیرا ہوا کہ ہائے ابھی تو ایک ہی برس گزرا ہے ابھی تو نو برس اور باقی ہیں نہ یہ خواہش کہ غریب ہو کر رہیں نہ یہ خواہش کہ امیر ہو کر رہیں جیسے زاہدوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کس ہی ملے دو شالہ نہ ملے اگر دو شالہ ملا تو ناک منہ چڑھ گیا اور دنیا دار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دو شالہ ملے اگر کس ملے گا تو اس کا ناک منہ چڑھ گیا سو غور کرو تو تم کیا اور تمہاری مرضی ہی کیا اگر کمل دیں کمل اور ڈھو اگر دو شالہ دیں دو شالہ اور ڈھو اگر غریب بنائیں خوشی سے اُسے گوارا کرو اگر بادشاہ بنائیں بادشاہ بن جاؤ ایک جوڑا روز بدلنے کو دیں ایک جوڑا روز پہنوا اور اگر ایک جوڑا ایک بس

میں دیں تو ایک برس میں پہنوشیخ عبدالقدوس گنگوہی کو ان کے شیخ نے ایک کڑتہ دیا تھا وہ اسے ساری عمر پہنے رہے جب پھٹ جاتا گھوڑے پر سے گدڑے چیتھڑے جوڑ بٹور کے دھوتے اور دھوکے پیوند لگا لیتے تھے وہ کڑتہ اب بھی موجود ہے اور زائرین نہایت عقیدت سے اسے آنکھوں سے لگاتے ہیں اور بادشاہوں کے تخت و تاج کا پتہ بھی نہیں اور نہ کوئی انھیں پوچھتا ہے وجہ یہ کہ وہ عطیہ تھا سرکاری اور گو عطیہ سرکاری یہ بھی ہے مگر یہ بادشاہ اسے عطیہ نہیں سمجھتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا ہے ہم نے حاصل کیا ہے ہمیں اس کا استحقاق ہے اس خودی کی وجہ سے وہ مٹا دیا گیا اور اس میں یہ برکت عطا کی گئی کہ وہ اب تک باقی ہے اگر کوئی کہے کہ وہ عمر بھر کیوں ایک کڑتہ پہنے رہے اگر بدل ڈالتے تو کیا وہ عطیہ نہ ہوتا۔ تو بات یہ ہے کہ ان کو دوسرا میسر ہی نہ تھا باوجودیکہ ابراہیم لودی بادشاہ ان کے مرید تھے مگر بھی بادشاہ کی نذر قبول نہیں کی کہ یہ بیت المال کا ہے جو عامہ مسلمین کا ہے بادشاہ کو اس میں تصرف جائز نہیں ہے اگر چاہتے تو بہت کچھ لے لیتے اور بڑے عالی شان محل تیار کر لیتے۔ ابراہیم بادشاہ کی بہن بھی حضرت سے مرید تھیں اور اس درجہ کی بیوی تھیں کہ آپ فرماتے تھے اگر عورتوں کو خلیفہ بنانا مشائخ کا معمول ہوتا تو میں ابراہیم کی بہن کو خلافت دیتا ان سے بھی کبھی نذر قبول نہیں فرمائی کہ ان کے یہاں بھی وہی بادشاہ کا پیسہ ہے جو بیت المال کا ہی ایک مرتبہ آپ کے یہاں ایک بزرگ تشریف لائے وہ ان کو ایک میلا اور مچھٹا سا کڑتہ پہنے دیکھ کر سمجھے کہ یہ بنتے ہیں اور شبہ کی بات بھی کی تھی کہ جس شخص کا بادشاہ مرید ہو اس کو کاہے کی کمی ہے انھوں نے فرمایا کہ بعض لوگ زاہدوں میں داخل ہونے کو پھٹے پڑانے کیڑے پہنے رہتے ہیں شیخ سمجھ گئے کہ مجھ پر تعرض ہے ان سے علیحدگی میں عرض کیا کہ میں بنتا نہیں بلکہ میرے پاس اس کڑتے کے سوا اور ہے نہیں بڑی تنگی سے بسر ہوتی تھی

اور فاقے ہوتے تھے اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ آپ کے گھر میں سے آپ کے پیر کی بیٹی تھیں اگر کچھ ہوتا تو کیا آپ ان سے دریغ فرماتے ان کی یہ حالت تھی کہ فاقے ہوتے تھے اور جب کئی فاقے گزر جاتے تو بیوی کہتیں کہ حضرت اب تو تاب نہیں فرماتے گھبراؤ نہیں جنت میں عمرہ عمدہ کھانا پاک رہا ہے وہ بھی ایسی نیک تھیں کہ اس ادھار پر راضی ہو جاتیں غرض شیخ کی تو عسرت کی یہ حالت تھی اور ایک حضرت سیدنا عوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت تھی کہ آپ ایسا کپڑا پہنتے تھے کہ اتنا قیمتی کپڑا خلیفہ وقت بھی نہیں پہن سکتا تھا حشم و خدم اور عمرہ و لطیف غذائیں اور مرغ پلاؤ وغیرہ سے سابقہ رہتا اور جہاں یہ تھا وہاں یہ بھی یقینی تھا کہ اگر دونوں کی حالتوں کو ایک دوسری سے بدل دیا جاتا تو دونوں خوشی سے قبول کر لیتے غرض عارف کی یہ شان ہونی چاہئے کہ جس حال میں رکھیں زندہ رہے مارے تو مر جاوے سے

زندہ کئی عطاءئے تو و رکبشی فرمائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(زندہ کریں یہ آپ کی عطا ہے اور قتل کر دیں تو آپ پر خدا ہوں۔ دل آپ پر خدا ہو جو کچھ کریں میرا س پر راضی ہوں)

حاصل یہ ہے کہ اپنے ارادہ کو فنا کر دو۔ اور یہاں ایک اشکال ہو کہ صاحب جب ارادہ کو فنا کر دیں تو نماز اور روزہ کا بھی ارادہ فنا کر دیں سو سمجھ لو کہ ارادہ کو فنا کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جو ارادہ حق کے خلاف ہو اسے فنا کر دو اور جو ارادہ حق کے موافق ہو وہ تو مطلوب ہے اور نماز و روزہ کا ارادہ مرضی حق کے موافق ہے اس کو فنا مت کرو غرض یہ ہے کہ چین کی جڑ اور روح جو اس کو جوانی میں حاصل کر لے گا جو کہ اس وقت درجہ درجہ میں دوامیں ہوگی تو بڑھاپے میں آرام سے رہے گا اور چین سے بسر کرے گا اور بحکم غذا بھی ہو جائے گی اور یہ اوپر ثابت ہو چکا ہے دو ابھی نعمت ہے اور غذا بھی نعمت ہے کیونکہ وہ مجاہدہ ہے اور غذا مشاہدہ ہے اور مشاہدہ بغیر مجاہدہ کے نصیب نہیں ہو سکتا اس لئے وہ مجاہدہ بھی نعمت ہے۔ اس مقام پر جس

نعمت کا ذکر ہے اس کے یہی دو درجے ہیں بعض کے لئے غذا یہ سب اس کی تمہید تھی تمہید میں قدرے طول ہو گیا مگر خیر میں مقصود میں بھی کیا بیان کرتا اس میں بھی یہی بیان کرتا۔ بہر حال حق تعالیٰ نے ایک نعمت مرحمت فرمائی اولاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ثانیاً آپ کے غلاموں کو جسے لوگ تکلیف اور مصیبت سمجھتے ہیں مجھے اپنے بچپن کی ایک حکایت یاد ہے کہ ایک بار میں مسہل پینے سے گھبرا رہا تھا تو والد صاحب نے فرمایا کہ تم مسہل پی لو تمہیں ایک روپیہ دیں گے چنانچہ اس روپیہ کی لالچ میں وہ مسہل پی لیا لیکن جب عقل آئی اس وقت معلوم ہوا کہ مسہل پینے سے انکار کرنے میں کس قدر غلطی پر تھا کیونکہ وہ دراصل میرے ہی آرام کے لئے تھا اسی طرح جب ہمیں عقل آوے گی تو اس نعمت کی قدر ہوگی کہ بڑی چیز ہے اگر دوا ہے تب بھی نعمت ہے کیونکہ صحت اسی سے ہے اور غذا کا لطف صحت ہی سے ہی غذا مطلوب بالذات ہے تو دوا مطلوب بالعرض ہے بہر حال دوا ہو یا غذا بہر حال میں نعمت ہے اور وہ نعمت کیا چیز ہے اب میں اس کا نام بتائے دیتا ہوں جس کے نام سے لوگ گھبراتے ہیں یعنی شریعت اب تو شریعت کا نام سنا اور ڈرے کہ بس بھائی خدا خیر کرے اب حکم ہوگا کہ کھاؤ نہیں، پیو نہیں، ہنسومت، بولومت۔ ایک عنایت فرماتے مجھ سے فرمایا کہ شریعت کا خلاصہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ نہ ہنسنے کی جگہ ہنسوتہ رونے کی جگہ روؤ گلا گھونٹا ہوا رکھو میں نے کہا آپ جیسے سمجھا رہے ہیں خلاصہ نکالیں گے تو واقعی پھر تو یہی خلاصہ ہوگا شریعت کا ایسے بد مذاق لوگوں کی بالکل اس چمار کی لڑکی کی مثال ہے کہ ایک راجہ تھا گنوار سا اس کی ایک لڑکی تھی اس کی شادی وہ کسی سے نہیں کرتا تھا کیونکہ اسے یہ خیال تھا کہ کوئی میرے برابر کا نہیں ہے بڑے بڑے راجاؤں کے پیام پھیر دیتا تھا اتفاق سے ایک مرتبہ شدت سے آنندھی چلی اور زور کے بجولے میں ایک چمار کا لڑکا

اڑ کر راجہ کی چھت پر گر لوگوں کو اور راجہ کو یہ تعجب ہوا کہ یہ لڑکا یہاں کہاں سے اور کیوں آیا عقلا کو بلایا گیا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے انھوں نے سوچ کے کہا کہ یہ غیبی آدمی ہے جو اس لڑکی کے ساتھ شادی کے واسطے بھیجا گیا ہو جب عالم شہادت میں کوئی آدمی شادی کے قابل نہ نکلا تو عالم غیب سے اس کو بھیجا گیا حکم دیا اسے حمام میں لے جاؤ کپڑے بدلواؤ جب اسے حمام میں لے چلے وہ بڑا چلایا راجہ نے حکما سے پوچھا کیا ہے یہ چلاتا کیوں ہے انھوں نے کہا حضور یہ عالم غیب سے تازہ آیا ہے ابھی ہم لوگوں سے مانوس نہیں ہو اس سے گھبراتا ہے اسے زبردستی حمام میں لیجا کر گرم پانی سے نہلایا جب کپڑے پہنانے کا قصد کیا گیا تو کپڑے دیکھ کر اور گھبرایا اور بہت چلایا راجہ نے پھر حکما سے پوچھا انھوں نے کہا اس نے ابھی دنیا کی چیزیں نہیں دیکھی ہیں اچھا اس کے سامنے بہت سے جواہرات لائے جائیں یہ ان سے مانوس ہو گا چنانچہ بہت سے جواہرات خوب چمکتے چمکتے اس کے آگے لاکے رکھے گئے تو وہ پریشان ہوا اور لگا چلانے سے اخیر میں حکما کی یہ رائے ہوئی کہ اچھا خود شہزادی کو اس کو سامنے بٹھا دیا جائے کہ شاید اسے ادھر رغبت ہو اور یہ قرار کپڑے جب شہزادی سامنے لائی گئی تو اب تو اس کے چلانے اور پریشان ہونے کی کوئی حد و انتہا ہی نہ رہی بہت ہی رویا چلایا اب حکما نے کہا کہ اچھا اسے آزاد کر دیا جائے جب یہ اس عالم سے مانوس ہو گا تب شادی کی جائے چنانچہ وہ آزاد ہوتے ہی سب کپڑے اتار اور اپنی لنگوٹی باندرھ مٹھی بالطبع ہو کر اپنے گھر کی طرف بھاگا اور گھر پہنچ کر اپنی ماں کو لپٹ گیا اور اس طرح اپنی سرگذشت سننے لگا کہ مجھے ڈاکو پکڑ لے گئے تھے میری مٹیا مجھے ایک کوٹھری میں بنا رکھا (یہ حمام کا خاکہ ہے) تب بھی میں نہ مرا میری مٹیا پھر انھوں نے مجھ کو کفن پہنایا (یہ جوڑے کی قدر کی ہے) تب بھی میں نہ مرا میری مٹیا پھر وہ جلتی بلتی آگ لائے (جواہرات کا نقشہ ہے) تب بھی میں نہ مرا میری مٹیا

پھر وہ ایک ڈائن کو بلا لائے (یہ شہزادی ہے) کہ مجھ کو کھا جائے تب بھی نہ مرا
میری میتا۔ بس جو مذاق اس چمار کے لڑکے کا تھا وہ مذاق ہم لوگوں کا ہے کہ
شریعت جیسی حسین شہزادی کو ڈائن سمجھ کر اس سے گھبراتے اور بھاگتے ہیں
اجی شریعت تو ایسی حسین ہے سے

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کر شتمہ دامن دل می کشد کہ جا ایجات

(از سرتا پاجد صر بھی نگاه ڈالتا ہوں کر شتمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ ہے)

افسوس ہم نے اسے چھوڑ کے دنیا کو محبوب بنایا ہے جس کی یہ حالت ہے سے
بس قادت خوش کہ زیر چادر باشد چوں باز کنی مادر مادر باشد
یعنی سمجھے کہ یہ بڑی حسین اور نوجوان ہوگی مگر جب چادر اٹھا کے دیکھا تو وہ
نانی اماں سے بھی بڑی تھی اب سمجھ لیجئے کہ آپنے کس کو چھوڑا اور کس کو لیا سے
بقول دشمن پیمان دوست شکستی نبیس کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

(بقول دشمن دوست سے عہد کیوں توڑ دیا۔ دیکھ تو سہی کیوں قطع تعلق کیا اور کیوں ملا)

وجہ یہ ہے کہ شریعت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور نہ اس کا حسین چہرہ دیکھنے کے لئے
آنکھ بنوائی اس لئے دنیا کی برائیاں نہیں دکھائی دیتیں اجی اندھا اس سے
زیادہ کیا دیکھتا ہے کہ ڈیل نرم نرم ہو بس یہ حسن ہے اس کے نزدیک اور
چاہے چہرہ پر آدھ سیر قمیہ بھرنے کی ضرورت ہی ہو اور چاہے ایسا ہو کہ جیسے
اپنے میں کو اٹھونگیں مار گیا ہو آنکھیں درست کرائیں تو اصل حسن کی پہچان ہو
اور آنکھ میں یہ دھند اور جالا کا ہے کا ہے غرض نفس کا ہے اور اتباع ہوا کا
ہے شریعت نے تو حقیقی مصالح کی ذمہ داری لی ہے خاص آپ کی موافقت
نفس کا تو ٹھیکہ نہیں لیا ہے حکمت کے اقتضار سے جیسا مناسب ہوگا شریعت
ویسا حکم کرے گی حکیم تو وہی ہے جو مرض کے مناسب نسخہ تجویز کرے نہ کہ
مریض کے نفس کے مناسب اور جو مریض کی مرضی کی رعایت کرے گا وہ
اسل میں طبیب نہیں ہے وہ فیس اٹھنے والا ہے جو کہ آپ کی مرضی کے

موافق نسخہ لکھ کر آپ کو خوش کر کے فیس لینا چاہتا ہے بہت لوگ علماء میں بھی ایسے ملیں گے کہ فیس لے کے مستفتی کی مرضی کے موافق فتویٰ لکھ دیتے ہیں۔ میں نے ایک ہزار روپیہ کا فتویٰ دیکھا جس میں سگی خوشدامن کا نکاح داماد سے حلال لکھا تھا آپ کو تعجب ہوتا ہوگا کہ قرآن میں جس کی حرمت کی تصریح ہو اس کی حلت کا فتویٰ کیسے لکھ دیا اور لوگوں نے اُسے مان کیسے لیا اجماع کمال تو جب ہی ہے کہ جب لوگ مان بھی لیں کیونکہ فتویٰ تو لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لئے حاصل کیا جاتا ہے جب اعتراض سے بچاؤ نہ ہو تو وہ فتویٰ ہی کیا ہوا اور پھر ہزار روپیہ کون دیتا ایسے فتوے لکھنے والے بڑے ذہین ہوتے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ ایک داماد ساس پر فریفتہ ہو گیا تو اس نے ایک مفتی سے کہا کہ کیا ترکیب کروں کہ اس سے نکاح کر سکوں اُس نے کہا ہزار روپیہ دو ترکیب میں بتا دوں گا چنانچہ اس نے ہزار روپے دیئے ہزار روپیہ لے کے اُس نے کیا ترکیب کی کہ یہ لکھا کہ ساس اس کو کہتے ہیں جو منکوحہ کی ماں ہو۔ پہلا مقدمہ منکوحہ اس کو کہتے ہیں جس کا نکاح شریعت کے موافق ہوا ہو۔ دوسرا مقدمہ عموماً عورتیں کلمات شرک و کفر اپنی زبان سے جاری کرتی ہیں جس سے مرتد ہو جاتی ہیں اور مرتدہ کا نکاح درست نہیں ہوتا اس لئے قبل نکاح تجارید ایمان ضروری ہے تیسرا مقدمہ یہ مشرکہ تھی کہ عادت کے موافق کلمات شرک کفر زبان پر لاتی تھی چوتھا مقدمہ۔ اور اسے تجارید ایمان نہیں کرانی گئی۔ پانچواں مقدمہ۔ لہذا شرعاً نکاح نہیں ہوا مشرکہ سے مومن کا نکاح نہیں ہوتا جب یہ منکوحہ نہ ہوئی اس کی ماں ساس بھی نہیں ہوتی۔ رہ گئی حرمت مصاہرت سو یہ ابو حنیفہ کی گھڑت ہے جو حریت کے خلاف ہے اس لئے حریت کے مقابلہ میں ہم ابو حنیفہ کا قول نہیں مانتے۔ اسے لیجئے بس وہ حرمت مصاہرت سے بھی بری ہو گئی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ اسی طرح میں نے اور طرح طرح کے فتوے دیکھے ہیں تو کیا یہ لوگ طبیب ہیں

صاحب طبیب تو وہی ہے جو اپنی مرضی کا نسخہ لکھے اور مریض کو اس کے پینے پر مجبور کرے چاہے فیس ملے یا نہ ملے اسی طرح بہت سی باتیں شریعت کی بھی جو آپ کے خلاف ہوں گی آپ کو ناگوار ہوں گی مثلاً کسی شخص کی عادت رشوت لینے کی ہے جب اُسے یہ معلوم ہوگا کہ رشوت لینا حرام ہے تو کس قدر ناگوار ہوگا کہ ہزار روپیہ کا نقصان ہو اگر اتفاق سے اسی لینے والے کو کہیں رشوت دینا پڑے تو اُس وقت اس قانون کی خوبی سمجھ میں آ جاوے اگر کوئی اس سو ہزار روپے رشوت کے لئے کے فتویٰ سنے اور واپس کر دے تب اسے کوئی پوچھے کہ شریعت کا حکم کیسا ہے یہ کہے گا کہ سبحان اللہ کیا کہنا ہو شریعت کا بھلا ایسے خود غرض کا کیا فیصلہ اپنی اغراض سے قطع نظر کر کے فیصلہ کرو تو ہم مانیں گے اس سے تو معلوم ہوا کہ محض غرض کے بندے ہو بلکہ اگر کوئی غرض سے بھی قطع نظر کرے اور وہ عقل سے اپنی مصالح کا فیصلہ کر لیا کری تو یہ فیصلہ بھی قابل اعتبار نہیں کیونکہ وحی کے آگے عقل کیا چیز ہو۔ غرض شریعت سے ناگواری کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کی خوبیاں دیکھنے کے لئے آنکھ نہیں ہے اگر آنکھ ہو تو معلوم ہو جائے کہ شریعت میں کہیں حق تعالیٰ نے اپنی غرض پوری نہیں کی ہے۔

مہر نہ کر دم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جو دے کنم

(میں نے مخلوق کو اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لئے نہیں بنا لیا بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس پر خود درگم کر لوں)

آپ کے مصالح کی ایسی رعایت کی ہو کہ شاید آپ خود بھی نہ کر سکتے۔ مثلاً شریعت نے یہ بتایا کہ پھل آنے سے پہلے باغ کی فصل بیچنا حرام ہوگی یہ فیصلہ بالکل باغ کو ناگوار ہوگا کہ پھل آنے سے پہلے تو باغ پانچ سو کو بکتا تھا اور پھل آئے اور کم آئے تو اڑھائی سو کو بیچنا پڑا لیکن خریدنے والے سے پوچھو کہ وہ شریعت سے کتنا خوش ہے کہ پانچ سو جس باغ کے دیتا تھا ڈھائی سو میں مل گیا اسی طرح ایک شخص نے ایک بیٹی اور ایک دور کا عصبہ چھوڑا ادھی میراث بیٹی کو ملے گی اور ادھی عصبہ کو اس میں بیٹی کو بڑا ناگوار ہوگا

میں ناس بیٹی اور میرے باپ کا مال یہ دور کا رشتہ دار اسے خواہ مخواہ دیر یا
مگر اس غصہ سے پوچھو تو وہ کہے گا سبحان اللہ شریعت میں حقائق کی کیا رعایت
ہے کہ دور دور کی قرابت کو بھی اس قدر مانا ہے تو اب ایک ہی حکم ہے مگر
دو آدمیوں میں سے اپنی اپنی اغراض کی وجہ سے ایک کو ناگوار ہو اور ایک
کو گوارا ہے اب ہم کس کے فیصلہ کو ان دونوں میں سے مانیں گے

تَرَكَتُ الْاَلَاتِ وَانْعَزَى جَمِيعًا كَذَلِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيرُ

یعنی لات اور عزی دونوں کو چھوڑ دیا ہم ان دونوں میں سے کسی کا فیصلہ
نہیں مانیں گے کیونکہ یہ دونوں خود غرض ہیں ہم تو وحی کا فیصلہ مانیں گے
کیونکہ وہاں شائبہ غرض کا نہیں ہے اس لئے وہی قابل اعتبار ہے وحی کا
فیصلہ یہ ہے کہ شریعت قانون عام ہے جو مصالح عامہ کی رعایت کرتا ہے
جیسے سرکاری قانون مثلاً سڑک پر پیشاب کرنا جرم ہے اب ایک شخص کو
زور کا پیشاب لگا وہ کہاں جائے وہاں تو یہ حکم ہے پیشاب مت کرو اور
یہاں موت نکلا جا رہا ہے تو وہ شخص کیا کہے گا کہ بڑی سختی کا قانون ہے کیا
یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پیشاب کی تو اجازت ہوتی مگر اس کی بدلہ سے بچنے
کے لئے کوئی ایسی دوا ڈال دی جاتی کہ دماغ بیس ہو جاتے اس لئے کسی کو
باربوزہ معلوم ہوتی بھلا کون اسے پسند کر لیتا کہ اس گھر کے مرنے کے
واسطے سب کو بچس بنا دے اسی طرح شریعت نے بھی مصالح عامہ کی رعایت
سے قانون بنایا ہے تم اس میں مصالح خاصہ اور وہ بھی نفسانیہ ڈھونڈتے
ہو۔ اور شریعت کا اپنا معلوم ہونا مصالح عامہ کی رعایت سے یہ تو حکما و
عقلا کی نظر میں ہے اور ایک نظر ہے عشق و محبت والے کی اس کو اس سے
اچھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دوست کا قانون ہے یہ حکما کی نظر سے بڑھ کر ہے
جیسے کوئی طوائف اپنے کسی عاشق سے یہ کہے کہ تم لنگوٹی بانا رکھو کہ ہم نرہن
کے بازار میں پھرو یہ اس سے نہیں پوچھے گا کہ بی اس میں تمہارا کیا فائدہ بلکہ

فوراً ادھر ادھر دوڑنے لگے گا اگر کوئی کہے بھی گدھے یہ کیا ہے تو وہ کہے گا
 قال الحداد لولود له تشقني : قال الوند انظرانی من یدفنی ایک شخص دیوار
 میں کیس ٹھونک رہا تھا تو دیوار نے کیس سے شکایت کی کہ میں نے کیا کیا جو
 میرے جگر کو شکافتہ کر رہی ہے کیس نے جواب دیا اس سے پوچھو جو مجھ کو ٹھونک
 رہا ہے۔ تو حکماء و عقلاء احکام کے لم کے درپے ہوں گے اور جو عاشق ہوگا
 وہ یہ کہے گا کہ حکمت اس سے پوچھو جس نے یہ قانون مقرر کیا ہے مجھ کو کچھ
 بحث نہیں بس مولوی صاحب کو یہی جواب اختیار کر لینا چاہئے ہے
 دس آئینہ طوطی صفتہ داشتہ اندر انچہ استاد ازل گنت بگو میگویم
 (مجھے پردہ کے پیچھے طوطے کی طرح رکھو۔ چھوڑا ہے مجھے جو استاد بہریتا تو وہی کہتا ہوں)

غرض یہی علماء کو بھی مناسب ہے میں ان کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر حکم و امر ار
 معلوم بھی ہوں تو پوچھنے پر تو ہرگز مت بتاؤ چاہے یہی گمان کریں کہ انھیں
 نہیں آتا۔ اور پوچھنے والے بھی خوب سمجھ لیں کہ جاننے والے بھی بہت ہیں
 مگر تمہارے غلام نہیں ہیں کہ تمہیں سب بتا دیا کریں جیسے طبیب کہ جانتا
 سب ہے کہ تین ماشہ گل بنفشہ کیوں لکھا اور چھ ماشہ گل گاؤزباں کیوں لکھا
 مگر کوئی مریض پوچھنے لگے تو وہ نہیں بتائے گا اگر وہ کہے کہ معلوم ہوتا ہے
 تمہیں طب نہیں آتی ہاں صاحب نہیں آتی پسند ہو پیو ورنہ مت پیو
 عارف شیرازی کہتے ہیں ہے

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس زنداں خبری نیست کہ نیست
 (مصلحت نہیں ہے کہ راز کو ظاہر کیا جائے ورنہ زندوں کی مجلس میں کوئی خبر ایسی نہیں کہ نہ معلوم ہی)

یعنی کوئی خبر ایسی نہیں ہے کہ ہمیں معلوم نہ ہو مگر ہم تمہارے کہنے سے نہیں
 بتاتے اور حقیقت میں مصلحت اور حکمت پوچھنے کی ضرورت ہی کیا محبوب
 حکم سمجھ کر کرنا چاہئے محبوب سمجھ کر اس کے حکم کی علت دریافت کرنا عشق
 کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جاؤ ہم عاشق ہی نہیں پھر ہم پر

و ظائفِ عشق بھی واجب نہیں تو صاحب تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے عشق تو
لو ازم ایمان سے ہے جب تم نے آمنا کہا تو عشقنا کا التزام بھی کر لیا جیسے کوئی
شخص کہے مجھ پر نان و نفقہ بی بی کا کیسے واجب ہو گیا میں نے تو اس کا التزام
نہیں کیا تھا صرف قبلت النکاح کہا تھا ہر شخص یہی کہے گا جب قبلت کہا
جب ہی شوہری کے حقوق کے ملتزم ہو گئے پس اسی طرح جب لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ کہا پس عاشق ہو گئے کیونکہ اس کلمہ سے مومن ہو گئے اور
مومن کے بارے میں ارشاد ہے ذَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدَّ حُبًّا لِلَّهِ جولوگ خدا تعالیٰ
پر ایمان لائے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں تو
تصدیق ایمان کے ساتھ ہی سارے کے سارے عاشق ہو گئے اب آپ عشق سے
انکار کریں تو کیا ہوتا ہے جب عاشق ہونا ثابت ہو گیا تو عشق کے حقوق ادا کرو
بس کان مت ہلاؤ اور سیدھے محبوب کے حکم پر چلتے رہو اگر کوئی اس انقیاد
کا قصہ کرے تو اول اول تو تکلف ہوتا ہے پھر اس کی عادت ہو جاتی ہے تو
اس کے ترک میں تکلف ہوتا ہے جس طرح دو عادت پڑنے سے غذا ہو جاتی ہے
اگر کوئی کہے کہ دو اکیونکر غذا ہو جاتی ہے تو میرے پاس اس کی لاجواب مثال
موجود ہے دیکھئے حضرت تمباکو سلمہ اللہ تعالیٰ کہ کوئی اس سے مشکل سے بچا ہو گا
کہیں اکلنا اور کہیں شربنا اس کا استعمال ہوا کرتا ہے شروع کرتے وقت کیسی
متلی ہوتی تھی کیسی اُبکائیاں آتی تھیں چکر آتا تھا مگر جب عادت پڑ جاتی ہے
تو پھر یہ جناب سب سے زیادہ مرغوب ہو جاتی ہے روزے میں سب کو تو
پانی اور شربت کی فکر ہوتی ہے مگر انھیں نہ پھلکیوں کی پروا نہ شربت کی
پروا نہ افطاری سے مطلب ارے بھئی حنہ دیدو ایک پان دیدو ایسی مکروہ
چیز کیسی محبوب ہو گئی اے اللہ تمباکو کی تو اتنی محبت اور شریعت کی اتنی
بھی نہیں ارے بھئی تمباکو ہی سمجھ لیا ہوتا تمباکو تو کیا ہوتا آخر کسی طرح بھارے
لوگوں کو سمجھاؤں بھی۔ اگر خمیرہ کا وزباں نہیں سمجھتے تو خمیرہ تمباکو ہی سمجھو۔

بہر حال اب یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ عادت ڈال لو تو دو ابھی غذا ہو جاتی ہے
 بعض بزرگوں کو کسی تکلیف کے وقت نماز کو اٹھنے میں ناک منہ چڑھاتے
 دیکھ کر اگر یہ مشہور ہو کہ عادت پڑ جانے کے بعد ان پر کیوں اثر ہے بات یہ
 ہے کہ ان کے دل پر اثر نہیں ہے صرف جسم پر ضعف کی وجہ سے اثر ہے اور
 دل میں نہایت خوش ہیں اس کی مثال بھی میرے پاس موجود ہے اور وہ
 نظیر حضرت تمباکو کے دوست مرح ہیں کہ ناک بہہ رہی ہو آلتسو جاری ہیں
 سی سی کر رہے ہیں مگر کھائے چلے جاتے ہیں کیوں صاحب اگر تکلیف ہے تو
 کیوں کھاتے ہو بات یہ ہے کہ تکلیف منہ کو ہے مگر زبان اور حلق کو تو مزہ
 آتا ہے اس لئے منہ کی تکلیف گوارا ہے تو اب سمجھ میں آ گیا لذت و الم دونوں
 ایک ہی وقت میں جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح امتثال امر محبوب میں گو بدن
 کو تکلیف ہو مگر دل اور روح شاد ہوں ہے اس عادت کا یہ اثر ہے کہ اگر
 ایک نماز بھی قضا ہو جائے گو بدن کو آرام ہلا کہ پڑے سوتے رہے مگر
 قلب کو جو تکلیف ہے اس کے آگے یہ آرام کچھ بھی نہیں حضرت مولانا فرماتے
 ہیں ۷

بردل سالک ہزاراں غم بود گرز باغِ دلِ خلا سے کم بود

(الشریعت کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں اگر دل کے باغ میں گنجائش کم ہوتی ہے)

یعنی اگر باغِ دل سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے اس وقت دیکھو ان کے
 غم کو پھر اس میں بھی دو درجے ہیں زاہد کو تو غم ہوتا ہے مطلقاً عمل فوت
 ہو جانے کا اور عارف کو غم ہوتا ہے باختیار خود فوت ہو جانے کا اور بلا
 اختیار فوت ہونے کا کچھ غم نہیں ہوتا کیونکہ دوست نے اس میں یوں ہی
 تصرف کیا مگر یہ بات تمام لوگوں کو سنانے کی نہیں کیونکہ یہ اگر قصداً بھی
 سو گئے اور نماز قضا کر دی تو حیلہ نکال لیں گے کہ محبوب کی یوں ہی مرضی
 تھی تو یہ مرضی مرض والوں کے لئے نہیں کیونکہ وہ خود مرضی (بفتح الراء)

ہیں یعنی مرض والے بہر حال تکلیف طبعی سے جسم کو پریشانی ہوتی ہو مگر روح کو نہیں ہوتی
بلکہ ان اعمال سے ایسی مناسبت ہو جاتی ہے کہ وہ غذائے روح بن جاتی ہیں کہ اگر وہ نہ
میں تو پریشانی ہوتی جو صرف شریعت میں کسی قدر تکلیف ہوتی ہو جیسے مشاہدہ کی پہلی مجاہدہ کہینہ ورت
ہے یا غذا سے پہلے دوا کی حاجت ہوتی ہے پھر تو دوا بھی غذا ہو جاتی ہے
تو حضرت ایسی چیز ہے شریعت جس سے ڈرتے ہیں لوگ حالانکہ اس میں ہمارے
کل مصالح دینیہ و دنیویہ کی تیر رعایت کی ہے اور ساری مصلحتوں کو برہہ کر
تو چین ہے جو بدون اتباع احکام شریعت نصیب ہی نہیں ہو سکتا اگر کوئی
شخص کہے کہ بدون اتباع احکام کے بھی چین نصیب ہو سکتا ہے کیونکہ چین
تو بقول تمہارے تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے پس اگر ہم ہر وقت خدا تعالیٰ
کو یاد کریں اور اتباع شریعت نہ کریں تو تعلق مع اللہ تو حاصل ہو گیا پس
چین سے رہیں گے تو خوب سمجھ لو کہ مطلق تعلق سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا
ایسے تعلق میں چین کا گمان بھی ہے فی الواقع اس میں بے چینی منعم ہے جو
مرنے کے بعد کھل جائے گی جیسے ایک ہندوستان میں آیا ایک
حلوانی کی دکان پر جا کے حلوا لیا اس نے دام ہائے یوہاں سے بھاگا وہ حلوانی
بھی پیچھے بھاگا جب وہ اتنا بھاگا کہ قریب تھا کہ پکڑ لے آپ نے وہ حلوا جوت
منہ میں رکھ لیا کہ جاؤ نہ ہمارا نہ تمہارا وہ پکڑ کے پولیس میں لے گیا تھانہ دار
کوئی رحمان تھے انھوں نے بجائے چالان کرنے کے یہ سزا دی کہ گھر پر سوار
کر کے اور اعلان کے لئے ڈھول کے ساتھ شہر سے باہر نکال دینے کی سزا دی
لونڈون نے جو اسے گھر پر سوار دیکھا تو وہ بھی تماشہ کے طور پر ساتھ ہوئے
یہ ہندوستان کی سیر سے فارغ ہو کر اپنے ملک پہنچے وہاں لوگوں نے
ان سے پوچھا کہ آغا ہندوستان رفتہ بودی چه طور ملک ست - ہندوستان
کیسا ملک ہے آپ نے کہا خوب ملک ست - بڑا اچھا ملک ہے پوچھا گیا
بچہ طور تو آپ فرماتے ہیں در ہندوستان حلوا خوردن مفت ست - حلوا

مذت کھانے میں آتا ہے۔ سواری خرمفت ست۔ گرھے کی سواری مفت ملتی ہے۔ ڈمٹم مفت ست۔ باجا مفت ملتا ہے۔ فوج طفلاں مفت ست۔ لڑکوں کی فوج مفت ملتی ہے۔ ہندوستان خوب مک ست تو جیسے ان حضرت کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حشم خرم عزت کا سامان تھا یا نہایت ذلت کی سزا تھی اسی طرح ان کو نہیں معلوم کہ یہ چین ہے یا بے چینی لیکن کہاں تک سے

سَوَفَ تَرَىٰ اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَابُ
اَقْرَسَ نَحْتِ رَجَبِثِ اَمَّ حِمَارِ

رجب شمار چھٹ جائے گا تو جبری معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گرھے پر

یعنی مرنے کے بعد فوراً پتہ چل جائے گا کہ تم نے اچھا کیا یا بُرا۔

جب حقیقت منکشف ہوگی اس وقت معلوم ہوگا کہ چین تھا یا بے چینی جیسے اس آغا کو جب ان سب باتوں کی حقیقت معلوم ہوئی ہوگی تو کس قدر شرمندہ ہوا ہوگا اسی طرح انہیں بھی مر کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ وہ لذت تھی یا بے لذتی غرض جو تعلق و نسبت مطلوب اور سرمایہ راحت ہے تو وہ ہے جو جانبین سے ہو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ان سے اللہ راضی ہوا وہ سب اللہ سے راضی ہوئے، وہ نسبت ہی نہیں جو صرف ایک ہی طرف سے ہو جیسے کسی شہر میں ایک پردیس طالب علم تھے ان کے دیس کے کوئی آدمی ان سے ملنے گئے انہوں نے پوچھا میاں طالب کس رنگ میں ہو کہنے لگے کہ شہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں پوچھا کیا سامان ہوا کہنے لگے ہاں ادھا کام تو ہو گیا ادھا باقی ہے پوچھا کس طرح کہنے لگے میں تو راضی ہوں مگر وہ راضی نہیں خوب ادھا ہو گیا تو یہ اُلوپن ہے اسی طرح بہت سے لوگ بزرگ خود صاحب نسبت ہیں جو ملکہ یا دواشت بہم پہنچا کر اپنے کو مقبول سمجھتے ہیں مگر اتباع شرع نہ ہونے کے سبب ان کے زعم کا حاصل یہ ہے کہ ہم تو راضی ہیں مگر اللہ میاں راضی نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ ان کے راضی ہونے کا معیار صرف احکام کا اتباع ہے اگر اسی حال میں موت آگئی تو سب کھل جائے گا کہ یہ تعلق ان کو

اتباع دین کا امر کرتے ہیں وہی عنوان آیت میں وارد ہو گیا جس سے صریحاً مدعا
علماء کا ثابت ہو گیا۔ اب یہ سمجھنا چاہئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو حکم ہوا اتباع شریعت کا تو اور کسی کا کیا منہ جو اپنے کو اس سے آزاد سمجھے
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ اور ان جاہلوں کی خواہشوں کا اتباع
نہ کیجئے سبحان اللہ کیا پاکیزہ طرز بیان ہے یہ نہیں فرمایا وَلَا تَتَّبِعْ غَيْرَهَا
کہ غیر شریعت کا اتباع نہ کیجئے بلکہ یوں فرمایا کہ جہلدار کی خواہشوں کا اتباع
نہ کیجئے اس میں یہ بتا دیا کہ جو شریعت کے مقابلہ میں ہوں وہ خواہشیں ہیں
وہ ہوائے نفسانی ہیں اس لئے وہ عمل کے قابل نہیں الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ
سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ قید احترازی ہے یعنی الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کی اہوا کا
اتباع جائز ہے بلکہ یہ قید واقعی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ واقع میں علماء
ہی نہیں ہیں جو شریعت کے مقابلہ میں اپنی خواہشیں پیش کرتے ہیں بلکہ وہ
تو جہلدار ہیں جیسے یوں کہتے ہیں کہ مفسدوں کے بہکانے میں نہ آنا تو اس کا
یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ غیر مفسدین کے بہکانے میں آجانا نہیں مطلب
یہی ہے کہ بہکانے والے سب کے سب مفسد ہوتے ہیں ان سے بچتے رہنا
اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو اور الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کا مفعول جو ذکر نہیں
فرمایا سبحان اللہ اس میں عجیب رعایت ہے اگر مفعول ذکر فرماتے تو وہ
امرا لین ہوتا تو ایک گونہ مصادرہ ہو جاتا کیونکہ امر دین ہی میں تو کلام
ہو رہا ہے تو اس صورت میں یہ حاصل ہوتا کہ غیر دین اس لئے مذموم ہے کہ
وہ اہوا ہے اور اہوا اس لئے مذموم ہے کہ وہ دین نہ جانتے والوں کا
فعل ہے اس لئے یہاں مطلق علم کی نفی کر دی کہ اہوا اس لئے مذموم ہے کہ
وہ ایسوں کا فعل ہے جو بالکل ہی جاہل ہیں یہ دعویٰ ہے کہ جو شخص شریعت
کا متبع نہ ہو وہ بالکل جاہل ہے اتنا بڑا ہے کہ سارا عالم اس میں مقابل
ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا یقین ہے کہ یہ ساری

دنیا کو جاہل بنانا اتنی پختی بات ہے کہ اس میں ذرا احتمال خلاف کا نہیں
 ورنہ آپ کو جھجھک ضرور ہوتی کہ کوئی مطالبہ نہ کر بیٹھے اور اس وقت گو
 ظاہر میں آپ نہیں تشریف رکھتے مگر آپ کا علم و فیض تو ہے جیسے آفتاب
 پر ابر آ جاوے تو آفتاب نظر سے پوشیدہ ہے مگر اُس کی روشنی تو بوجہ
 بلکہ چوندھوں کے لئے تو یہ ابر بھی رحمت ہے کہ براہ راست وہ اس کا
 تحمل نہ کر سکتے ایسی طرح یعنی لوگ ایسے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے زمانہ میں ہوتے تو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے عار
 کرتے اور اس سے حرود کفر میں پڑ جاتے تو اچھا ہوا کہ ابر آ گیا ورنہ
 ان چوندھوں کی بڑی مشکل ہوتی بہر حال اب وہ آفتاب کی روشنی
 ابر سے بھی چھن رہی ہے اس موقع پر میں مولانا کا یہ شعر پڑھتے پڑھتے
 رگ گیا وہ شعر یہ ہے

چونکہ شہ خورشید و مارا کرد داغ چارہ نبود در مقامش از چراغ
 یعنی آفتاب رخصت ہو گیا اور میں اسے اس لئے پسند نہیں کرتا کہ آفتاب
 رخصت نہیں ہوا وہ تو اب بھی درخشاں ہے طرف ابر کے نیچے چھپ
 گیا ہے بلکہ یہ شعر اس موقع پر مناسب ہے

ہنوز آل ابر رحمت در نشان ست خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

(اب بھی وہ ابر کرم در نشان جو خم اور خمخانہ مہر و نشان کے ساتھ موجود ہے)

اور مولانا نے وہ شعر کسی دوسرے موقع پر منسوخ فرمایا ہے۔ غرض حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم کے غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لینے والے اب بھی
 موجود ہیں جو اب بھی اس دعوے کو ثابت کرنے کو تیار رہیں کہ جو متبع
 شریعت نہ ہو وہ جاہل ہے اور میں خود تو دعویٰ نہیں کرتا مگر دین
 کے محاسن پر نظر کر کے کہتا ہوں کہ کوئی شخص کتنا ہی برا ماقل ہو مگر
 عالم نہ ہو اور نہ کسی عالم محقق کی صحبت میں رہا ہو اس کو کسی محقق کی

صحبت میں چھ مہینے کے لئے بھیج دو خرا کی قسم اس چھ مہینے میں وہ محقق یہ ثابت کر دے گا اور اس عاقل کی زبان سے اقرار کرالے گا کہ میں احمق ہوں اور اس وقت قسم سے زیادہ اور کسی ذریعہ سے یقین نہیں دلا سکتا اگر اس سے زیادہ دلیل کو جی چاہے تجربہ کر لو کہ چھ مہینے کی سخت لو پھڑ محقق کا پتہ ہم سے پوچھو اس وقت دیکھ لو گے کہ یہ شخص آئے گا تو اپنے کو عاقل کہتا ہوا مگر جائے گا یہ کہتا ہوا کہ میں احمق ہوں نہیں بلکہ احمق تھا کیونکہ اب تو اس محقق کی برکت سے عقل آ جاوے گی تب معلوم ہو گا کہ **أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ** کا مار لوں کیسا یقینی ہے کہ جو چیز شریعت کے مقابلہ میں ہے وہ بہل ہے میں حالانکہ کچھ بھی نہیں مگر جو نیپور کے ایک شاعر صاحب میرے یہاں آئے جو غزنی تہذیب سے آراستہ تھے میں تو ادنیٰ سے ادنیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ ہوں اسی طرح دس بیس دفعہ ادنیٰ کی اضافت ادنیٰ کی طرف کی جائے بہر حال میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر چند روز رہنے کے بعد جب وہ واپس گئے تو وہاں جا کے انھوں نے ایک رسالہ لکھا اس میں یہ بھی لکھا تھا عمر بھر جسے ہم تہذیب سمجھا کے وہاں جا کر یہ معلوم ہوا کہ وہ تہذیب ہی نہیں تھی خیر وہ تو مر گئے ایک اور دہلی کے طبیب بھی آئے چند روز یہاں رہنے سے وہ بھی یہ کہنے لگے کہ جن کو ہم اب تک کمالات سمجھتے تھے سارے نقائص نکلے اور جنھیں بہتر سمجھتے تھے وہ سب غیوب تھے تو اس وقت اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں اگر شبہ ہو تجربہ کر لیجئے اس لئے فرمایا **أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ** جاہلوں کا اتباع نہ کیجئے اور یہاں اتباع شریعت کے متعلق ایک نکتہ ہے جسے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید رہنے میں ہے اور اطلاق مضر ہے کیونکہ اطمینان اور چین بدون تقیید

کے نہیں ہوتا مثلاً ہم نے یہ ارادہ کر لیا کہ جب بیمار ہوں گے ہم فدا کرنے کے طبیب کا علاج کریں گے تو اطمینان ہے کہ طبیب موجود ہے بیماری کا خوف نہیں ہوگا اور نہ بیماری کے وقت سوچنا پڑے گا کہ کس کا علاج کریں اور اگر تقیید نہیں ہے مثلاً ہم کسی خاص طبیب کے پابند نہیں اگر آج ذرا سا تغیر پیش آیا ایک طبیب سے رجوع کیا دوسرا تغیر پیش آیا دوسرے سے رجوع کر لیا تیسرا پیش آیا تیسرے سے رجوع کر لیا تو اس میں دل کو چین نہیں ہوگا اور ہر وقت یہ فکر رہے گی کہ اب کی تغیر میں کس طبیب سے رجوع کریں گے غرض تقیید سے اطمینان حاصل ہوتا ہے چاہے وہ طبیب دانشمند بھی نہ ہو مگر تمہارے نفس کو تو اطمینان ہو جائے گا اور اگر وہ تقیید حقائق کے موافق ہو تو سبحان اللہ کیا کہنا ہے اگر شریعت کا علم و حکمت کے موافق ہونے کا بھی دعویٰ نہ ہوتا جیسا کہ مدلول ہے وَلَا تَتَّبِعِ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کا تب بھی اتباع شریعت کا امر حکیمانہ ہوتا اور اب تو جبکہ شریعت کا علم و حکمت کے موافق ہونا ثابت کر دیا گیا تو اس اتباع کا ضروری و مصلحت و موجب طمانیت ہونا اور بھی ثابت ہو گیا آگے وعید ہے اِنَّهُمْ لَنْ يُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے یعنی گو یہ آج مددگار بننے کا دعویٰ کرتے مگر خدا تعالیٰ کے یہاں ذرا کام نہیں آسکتے اس پر اہل حق کو تردد ہو سکتا تھا کہ اتباع کے بعد ہم تو اکیلے رہ گئے اس لئے فرماتے ہیں ذٰلِكَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَّ اللّٰهُ فِى الْمُنْتَعِيْنَ اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دوست ہے اہل تقویٰ کا اس سے تردد

رفع ہو گیا کہ اہل ابواء اگر ہم سے الگ ہو گئے تو کچھ پروا نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ تو ہمارے ساتھ ہے۔ آگے مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور شریعت میں جو صفتیں ہیں انہیں بتاتے ہیں هَذَا ابْصَارٌ لِلنَّاسِ وَهَدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ قرآن یا شریعت عام لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین لانے والوں کے لئے بڑی رحمت ہے لِهَذَا ابْصَارٌ بِصَاوِرٍ جمع بصیرت کی ہے بصیرت کہتے ہیں باطنی روشنی کو جسے بصر کہتے ہیں نگاہ یعنی ظاہری روشنی کو تو شریعت بصائر ہے یعنی باطن کو روشن کرنے والی ہدایت اور سر اپا ہدایت ہے کہ اس سے راستہ نظر آتا ہو اور مقصود تک پہنچا دیتی ہے ورحمة اور رحمت ہے جو کہ مقصود ہو۔ گو یا شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے یہاں پر ایک نکتہ ہے جو چند سال پہلے بھی ذہن میں آیا تھا مگر اسے بھول گیا تھا اس وقت پھر یاد آ گیا وہ نکتہ یہ ہے کہ راہ رو کو انہیں تین چیزوں کی ضرورت ہے جب آدمی مقصود تک جانا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک مقصود ہوتا ہے اور ایک طریق ہوتا ہے جس سے ذریعہ سے مقصود تک پہنچ سکتے ہیں اور ایک بصر یعنی نگاہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے راستہ نظر آوے حق تعالیٰ کے قربان جائیے کہ شریعت کو بتلاتے ہیں کہ یہ ایسا قانون ہے جو تینوں کو جمع کئے ہوئے ہے هَذَا ابْصَارٌ يَهْدِيكُمْ اَنْ تَكْبُرُوا بھی ہیں و ہدی اور راستہ بھی اسی کے ذریعہ سے طے ہوتا ہو ورحمة اور رحمت ہے یعنی مقصود بھی اسی سے حاصل ہوتا ہے سبحان اللہ بصیرت طریق مقصود تینوں اسی ایک شریعت میں ہیں۔ اب رہا یہ کہ بصائر کو جمع کیوں لائے اور ہدی ورحمة کو مفرد کیوں لائے اس میں نکتہ یہ ہے راستہ چلنے والے تو بہت ہوتے ہیں اور سب

کی آنکھیں الگ الگ ہوتی ہیں اس لئے اس کو جمع لائے اور راستہ ایک ہی ہوتا ہے اور مقصود بھی سب کا ایک ہی ہوتا ہے وہاں مفرد لائے۔ پھر آگے فرماتے ہیں یہ کہ رحمت تو ہے مگر ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ لغوم یوقنون یقین کرنے والوں کے لئے۔ یقین کے دو درجے ہیں ایک تقلیدی اور ایک تحقیقی۔ تقلیدی تو یہ کہ احکام کو بلا دلیل مان لو پھر ان احکام کی برکت سے تحقیقی یقین ہو جائے گا جیسے شروع میں الف بے کہ محض اُستاد کی تقلید سے مان لیتے ہو اس کے بعد اسی تقلید کی بدولت بڑے بڑے علوم کے محقق بن جاتے ہو اگر شروع ہی میں یہ پوچھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ الف ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ جاہل ہی رہو گے اس لئے پہلے کسی محقق کی تقلید کرو پہلے ہی سے محقق بننے کی کوشش مت کرو

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شومی تاراہ میں نہ باشی کے راہ بر شومی

(اے جاہل کوشش کر کے صاحب علم ہو جا۔ راستہ دیکھنے کے بجائے راستہ دکھلا دالا ہو جا)

اور طریقہ محقق بننے کا یہی ہے کہ پہلے تقلید کرو

دیکتب حقائق پیش ادیب عشق بال لے پسر بکوش کہ روز مود شومی

آج یہ چاہتے ہیں کہ پہلے ہی سے ابا جان بن جائیں ابھی ماں کا دودھ بھی نہیں چھوٹا مگر باوا بننے کا شوق ہے اجی پہلے باوا تو بن لو یعنی چار پانی کے پایہ کی برابر تو ہو لو پھر باوا بننا ابھی تو پسر ہو خوب پسر پسر کے سویا کرو جب بڑے ہو گے تب باوا بھی بن جاؤ گے۔ ہیں تو جاہل کندہ نا تراشش مگر یہ ضرور پوچھیں گے کہ کیوں صاحب اس حکم میں کیا راز ہے اور اس کی کیا حکمت ہے میاں پہلے کام تو شروع کرو پھر خود معلوم ہو جائے گا۔ کوئی بادشاہ کے پاس جاتے ہی یہ کہنے لگے کہ میں آپ کے خزانہ کی پرتال کروں گا ذرا کنجیاں

دے دیجئے تو وہاں سے ظاہر ہے کہ نکال دیا جائے گا اگر خزانہ دیکھنا ہے تو پہلے بادشاہ کی خدمت کرو ممکن ہے کہ وہ خوش ہو کے خود کہیں جاوے اور اسے ہمارے خزانے دکھلاو اسی طرح یہ امر ہے جو خزانہ ربی ہیں یہ درخواست سے نہیں معلوم ہوتے بلکہ اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں۔

یعنی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معیار و اوستا

تم کو بلا معین و استاد کے اور بغیر کتاب کے انبیاء کرام جیسے علوم حاصل ہوتے۔

جب وہ خوش ہوں گے تو وہ علوم عطا کریں گے جو نہ کتابوں سے حاصل ہو سکتے تھے نہ استادوں سے بہر حال یقین کے دو درجے ہیں ایک یہ کہ تقلید سے یقین حاصل کیا جائے اور ایک یہ کہ تحقیق سے اور جو یقین ابتدا میں تقلید سے حاصل ہو گا وہ انتہا میں تحقیق ہو جائیگا خلاصہ تمام بیان کا یہ ہے کہ ہم میں اتباع شریعت کی بی رکنی ہے اس کا تدارک کرو اور جو کام کرو پہلے عالم شریعت سے تحقیق کر لو مگر تحقیق ایسے سے کرو جو سچی بات بتلاوے اور جو خود اپنی خواہش نفسانی کو شریعت کے اندر مٹھونے اور زبردستی غیر دین کو مصالح اور پالیسی کی وجہ سے دین بناوے وہ واقع میں عالم ہی نہیں وہ تو جاہل ہے اس سے مت پوچھو ورنہ وہ اپنے ساتھ تمہیں بھی گمراہ کرے گا اگر کہو کہاں ہے جو سچی بات بتلاوے تو ڈھونڈو ڈھونڈتے سے سب مل جاتا ہے طبیب کیسے مل جاتا ہے اسی طرح سچا صاحب شریعت عالم بھی مل سکتا ہے بہر حال جو کام کرو پہلے استفادہ کرو اور جو عالم ہیں انہیں چاہئے کہ قرآن و حدیث پر عمل کریں اور جو عامی ہیں وہ علماء سے دریافت کر کے عمل کریں خواہ اس میں دنیا کا نفع ہو یا نقصان جب ایسا کرو گے تو پھر

چند روز میں دیکھو گے کہ خود بخود برکات ظاہر ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مصالح کو چھوڑو اور شریعت پر عمل کرو اگر کوئی کہے کہ یہ خلاصہ تو پہلے ہی بیان ہو سکتا تھا اس قدر تفصیل کی کیا ضرورت تھی تو بات یہ ہے کہ تفصیل سے بہت سی زائد باتیں بھی معلوم ہو گئیں اور مضمون کی دل میں وقعت بھی بڑھ گئی ورنہ محض خلاصہ سے اتنا دل نشین نہ ہوتا بہر حال خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم سب کو اتباع شریعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تمام شد

ملفوظات — کمالات اشرافیہ

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چودہ سو بیستیس ملفوظات وارشادات کا قابل قدر مجموعہ ان ملفوظات میں ایسے ایسے مسائل حل ہوئے ہیں کہ بڑی بڑی کتابوں اور بڑے بڑے عالم سے بھی حل ہونا مشکل ہے اس پر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت تھانوی کی مجلس خاص میں بیٹھے سن رہے ہیں۔ چنانچہ مشاہد ہے اور ہزاروں کا تجربہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و مواظبات پڑھنے والوں کی زندگی میں عظیم الشان تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور باطن کے دُغقہ جو لاجحل حل نہ ہو والے نظر آتے ہیں دفعہ کھل جاتے ہیں اور ایمان میں تازگی اور اعمال صالحہ کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے اپنے گناہوں اور غفلت کے تدارک کیلئے بہت آسان صورت نظر آنے لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کی امیدیں قوی تر ہوتی ہیں۔ یہ بات ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر طالب خود محسوس کرے گا۔

کتابت، طباعت، کاغذ بہت عمدہ ہے۔ مجلہ آئسٹ پلاسٹک کور

محمد عبد المتان

مکتبہ تھانوی متصل مسافر خانہ بندر وڈ کراچی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ ابْنِ أَوْيَةَ

رواه البخاری

وعظ

مسمی بہ

الاستغفار

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد الممنان

مکتبہ تھانوی، دفتر الابقار

متصل مسافر خانہ - بندر روڈ - کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعِظَ سَمِیْ بِهٖ

الاستغفار

اِشْتَات	اَلْمَسْتَعِیْنِ	مِنْ خَبِیْطِکَ	مِمَّ	مِنْ حِیْثَانِ	مَاذَا	سَرِیْفًا	کَمَّ	کَمَّ	اِیْنِ
متفرقات	سامعین کی تخمینہ تعداد	کس نے لکھا	کیوں ہوا	کس طبقہ کو یا کس مفید ہے	کیا مضمون تھا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	گنتا ہوا	کب ہوا	کہاں ہوا
ابراہیم کا اور عمار اور کون کا زیادہ مجمع تھا۔	۲۰۰	مجموعہ شیعہ و سنی و دیگر	سہا بیور اتفاقا جا ہوا تو کئی دشمن استیہ ہوئے	ہر طبقہ کو مفید ہے	استغفار کی ضرورت	بیٹھ کر	دوڑھ گھنٹہ	۱۱ صفر ۱۲۳۵ھ	جانب شامی بہار ان پور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُكَ وَنَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَتَوَكَّلُ بِكَ وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرٍ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِيْهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضِلِّهِ اللهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ سَيِّدَنَا وَوَلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى اٰلِهِ وَآصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ يَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلَى قُوَّةِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا جُرْحِمِيْنَ
 (اے میری قوم تم اپنے گناہ (کفر و شرک وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ (یعنی ایمان لاؤ) پھر ایمان لا کر) اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارش برساوے گا اور (ایمان و عمل کی برکت سے) تم کو اور قوت دیکر تمہاری (موجودہ) قوت میں ترقی کر دینگا (پس ایمان لے آؤ) اور مجرم رہ کر (ایسا)

اعراض مت کر ۱۲) اِس آیت کریمہ کا مضمون ہو د علیہ السلام کا خطاب ہے اپنی قوم کو حق تعالیٰ نے اِس مقام پر اِس کو نقل فرمایا ہے۔ اِس آیت کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ہر چند کہ ہماری ہر حالت ایک زیادہ ایسی ہی ضروری ہے کہ اِس کے متعلق بیان کیا جاوے تاہم بعض حالت کا اقتضار یہ ہوتا ہے کہ اِس کے اشتراک اور عموم کی وجہ سے مناسب سمجھا جاتا ہے کہ اِس کے متعلق اہم سمجھ کر بیان کیا جاوے اِس وقت مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کہ کم و بیش سب پریشانی میں مبتلا ہیں مناسب معلوم ہوا کہ اِس مضمون کو اختیار کیا جاوے کہ اِس میں معالجہ ہے تمام پریشانیوں کا ترجمہ سے معلوم ہوگا کہ وہ کیا مضمون ہے اور نیز معلوم ہو جائے گا کہ اِس کی ضرورت ہے۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ حضرت ہو د علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں يَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ اِنَّهم يَبِئسَ عاقلین ما کانوا (یہاں پر شبہ نہ کیا جاوے کہ ہم لوگ تو اُمتِ محمدیہ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} ہیں ہم کو ہو د علیہ السلام کا ارشاد سنانے سے کیا فائدہ اِس لئے کہ یہ مسلم ہے کہ اُمم سابقہ کے احکام بلا انکار اگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو سناویں تو وہ ہمارے لئے بھی حجت ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اصول یعنی عقائد اور اخلاق حمیدہ کے مامور یہ ہونے میں سب انبیاء کا ایک مشرب ہے اِس میں کسی نبی کا اختلاف نہیں مثلاً توحید رسالت کا اعتقاد ظلم کا بُرا ہونا، عدل کا مستحسن ہونا، سچ بولنا یہ بالاتفاق مسلم ہیں اِسی فہم میں سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا بھی ہے جس کا اِس آیت میں بیان ہے پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اِس ارشاد کی نقل کے بعد انکار نہیں فرمایا اور نیز یہ ان اعمال سے ہے کہ جن کا مامور یہ ہونا تمام شرائع میں یکساں رہا ہے تو لا محالہ ہم بھی اِس کے ضرور

مجموعہ وصورت بیان

۱۵

اہم سابقہ کو خطبات الہی ہمارے لئے بھی حجت ہیں

مخاطب ہوں گے۔ رہی یہ بات کہ اگر اس مضمون کو بیان ہی کرنا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نقل کر دیا جاتا حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد کیوں نقل کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کا ارشاد نقل کرنے میں ایک خاص مصلحت ہے وہ یہ کہ آپ صاحبوں کو معلوم ہو جاوے کہ یہ مضمون بہت ہی اہتمام کے قابل ہے اس لئے کہ قوم عاد بہت پرانی قوم ہے پس جبکہ وہ بھی اس مضمون کے مخاطب ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات کوئی نئی نہیں ہے بلکہ یہ وہ بات ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء اپنی اپنی قوم کو کہتے آئے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو ارشاد فرماتے ہیں اے میری قوم اپنے رب سے مغفرت مانگو پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ خلاصہ ارشاد کا اصلاح کے دو درجے ہیں اول اپنے گناہ معاف کرانا اُس کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف طاعت کے ساتھ متوجہ ہونا اس پر کیا ثمرہ مرتب ہوگا یوسل السَّمَاءُ یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ کا ثمرہ دنیا میں تم کو یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر بارش بھیجیں گے اور تمہاری قوت موجودہ کے اندر اور قوت بڑھائیں گے قوم عاد قوت کے اندر مشہور ہیں آگے ارشاد ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے روگردانی مت کرو جرم کرتے ہوئے۔ یہ آیت کا ترجمہ ہوا ترجمہ سے مضمون کی اجمالی تعین ہوگئی ہوگی کہ اس کے دو جز ہیں اول مغفرت مانگنا دوسرے طاعت کی طرف رجوع کرنا خلاصہ حاصل یہ ہے کہ آیت میں دو امور بہ ہیں استغفار اور رجوع الی اللہ اور دو اس کے ثمرے ہیں بارش ہونا اور قوت بڑھ جانا اور کمزوری اور ضعف کا جاتا رہنا اور ایک منہی عنہ ہے وہ مجرم ہو کر اعراض کرتا ہے۔ ہود علیہ السلام نے جو اس میں فرمایا باعتبار مقصود ایراد کے یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا ہم کو ارشاد ہے گویا اللہ تعالیٰ ہم کو

ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر تم کو کسی قسم کی شکایت قحط کی یا کمزوری یا
 ادب یا تنزیل کی ہو تو اس کی تدبیر اور اس کا علاج وہ ہے جو ہم نے
 بتلایا ہے اور وہ نہیں ہے جو تم نے اختیار کیا ہے یہ حاصل ہے اس
 مقام کا ترجمہ سے مضمون کی تعین اور حاصل سے اس کی ضرورت کا
 علم ہو گیا ہو گا کہ اس مضمون کی کیا ضرورت ہے تفصیل اس اجمال کی
 یہ ہے کہ مسلمانوں کو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ پریشانی ہیں اور یوں تو
 ہر شخص کو خاص خاص پریشانیاں ہیں مگر ایک عام پریشانی اور مشترک
 مدید شکایت تو تنزیل اور پستی کی ہے کہ یہ پرانی شکایت ہے دوسری
 جدید پریشانی قحط اور قلت باراں کی ہے یہ دو پریشانیاں اس وقت
 ہم سب کو عام ہیں اس لئے ان کا انتظام ضروری ہے کیونکہ انسان
 کو جو مصیبت لاحق ہوتی ہے عقل اس کو مقتضی ہے کہ اس کی تدبیر کرے
 اور تدبیر بھی وہ جو صحیح تدبیر ہے ہمارے بھائیوں کی یہ حالت ہے کہ
 بعض تو ان میں سے ایسے جواں مرد ہیں کہ تدبیر کی پرواہ ہی نہیں
 کرتے اور بعض جو کچھ کرتے بھی ہیں وہ اٹلی تدبیر کرتے ہیں پس یہ کہنا
 صحیح ہے کہ بالکل تدبیر کرتے ہی نہیں چنانچہ بعض تو صرف یہ کرتے ہیں کہ
 بس شکایت کرتے ہیں کوئی تو کہتا ہے کہ ایسا ایسی خشکی ہوئی ہو کہ
 مویشیوں کو چارہ تک نہیں ملتا ہے بھوکے مر رہے ہیں کوئی کہتا ہے
 اس فصل میں بارش نہ ہوئی تو گرانی بہت زیادہ ہو جائے گی جو
 ذرا دیندار ہیں وہ کہتے ہیں کہ میاں یہ سب ہماری شامت اعمال ہے
 مگر اصلاح وہ بھی نہیں کرتے جو اصطلاح جدید ذرا مہذب ہیں وہ ترقی
 و تنزیل پر لکچر دیتے ہیں کوئی بیماری کی شکایت کرتا ہے میرے پاس
 بھی خطوط آتے ہیں کہ بعض جگہ بیماری شروع ہو گئی ہو کوئی کہتا ہے کہ
 خیر بھائی ہمارے یہاں تو امن ہے تو گویا بالکل بیفکر ہی ہو گئے یہ اور

استغفار کے مضمون کی ضرورت

۲۱

ہمارے بھائی معصوم کی زری شکایت کرتے ہیں تدبیر نہیں کرتے

بھی غضب ہے یا درکھو کہ جیسے تمہارے یہاں بیماری ہونا اندیشہ ناک ہو
 اسی طرح تمہارے آس پاس ہونا یہ بھی خوفناک ہے اللہ تعالیٰ نے کفار
 کو ان دونوں سے خوف دلایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَا يَذَّالُ الَّذِينَ كَفَرُوا
 ذُجَيْبُهُمْ بِهِ، اصْنَعُوا قَارِعَةً اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِنْ دَارِهِمْ (اور یہ دیکھ کے، کافر تو ہمیشہ
 آئے دن، اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے در، کرداروں کے سبب ان پر کوئی حادثہ پڑتا رہتا
 ہے یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے) پس ہمارے شہر میں بیماری کا جیسے
 خوفناک ہے اسی طرح ہمارے ضلع میں ہونا یا بیماری کمشنری میں ہونا
 یا ہمارے ملک میں ہونا بھی خطرناک اور فکر کی بات ہے عرض دو
 شکایتیں اس وقت غالب ہیں ایک بیماری و قحط وغیرہ کی اور دوسری
 قوم کے ذلیل اور روز بروز کمزور ہوتے جانے کی اور باقی خاص خاص
 شکایتیں یا خاص خاص بیماریوں کی شکایتیں وہ تو معمولی طور پر رہتی
 ہی ہیں مگر اس وقت غالب اور مشترک آفات کے متعلق عرض کرتا
 ہوں اور مجکو اس میں دو جماعتوں کی شکایت ہے اول شکایت تو
 عام لوگوں کی ہے اور دوسری مہذب لوگوں کی ہے جو کہ بیار مغز
 کہلاتے ہیں سو میں کہتا ہوں کہ یہ پریشانیاں سب صحیحہ اور واقعی ہیں
 لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی کوئی تدبیر بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو میں
 مطلق تدبیر کے متعلق پوچھتا ہوں کہ کس چیز کی ارجح و النفع تدبیر کونسی
 ہوتی ہے آیا وہ تدبیر جو عقلاً محض استدلال سے تجویز کریں یا وہ جو
 کوئی تجربہ کار بعد تجربہ کے تجویز کرے سو بڑا فرق ہے عاقل کی تجویز
 اور تجربہ کار کی تجویز میں چنانچہ مثل ہے سَلِّ الْعَجْرَبَ وَلَا تَسْئَلِ الْحَكِيْمَ
 (تجربہ کار سے دریافت کرو عاقل سے مت پوچھو) عاقل کی تجویز تو محض تخمینی رائے
 کی طرف مستند ہوتی ہے اور تجربہ کار کی تجویز تکرار مشاہدہ سے ناشی
 ہوتی ہے اور ثانی کی ترجیح اول پر ظاہر ہے پس جبکہ تجربہ کار کا علم

حالانکہ وہ بھی استرالی ہے حکیم کے علم پر ترجیح دیا جاتا ہو تو عالم الغیب
والشہادۃ کا علم کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا اور اس سوال کے جواب میں
یوں کیوں نہیں کہا جاتا کہ حق تعالیٰ سے اس کی تدبیر پوچھو خاص سرکار
جو عالم اور حکیم سب کچھ ہیں اگر کسی مرض کا نسخہ عطا فرمادیں تو کیوں اس کو
استعمال نہیں کیا جاتا اس دوا سے بڑھ کر اور کون سی دوا ہوگی جو مرض
اور دوا کے خالق سے عطا ہو عقلاء اور اہل الرائے تو محض تخمین اور
رائے اور قیاس ہی سے کہتے ہیں کہ اس مرض کی یہ دوا ہے مثلاً طاعون
ہی ہے اس کی دوائیں اور تدبیریں محض ظنی ہیں ان کی نافعیت کا اور
ان کے استعمال کرنے کا مخالف نہیں ہوں یہ اطباء کی ہی عادت ہو کہ
جس طبیب کا علاج کرو دوسرا نسخہ پینا اس کے نزدیک جائز نہیں
اور حق تعالیٰ کو یہ حق باہر ہے اولیٰ حاصل تھا کہ وہ یہ فرمادیتے کہ جو
ہم نے دوا اور تدبیر بتلائی ہے اس کو ہی استعمال کرو خصوصاً اس صوۃ
۲۳۷ میں جبکہ تدبیر صحیحہ کا انحصار بھی اسی میں ہے لیکن ان کی یہ رحمت ہے
کہ اور تدبیروں کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا اس لئے میں تدبیر ظنیہ
مجوزہ عقلاء کا مخالف نہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ صرف تدبیر ظاہری
اور طب کے ایسے پیچھے کیوں پڑے ہو کہ صحیحہ تدبیر اور سچی طب کو بالکل
ہی بھول گئے

چند خوانی حکمت یونانیاں	حکمت ایمانیاں راہم بدال
صحت این حس بچونید از طبیب	صحت آل حس بچونید از حبیب
صحت این حس ز معموری تن	صحت آل حس ز تخریب بدن

یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے کچھ دن حکمت ایمانی یعنی معرفت کی
تو پڑھو ۶ حس جسمانی کو درست کرنا چاہتے ہو تو طبیب سے رجوع کرو اور اگر حس
روحانی کو ترقی منظور ہو تو مرشد کامل سے رجوع کرو ۶ حس جسمانی سے تو بدن کی

درستی ہوتی ہے اور جس روحانی کی صحت بدن کی تخریب سے ہوتی ہے۔

پس جو طب حکیم حقیقی نے ارشاد فرمائی ہے بالکل کافی ہے لیکن باوجود اس کے یہ بھی اجازت دیدی ہے کہ اور نسخہ بھی پیو تو حرج نہیں بلکہ ترغیب دی ہے تَدَاوُدُ اَعْبَادَ اللّٰهِ (اللہ کے بندوں سے علاج کراؤ) جس کی حقیقت اہل اللہ و مرَبِّیانِ قلبیے سمجھی چنانچہ انہوں نے ترکِ اسباب کو علی الاطلاق جائز نہیں رکھا یہاں سے وہ شبہ بھی رفع ہو گیا جو کہ بہت لوگ ناتمام باتیں سن کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ مولوی تو چاہتے ہیں کہ دنیا کے کاروبار ترک کر کے مسجد کے کونہ میں تسبیح لیکر بیٹھ جاویں حاشا و کلام مولویوں کا مقصود ہرگز نہیں بلکہ تم اگر ایسا کرو بھی تو وہ تم کو روک دیں کیونکہ آدمی بالطبع اسباب ظاہرہ کا خوگر بنایا گیا ہے پس اگر اسباب کو ترک کر لیا تو اس کی جمعیت و سکون میں ضرور فرق پڑے گا اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک طبیب کا بل ہے اس کو مریض کے حال پر بہت عنایت اور شفقت ہے اس نے مریض کو نسخہ لکھ کر دیا لیکن وہ طبیب یہ بھی جانتا ہو کہ اس مریض کو ضعف اور توہم کی وجہ سے اس پر قناعت نہ ہوگی اور اسکو خیال رہے گا کہ فلاں دوا اگر پیتا تو جلدی کامیاب ہو جاتا اور یہ اس کی دُھن اور اُدھیڑ بن ممکن ہے کہ اس حالت تک ہو کہ اصلی دوا سے بھی اعراض کرے اس لئے وہ براہ عنایت اس کی تسلی کے واسطے کہہ دیتا ہو کہ دوا تو اس مرض کی یہی ہے جو ہم نے بتلائی ہے لیکن اگر تم کوئی اور دوا بھی پیو تو تم کو اختیار ہے تو اس مریض کو اگرچہ شفا اور صحت تو اسی ماقادہ اور صحیح نسخہ سے ہوگی اور مریض خواہ کچھ سمجھے لیکن طبیب کو چونکہ شفقت اور محبت ہے وہ اپنا نام بھی کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا مقصود تو یہ ہے کہ اس کو صحت ہو جائے۔ وہی مثل ہے کہ کام تو کسی کا اور نام کسی کا ہے

ترک اسباب علی الاطلاق جائز نہیں

۲۴

کار زلف توست مشکا نشانی اما عاشق

مصلحت را تہمت بر آہوئے چہیں بستہ اند
 (مشک نشانی تیری زلفوں کا کام ہے لیکن مصلحتاً عاشق نے چین کے ہرنوں پر الزام لگا دیا ہے)
 پس اسی طرح حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ ہمارے بندے کسی طرح اچھے
 ہو جائیں چاہے وہ حکیم جی ہی کا نام کر دیں اور ان کو پریشانی نہ ہو پس
 یہ وجہ ہے کہ ترک اسباب کو منع کر دیا ورنہ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ
 إِلَّا عَلَى اللَّهِ يَرْزُقُهَا (اور کوئی روزی کھانے والا جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں
 کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) کا مقتضی تو یہ تھا کہ سب اسباب ترک کر دیتے
 اور تجارت زراعت نوکری صنعت یک لخت چھوڑ دیتے ہاں اقویاً کو
 اجازت دی ہے کہ اگر تم ترک اسباب کرو تو جائز ہے بس لے کر انکو
 ترک اسباب سے اپنی قوت توکل کی وجہ سے پریشانی لاحق نہ ہوگی
 باقی ضعفار کو یہی حکم ہے کہ تائب کر و ایک صحابی کا قصہ ہے کہ اُن سے
 تخلف تبوک لغزش ہو گئی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی
 انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ
 یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمائی ہے اس کے
 شکر یہ میں میں چاہتا ہوں کہ اپنا سب مال تصدق کر دوں فرمایا نہیں
 سب مت دو کچھ رکھ لو انشائے قصہ سے اور نیز شریعت کے ہر حکم سے یہ بات
 روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ شریعت نے جذبات طبعیہ کی
 بڑی رعایت کی ہے اور اسلام کے سب احکام فطرت سلیمہ کے موافق
 ہیں حضرت حاجی صاحب سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ میں اپنی جائداد
 وقف کرنا چاہتی ہوں حضرت نے فرمایا کہ نہیں نہیں ایسا نہ کرو کچھ
 رکھ لو نفس کو کبھی پریشانی ہو جایا کرتی ہے پھر وہ پریشانی دین تک
 مقتضی ہوتی ہے حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ وہ زمانہ گیا کہ
 درہم و دینار رکھنا تقویٰ و توکل کے خلاف تھا اب تو اگر کسی کے

پاس کچھ مال ہو تو اس کو حفاظت سے رکھنا چاہئے کہ ہمت انسان جب مفلس ہوتا ہے تو اول اس کا دین ہی برباد ہوتا ہے بعض بزرگوں نے رزق ملنے کی عجیب طریقہ سے دعا میں مانگی ہیں چنانچہ ایک بزرگ نے دعا کی تھی کہ اے اللہ جو کچھ میری قسمت میں لکھا ہے ایک دم سے دیدو ارشاد ہوا کہ کیا ہم پر اطمینان نہیں عرض کیا کہ اطمینان کیوں نہیں شیطان مجھ کو بہکاتا ہے اور کہتا ہے کہ کہاں سے کھائے گا میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دیگا وہ کہتا ہے کہ یہ تو یقینی ہے کہ دیگا مگر یہ تو خیر نہیں کہ کب دیگا اس سے میں پریشان ہوتا ہوں آپ مجھ کو اگر ایک دم سے دیدیں گے تو میں کو مٹھری میں بند کر کے رکھ لوں گا جب شیطان کہیگا کہ کہاں سے کھائے گا میں کہہ دوں گا کہ اس کو مٹھری میں سے کھاؤں گا وہ اس میں کوئی شبہ نہ ڈال سکے گا اور پریشان نہ کر سکے گا یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلوک میں خاص کیفیات مثلاً باوجود مال نہ ہونے کے پریشانی نہ ہو سو یہ مطلوب نہیں اگر مال رکھ کر جمعیت اور تسلی ہو تو رکھے اور اگر خرچ کر کے اطمینان حاصل ہو تو خرچ کر دی بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر ان کی ہلاکت میں بہت سی چیزیں ہوں تو ان کا دل گھبراتا ہے بہر حال اس باب میں سے دوا دارو کی بھی اجازت ہے لیکن دوا کو موثر بالذات نہ سمجھے کہ بغیر اس کے شفا ہی نہ ہوگی بہت لوگ ہم نے دیکھے ہیں کہ دوا بالکل نہیں کرتے ہیں جلال آباد کے ایک رئیس نے گئے حکیم کو بلاتے گاڑی بھجے تھیں دیتے اور حکیم جی سے کہتے کہ آپ بلا تامل جتنے کا چاہیں نسخہ لکھئے دس کا بیس کا پچاس کا چنانچہ حکیم جی نسخہ لکھ دیتے ملازم کو دیتے کہ جاؤ بھائی دکھلاؤ عطار کو کہتے کا ہے عطار کہتا کہ پچیس روپیہ کا ہے کہتے لاؤ صندوقچی سے پچیس روپیہ گن کر دیتے کہ جاؤ خیرات کر دو مساکین کو میزری یہی دوا ہی چنانچہ جب یہ

عمل کرتے فوراً اچھے ہو جاتے ہمارے ایک دوست ہیں وہ بھی دوا نہیں کرتے اس مرتبہ وہ سخت بیمار ہوئے ہر چند ان کو سمجھایا گیا کہ علاج کرو مگر ایک نہ سنی آخر لوٹ پوٹ چند روز کے بعد اچھے خاصے ہو گئے معلوم ہوا کہ تدبیر حقیقی پر کفایت کرنا بالکل کافی ہے اگر کوئی کہے کہ اگر تدبیر حقیقی یہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعضے لوگ نرمی دوا سے اچھے ہو جاتے ہیں صاحبو! تم سمجھتے ہو کہ وہ اچھے ہو گئے وہ اچھے نہیں ہیں ایک بخار تو چلا گیا اس کو ایک بخار اور ہے جو اس کے لئے روح فرسا بن رہا ہو جس کا انجام ہلاک جسمانی ہی نہیں بلکہ ہلاک ابدی ہے ۴ صلی تدبیر طاعت ہی ہے اس کے ہوتے ہوئے دوا کی اجازت ہے پس جمع کرنا جائز اور نرمی طبعی تدبیر پر اکتفا کرنا ناجائز۔ ہم لوگ اسی میں مبتلا ہیں کہ اور تدبیر سب کرتے ہیں اور اصل تدبیر سے غافل ہیں سوطاعون کی تدبیر میں صفائی مکانات کی اور فنائیل ہی کافی نہیں ہے بلکہ دوسری صفائی بھی ضروری ہے اور یہ دوسری صفائی وہ نہیں جو بعضے بد مذاق لوگ سمجھتے ہیں یعنی وہ تعویذوں کو کافی سمجھتے ہیں کہ تعویذ دروازہ پر چسپاں کر دو طاعون تعویذ سے ڈر کر بھاگ جائے گا یہ ان سے بڑھ کر ہیں جو دوا پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ دوا کا کھانا اور استعمال کرنا بیماری زائل ہو جانے کی طبعی تدبیر تو ہے لیکن تعویذ کا چسپاں کرنا طاعون کے بھاگ جانے کے لئے تو اس درجہ کی طبعی تدبیر بھی نہیں اور نہ باطنی و حقیقی جیسا کہ اصلاح حالت تدبیر حقیقی ہے پس اس پر اتنا اعتقاد رکھنا بہت ہی عجیب ہے جتنا وہ لوگ رکھتے ہیں جو کہ تعویذوں کے معتقد ہیں یعنی ان کو شک ہی نہیں ہوتا گویا ایک پٹہ لکھو الیاء ہے صاحبو طاعون تو جب بھاگے جبکہ باہر سے آتا ہو طاعون تو گھر کے اندر موجود ہے باہر تعویذ لگانے سے کیا ہوتا ہے وہ طاعون کیا ہر معصیت

تدبیر حقیقی پر کفایت کرنا کافی ہے اور اس کے متعلق آیت ہے کہ جو اب

۲۷

یعنی بیماری کے لئے تعویذوں کو کافی سمجھتے ہیں

کیونکہ طاغون ہو یا کوئی اور مصیبت ہو اس کا اصلی سبب تو معصیت ہے پس جب معصیت بجا کہ رہے تو دشمن تو تمہارے گھر کے اندر ہے باہر کے انتظام سے کیا ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں سے

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود حیلہ فرعون زیں افسانہ بود

(درد ازہ بند کر لیا لیکن دشمن گھر کے اندر تھا۔ فرعون کا حیلہ محض افسانہ تھا۔)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ فرعون نے اپنے دشمن کو یعنی موسیٰ علیہ السلام کو گھر کے اندر رکھا اور ان کو پرورش کیا اور دشمنوں کا انتظام کرتا تھا صاحبو! لوگ باوجود اصلاح نہ کرنے کے جو تدبیر کر رہے یہ فرعون تدبیر ہے کہ خدا تعالیٰ کی تافرینی جو اصلی سبب ہے پریشانیوں کا اس کو چھوڑتے نہیں اور بالائی تدبیریں کرتے ہیں یاد رکھو جب تک کہ مرض کے اصلی سبب کا استعمال نہ کیا جاوے مرض نہ جائے گا پس جب تک کہ معصیت نہ چھوڑیں گے ان بلاؤں سے خلاصی نہیں ہو سکتی سو اس سبب کی طرف کسی کو التفات تک بھی نہیں آپ ہی بتلائیے فیصدی کتنے ایسے لوگ ہیں جن کو اس کا احساس ہو اور وہ تدبیر کرتے ہوں ہاں ظاہری تدبیریں کرتے ہیں لیکن اصلی تدبیر سے غفلت ہے اور یعنی کوئی تدبیر بھی نہیں کرتے دیکھئے آجکل بارش کی کمی ہے بتلائیے اس کے لئے کیا تدبیر کی ہے طاغون میں تو خیر کچھ کرتے بھی ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تدبیر کو منحصر سمجھ لیا ہے اپنی وہی اور ظنی تدبیروں اور اسباب میں اور طاغون کے کچھ ظاہری علاج بھی ہیں اس لئے اس کی تدبیر تو کر لی اور بارش برسے کا کوئی طریقہ کسی کو یاد نہیں اس لئے اُس سے عاجز ہیں بڑے بڑے مدبر اور عقلا۔ موجود ہیں لیکن کسی کی قدرت میں یہ بات نہیں کہ واقعی بارش برسائیں باقی ایک گندی بارش ایک تدبیر سے بھی ہو چکی ہے اُس کی نفی نہیں کرتا چنانچہ

سبب اصلی ہر بلا و مرض کا معصیت ہے

۲۸

اسک باران کے لئے کوئی تدبیر نہیں کرتا

ایک حکایت میں نے ایک کتاب میں دیکھی ہے کہ فرعون خدائی کا دعویٰ کیا کرتا تھا ایک سال بارش نہونی قحط ہو گیا لوگوں نے آکر شکایت کی کہ ہم لوگ قحط میں ہلاک ہو رہے ہیں تم کیسے خدا ہو بارش کیوں نہیں برساتے فرعون نے شیطان سے کہ کسی وقت اس سے دوستی ہو گئی تھی یہ سب قصہ کہا شیطان نے وعدہ کیا کہ کل بارش ہوگی چنانچہ اس نے سب شیطانوں کو جمع کر کے کہا کہ سب اوپر جا کر موتو چنانچہ بارش تو ہوئی لیکن بدبو کے مارے دماغ پھٹے پڑتے تھے فرعون نے پوچھا کہ یہ کیسی بارش شیطان نے کہا کہ احمق ہوا ہے جیسا تو خدائے باطل ہے ویسی ہی تیری بارش ہے اور جیسے وہ خدائے حقیقی ہیں اسی طرح کی ان کی بارش ہے اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ جہاں جہاں چاہے گا بارش ہو جائے گی تو یاد رکھو کہ اس سے بارش کا اس کے قبضہ میں ہونا لازم نہیں آتا یہ استدراج ہے اس کے چاہنے پر ابتلاء اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوگی اس کے معتقد سمجھیں گے کہ اس نے بارش کی ہے لیکن یہ مشبہ نہ کیا جاوے کہ اس میں تو تلبیس ہو جاوے گی جو اب یہ ہے کہ یہ دھوکہ کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا کہ جس کو پڑھا ان پڑھا سب پڑھ لیں گے اور دوسرے یہ کہ وہ کانا ہوگا اور حق تعالیٰ سب عیوب سے پاک ہیں لیکن باوجود اس کے بھی بھنے لوگ گمراہ ہو جاویں گے اور ان دونوں علامتوں کی تلبیس کر لیں گے میرے ایک استاد بیان فرماتے تھے کہ ایک مقام پر ایک اندھے نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا ساٹھ ساٹھ آدمی اس کے ساتھ ہو گئے ایک طالب علم نے اس سے کہا کہ اگر تم خدا ہو تو اپنی آنکھیں کیوں اچھی نہیں کر لیتے کہنے لگا کہ ہم اپنے بندوں کا (نعوذ باللہ) امتحان کرتے ہیں کہ دیکھیں کون ہماری تصدیق کرتا ہے اور تکذیب کرتا ہے غرض کہ

آنکھ مچھوٹی ہوتی اور ماتھے پر کافر لکھا ہوا اس سے زیادہ اور کیا دلیل اس کے بطلان کی ہوگی یہ تو ایک موٹی بات ہے دوسرے ایک باریک بات اس کے بطلان کے شناخت کی حدیث میں آئی ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس ظاہر بینائی سے اس کو دنیا میں دیکھو گے اور حق تعالیٰ کو دنیا میں ان آنکھوں سے کوئی دیکھ نہیں سکتا اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ خدا نہ ہوگا۔ ان دلائل کے ہوتے ہوئے بھی کوئی بگڑے تو بگڑے بہر حال بارش کے متعلق کوئی تاہیر بھی نہیں کرتے اور البتہ خالی شکایتیں کیا کرتے ہیں میاں کتنے دن ہو گئے بارش نہیں ہوئی قحط ہو گیا میں کہتا ہوں کہ اس کہنے سے کیا مقصود ہے کس کو سناتے ہو کیا یہ اللہ میاں اعتراض ہے یا اللہ میاں کو یا کسی آدمی کو صرف سنا رہے ہو آدمیوں کو سنانا تو ظاہر ہے کہ مقصود نہیں اس لئے کہ آدمی کچھ کر ہی نہیں سکتے اور اللہ تعالیٰ کو بھی صرف سنانا اور خبر دینا ہرگز مقصود نہیں اس لئے کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اب یہی شق رہی کہ یہ اعتراض ہے اور گویا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ امر خلاف حکمت ہے ایسا نہ کرنا چاہئے تو دیکھ لیجئے کہ حق تعالیٰ پر اعتراض کرنا کیا ہوتا ہے اگر قصداً ہی یہ اعتراض ہوتا تو میں اس کو کفر کہتا لیکن اب کہ قصداً نہیں ہے سبخت بے ادبی اور گستاخی ضرور کہوں گا مجھے تو واللہ ان کلمات سے سبخت و حشت ہوتی ہے ہاں اگر اس جملہ خبریہ سے یہ مقصود ہو کہ دعا کرو کہ بارش ہو تو دوسری بات ہے لیکن قرآن حالیہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مقصود نہیں اگر کہو کہ ہمارا تو کچھ بھی مقصود نہیں ہوتا یوں ہی ہانک دیتے ہیں تو اس صورت میں یہ لغو ہوا اور لغو سے بھی احتراز کرنا چاہئے حدیث میں ہے مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِكَ تَرْكُهُ قَالَ لَا يَعْزُبُهُ

بارش نہ ہونے اور دیگر مصائب عامہ کے متعلق
لنگر کے کلمات اور ان کا ذہن بکفر ہونا۔

۳۰

د آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی اور بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دے (غرض ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ فضول اور لغو میں تو مشغول ہیں اور جو اصلی اور صحیح تدبیر ہے اس سے عقلمندی ہے اور وہ تدبیر وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے یعنی استغفار اور رجوع الی اللہ واللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا) اگر کوئی شبہ کرے کہ یہ تدبیر بھی کی جاتی ہے چنانچہ دعائیں کرتے ہیں گناہوں سے توبہ کرتے ہیں مگر اس سے بھی کچھ نہیں ہوا تو صاحبو! جواب یہ ہو کہ خود آپ دیکھتے ہیں کہ یہ تدبیر کرنے والے بہت ہی کم ہیں تو یہ کیا تدبیر ہوئی کہ ایک نے تو تدبیر کی اور زیادہ اس کی ضد اور خلاف کریں یعنی ایسے اعمال کریں کہ الٹا اثر ہو اور اثر غالب ان ہی لوگوں کا ہوتا ہے جو زیادہ ہوں چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اَنْهَلَكَ وَفِينَا الصَّالِحُونَ (کیا ہاک کر دو گے حالانکہ ہمارے درمیان نیک آدمی بھی ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا نعم اذا کثرت الخبث پس جب زیادہ سو تدبیر کے مرتکب ہیں تو باوجود بعض قلیل کے تدبیر کرنے کے مصائب کا نزول کیا محل شبہ رہا باقی یہ بات کہ ان صلحار پر تو وہ مصیبت نہ آنا چاہئے سو بعض حکمتوں سے عاۃ اللہ یہ ہے کہ اس حالت میں دنیا میں جو مصیبت آتی ہے اس میں سب ہی شریک ہوتے ہیں ہاں آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے موافق محسوس ہوں گے اور دنیا میں بھی وہ شرکت ظاہری ہی ہوتی ہے ورنہ صلحار کے حق میں وہ مصیبت ظاہری حقیقت میں رحمت ہی ہوتی ہے سو بعض صلحار کے اعتبار سے تو یہ جواب ہے اور بعض صلحار کے اعتبار سے دوسرا جواب ہے وہ یہ کہ اس زمانہ کے بعض صلحار بھی منکرات کو دیکھتے دیکھتے مارہن ہو گئے ہیں اب جو لوگ علماء اور اتقیاء اور صلحار کہلاتے ہیں باستثنائے خواص اہل اللہ کے اکثر کی کیفیت یہ ہے کہ نافرمانی

کرنے والوں سے ان کو انقباض نہیں ہوتا بے تکلف میں جوں کھانا پینا شادی بیاہ مرنے جینے میں شرکت اہل معصیت کی کرتے ہیں میں نے سنا ہے کہ یہاں لوگ کوکین بہت کھاتے ہیں مگر کوئی ایک ہی شخص بتلا دیجئے کہ اُس نے اپنے کسی عزیز کو صرف اس وجہ سے چھوڑ دیا ہو کہ وہ کوکین کھاتا ہے برابر ملتے جلتے ہیں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں ہوتی اسی طرح ہر معصیت کو سمجھ لیجئے۔ حادثیث شریف میں امم سابقہ کے قصوں میں ایک قصہ وارد ہوا کہ جبرئیل کو ایک گاؤں کی نسبت حکم فرمایا کہ اس کو اُلٹ دو۔ عرض کیا کہ اے اللہ فیہا فلاں لَمْ یَعِصِ قَطُّ یعنی اس میں فلاں شخص ہے کہ اس نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ حکم ہوا کہ مع اس کے اُلٹ دو فَإِنَّهُ لَمْ یَمْعُرْ دَجَّةً فِی قَطُّ یعنی وہ ہماری نافرمانی دیکھتا تھا اور کبھی اس کے چہرے پر تغیر تک نہیں ہوا۔ دیکھو جو شخص باغیوں سے ملتا ہے وہ بھی باغی ہی شمار ہوتا ہے۔ ایام غدر میں جس نے باغیوں کو پناہ دی سرکار کے نزدیک وہ بھی مجرم شمار ہوا جس کے ہم وفادار ہوں گے تو یہ وفاداری کی بات نہیں ہے کہ اس کے دشمنوں سے ملیں۔ پس اگر صلح رکھیں ہیں بھی وہ بہت تھوڑے ہیں۔ زیادہ تعداد تو ایسے ہی لوگوں کی ہے جو نافرمانی میں مبتلا ہیں۔ ہاں کوئی یہ ثابت کرے کہ بستی کی بستی صالح ہو اور پھر وہاں بلائیں اور امراض اور قحط ہو سو یہ بہت مشکل ہے صلاحیت اور تقویٰ تو بڑی چیز ہے اُس کا تو اثر ہی دوسرا ہے برائے نام ہی کوئی تھوڑی دیر کے لئے حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر دیکھ لے کہ کیا رحمت ہوئی۔ دیکھو استغفار کی دو ہی رکعت ہیں جو بہت سے بہت دس منٹ میں ہو جاتی ہیں لیکن باستثنائے شاذ و نادر کے بہت کم ایسا ہوا ہے کہ موثر نہ ہوں۔ جب کبھی پڑھی گئی ہیں بارش ضرور ہوتی ہے کوئی رجوع ہو کر دیکھے تو۔ سند یہ ایک

تاکید امر بالمعروف مع ایک قصہ بزرگوار

۳۲

صلوۃ استغفار بکرت

مقام ہے وہاں ایک مرتبہ امساک باراں ہوا قحط ہو گیا۔ مخلوق بہت پریشان ہوئی۔ استسقا کی نماز کئی روز پڑھی گئی بارش نہ ہوئی وہاں کے روسا کے پاس بازاری عورتیں آئیں اور انھوں نے عرض کیا کہ صاحبو! یہ سب ہماری بد اعمالی کے نتیجے ہیں ہم تباہ کاریہ روہیں ہماری نحوست سے تم کو بھی یہ پریشانی ہوئی ہم کو اجازت دیدیجئے کہ ہم بھی میدان میں جمع ہو کر توبہ کریں لیکن جب ہم جمع ہوں تو ایسا انتظام کر دیجئے کہ وہاں جینگل میں کوئی شخص ہمارے پاس نہ آوے ایسا نہ ہو کہ بجائے رحمت کے اور زیادہ غضب نازل ہو۔ چنانچہ انتظام کر دیا گیا اور وہ سب وہاں گئیں اور سجرے میں پڑ کر رونا شروع کیا اور کہا کہ اے اللہ یہ ہماری نحوست ہے ہم بہت گنہگار ہیں ہم بہت سیہ روہیں ہماری وجہ سے مخلوق کو پریشان نہ کیجئے اور جو جو کچھ بن سکا حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا حق تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے ناقل اس حکایت کے یوں کہتے تھے کہ انھوں نے سر نہیں اٹھایا تھا کہ بارش شروع ہوئی اور خوب ہوئی مولانا فرماتے ہیں ۷

مابروں راننگریم وقال را مادروں راننگریم وحال را

(ہم ظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے ہم باطن اور حال کو دیکھتے ہیں۔)

یعنی ہم ظاہر کو اور الفاظ کو نہیں دیکھتے اگر الفاظ لمبے چوڑے باضابطہ ہوں لیکن خشک ہوں دل میں کچھ نہ ہو احق تعالیٰ کے نزدیک ان کا کچھ مرتبہ نہیں ہم تو دل کو اور مال کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ تقویٰ طہارت پر کسی کو ناز نہ ہو ہمارے دربار میں تقویٰ طہارت جب ہی مقبول ہے جبکہ اس میں عبدیت اور خشوع خضوع ہو اور خشک تقویٰ ہمارے دربار میں قابل قدر نہیں ہے۔ وضع کو ہماری میں ایک مرتبہ اسی طرت امساک باراں کی وجہ سے مسلمانوں نے استسقا کی نماز

مقام سندھ کی ناز استسقا کا تھا
حضرتی سندھ میں تھوڑے روزوں کے بعد بارش ہوئی اور وہ سب وہاں گئیں اور سجرے میں پڑ کر رونا شروع کیا اور کہا کہ اے اللہ یہ ہماری نحوست ہے ہم بہت گنہگار ہیں ہم بہت سیہ روہیں ہماری وجہ سے مخلوق کو پریشان نہ کیجئے اور جو جو کچھ بن سکا حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا حق تعالیٰ کو عاجزی پسند ہے ناقل اس حکایت کے یوں کہتے تھے کہ انھوں نے سر نہیں اٹھایا تھا کہ بارش شروع ہوئی اور خوب ہوئی مولانا فرماتے ہیں ۷

حضرتی اطلاع وقت اپنا خبر داری نمبر ضرور لکھیں ۲۰ تاریخ کے بعد اطلاع کی یا خبر داری نمبر نہ لکھا تو کوئی وقت نہ ہوگا

تیاری کی۔ بنے دیکھ کر کہتے تھے کہ اب کے تو بارش ہے ہی نہیں یہ فضول
کوشش کر رہے ہیں مسلمانوں نے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو ان کے سامنے
ذلیل نہ کر۔ ابھی دعا ہی میں مشغول تھے کہ بارش شروع ہوئی۔ وہی بنے
کہنے لگے کہ یہ مُسے (مسلمان) رام جی کو بہت جلدی راجی (راضی) کر لیں
ہیں۔ پس جبکہ باوجود ہماری اتنی کوتاہیوں کے تھوڑی سی توجہ میں بھی
رحمت ہو جاتی ہے تو اگر ہم پوری اپنی اصلاح کر لیں اور دل سے توبہ
اور رجوع الی الحق کریں تو کیسے رحمت نہ ہوگی ۵

عاشق کہ شاد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست فگر نہ طیب بہت

(کوئی شخص ایسا نہیں کہ عاشق ہوا ہو اور محبوب نے اس کے حال پر نظر نہ کی ہو۔ اے صاحب

(تمہیں) درد ہی نہیں ہے ورنہ طیب موجود ہے۔)

پس یہ فرض فرض محال ہے کہ ہم سب نیک ہوں اور بارش نہو اور بالفرض
اگر نہ بھی ہو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ ناکامی ہوئی۔ اس کو ناکامی کہنا
کامیابی کی حقیقت نہ جاننے سے ہوا ہے۔ میں کامیابی کی حقیقت بتلاتا
ہوں اس سے ناکامی کا علم ہو جائے گا۔ صاحبِ روپیہ مل جانا۔ ارزانی
کا ہونا۔ روٹی کا ملنا۔ ہر شے کا حسبِ دلخواہ بلنا لوگ اس کو کامیابی
کہتے ہیں۔ یاد رکھو یہ کامیابی کی صرف صورت ہے کامیابی کی حقیقت
نہیں۔ چنانچہ میں ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو اندازہ
ہوگا کہ یہ چیزیں اپنی ماہیت میں کامیابی نہیں ہیں۔ دو شخص فرض
کئے جاویں ایک شخص تو ایسا ہے کہ ایک لاکھ روپیہ اس کی ملک میں
ہے اور جائداد ہے نوکر چاکر غرض سب سامان دنیا کا اس کو میسر ہو
لیکن اس پر ایک مقدمہ فوجداری کا قائم ہو گیا اور اس میں پھانسی کا
حکم ہو گیا۔ اور ایک دوسرا شخص ہے جو اسی کے پڑوس میں رہتا ہے
جس کی اوقات یہ ہے کہ وہ ۸ کا مزدور ہے۔ مزدوری کی اور کھا کر

ارتو بہ و اصلاح حال کی جو توجہ مدد سے بالفرض اگر بارش نہ ہو تو اس کو ناکامی نہ کہیں گے۔

اپنے بیوی بچوں میں سو رہا۔ یہ امیر آدمی ہمیشہ اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اگر آج اس امیر کو یوں کہا جاوے کہ تم کو ایک صورت سے خلاصی ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنا سارا سامان اس شخص کو دید و بجائے تمہارے یہ اُس جرم کا اقرار کر لیگا اور اس کو پھانسی ہو جاوے گی اور تم بچ جاؤ گے مگر اس کے بعد ناداری سے تمہاری حالت ایسی ہو جائیگی جیسی اس شخص کی ہے تو وہ امیر یقیناً ہی کہے گا کہ اس سامان کی کیا حقیقت ہے اگر اس سے دونوں بھی میرے پاس ہو اور وہ دیکر میری جان بچے تو میں راضی ہوں۔ اور اگر اس غریب کو کہا جائے کہ تم کو اتنا روپیہ اور سامان ملتا ہے لیکن تمہاری جان لی جاوے گی وہ کہے گا کہ جب میری جان ہی گئی تو میں اس سامان کو لیکر کیا کروں گا۔ سو صاحبو اگر یہ روپیہ اور جائداد اور مکانات ہی کامیابی اور مقصود اصلی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آج ان کو وہ شخص کامیابی کیوں نہیں سمجھتا اور ان کے دینے پر کیوں راضی ہے اور وہ غریب آدمی کیوں ان کے لینے پر راضی نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں کامیابی کی صورتیں ہیں حقیقت کامیابی کی اور شے ہے وہ کیا ہے راحت قلب چونکہ مال سے راحت ہوتی ہے اس لئے وہ مقصود ہے بالذات مقصود نہیں ورنہ ہر حالت میں مقصود ہوتا۔ چنانچہ اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ خود غلط بوداچہ ما پنداشتیم (جو کچھ ہم نے گمان کیا واقع میں غلطی تھی) پس بڑی چیز اور اصلی مقصود راحت قلب ہے اسی واسطے وہ دو لاکھ روپیہ دینے پر بے تکلف اور دل سے راضی بلکہ مصر ہے اور وہ آٹھ آنے کا مزدوران پر تھوکتا بھی نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب ہم اس مشبہ کا جواب دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ راحت اور سکون حقیقی جو حقیقت ہے کامیابی کی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے۔ پس اس لئے میں نے کہا

۳

۱۔ مال و جائداد کامیابی نہیں مانی
۲۔ اصل میں راحت آتی ہے

۳۔ راحت قلب اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے
۴۔ اور برشتانی نام زمانی ہے۔

تھا کہ اصلاح و تقویٰ کے اختیار کرنے کے بعد اگر بارش وغیرہ بھی نہ ہو اور
 بلا ہر ا مصیبت بھی دور نہ ہو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ ناکامی ہوئی۔ اس
 حالت میں بھی کامیابی ہی ہے اس لئے کہ اس شخص کو اس مصیبت میں بھی
 پریشانی نہ ہوگی راحت اور سکون ہی ہوگا۔ اور یہ نرا دعویٰ ہی نہیں
 ہے کہ راحت منحصر ہے اطاعت میں۔ اہل طاعت کی حالت کا مشاہدہ
 کر لیجئے کہ ان کو کوئی شے پریشان نہیں کرتی ان کا قلب ہر وقت مطمئن ہی
 اور جو کچھ حق تعالیٰ کی جانب سے پیش آتا ہے وہ اس پر دل سے راضی
 ہیں خواہ وہ نعمت ہو یا نعمت (مصیبت) ہو۔ ارزانی ہو یا گرانی بارش ہو
 یا نہ ہو اور وہ اسی کو دل سے کامیابی سمجھتے ہیں۔ پس یہ ثابت ہو گیا کہ
 اگر سب نیک ہوں اور پھر بھی بارش نہ ہو تب بھی اس کو ناکامی نہ
 کہیں گے بلکہ وہی عین کامیابی ہے اس لئے کہ قحط اور امساک باراں
 اسی وقت مصیبت ہے جبکہ اس سے پریشانی ہو اور جبکہ وہ ہر حالت
 میں راضی ہیں تو ان کے لئے یہ مصیبت ہی نہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا
 ہوں کہ سب اگر اصلاح کر لیں تو اس کا کہنا ہی کیا ہے۔ اگر ایک شخص
 بھی اپنی اصلاح کر لے تو وہی کامیاب ہو جاوے گا اس کو ہرگز پریشانی
 نہیں رہے گی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں جو راحت ہو وہ
 کسی شے میں بھی نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ سے
 محبت ہوتی ہے اور محبت وہ شے ہے کہ تمام تلخیوں کو شیریں کر دیتی ہے
 اور حق تعالیٰ کی محبت میں یہ اثر کیسے نہ ہوگا۔ مجازی عشق میں یہ اثر
 ہوتا ہے کہ تکلیف کو راحت بنا دیتا ہے۔ مثلاً کسی پر عاشق ہو اور آپ
 چلے جا رہے ہوں کہ پیچھے سے کسی نے ایک گھونسہ بڑی زور سے ایسا رسید کیا
 کہ بڑی تکلیف و اذیت ہوئی پیچھے پھر کر جو دیکھا تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ گھونسہ
 مارنے والا وہ شخص ہی جس کے دیکھنے کی برسوں سے تمنا تھی اور غیبت میں جس کا

۴

محبت اور عشق کا اثر تلخیوں کو شیریں بنا دیتا ہے

نام لیکر دل کو تسلی دیا کرتا تھا جیسے ایک حکایت ہے ۵

دیا مجنوں رایکے صحرا نورد در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کا غزب و انگشتاں قلم می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت او مجنوں شیدا چیت این می نویسی نامہ بہر کیست این
گفت مشق نام لیلے می کنم خاطر خود را تسلی می کنم

دکسی نے مجنوں کو جنگل میں تنہا دیکھا کہ غمگین بیٹھا ہوا ہے کہ ریت پر انگلی سے کسی کو
خط لکھ رہا ہے پوچھا اے مجنوں کے خط لکھ رہے ہو کہنے لگا کہ لیلے کے نام کی مشق کر کے

اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں)

جس کا نام ہی بجائے مسمیٰ کے تھا اب وہ سامنے جلوہ افروز ہے۔ اب آپ ہی
انصاف کیجئے کہ اس حالت میں کیا اس گھونسہ کی اس کو تکلیف ہوگی۔ اگر عشق
میں سچا ہے تو یوں کہے گا کہ ایک گھونسہ نہیں تم میرے دس گھونسے لگا لو مگر
میرے سامنے رہو جسم کو تو اس کے تکلیف ضرور ہوگی لیکن قلب تو یہی کہیں گاہ
نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغیت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمانی
(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سلامت رکھو تو خنجر آزمانی کری)

اور یہ کہے گا

ناخوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے یار دل رنجان من

(تیرا ناخوش ہونا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے ایسے محبوب پر دل قربان ہو جو میرے دل کو بخیرہ کر لیا ہے)

اور یہ کیوں ہے محض اس لئے کہ یہ محبوب کی جانب سے ہو

از محبت تلخہا شیریں بود

(محبت میں تلخیاں بھی شیریں ہیں)

جب مخلوق کی محبت میں یہ حالت ہے تو

عجب داری از سالکان طریق کہ باشند در بحر معنی عشق

خوشا وقت شوریدگان غمش اگر ریش بینند دگر مرہمش

گدایانے از بادشاہی نفور با میدش اندر گدائی صبور
و مادم شراب الم در کشند و گرتلخ بیند دم در کشند

تو سالکان طریق سے جو کہ حقیقت کے دریا میں غرق ہیں تعجب کرتا ہے اس کے غم میں پریشان
لوگوں کا کیا اچھا وقت ہے اگر غم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں ایسے فقیر کاوشکا
سے نفرت کرنے والے اور اس کی امید پر فیکری میں کرنے والے ہیں ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں
جب اس میں رنج کی تمنی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں

جبکہ تمہارے جیسا آدمی جو تمہاری مثل خون اور کھال اور گوشت پوست
سے بنا ہے تمہاری یہ حالت بنا دیتا ہے تو صاحبو محبوب حقیقی کے عشق میں
تو یہ اثر کیسے نہ ہوگا۔ پس کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ بعد اصلاح
کے بھی ناکامی ہوتی ہے رہی یہ بات کہ اگر محبوب ہی کی یہ مرضی ہو کہ مصیبت
میں پھنسا رہے پھر تو کامیابی ہونا اور مصیبت سے نکلنا ممکن ہی نہیں تو
پھر کامیابی کدھر سے ہوئی۔ بات یہ ہے کہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ
ان کو اطمینان اور چین اور سکون ہر وقت رہتا ہے اس کا نام میں نے
باعتبار حقیقت کے کامیابی رکھا ہے میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مصائب
ان پر نہیں آتے مصائب صورت یہ آتے ہیں مگر اس سے وہ پریشان نہیں
ہوتے از جا رفته نہیں ہوتے اور کیوں ہوں اس لئے کہ وہ خوب جانتے
ہیں کہ حق تعالیٰ بندہ کے واسطے وہی کرتے ہیں جو اس کے لئے بہتر ہو
حق تعالیٰ کو ماں سے زیادہ شفقت ہے

طفل می لرزد ز نیش احتجام مادر مشفق ازاں غم شاد کام

(بچہ نشتزلوانے سے لرزتا ہے مگر مشفق ماں اس سے مطمئن اور خوش ہوتی ہے)

خدا تعالیٰ ان کو مریض رکھیں یا تندرست مفلس رکھیں یا امیر مگر ان کو
ذلیل اور پریشان نہیں کرتے اس کے خلاف کہیں بتلاؤ تب شبہ کی
گنجائش ہے بہر حال ثابت ہو گیا کہ ان مصیبتوں سے بچنے کی تدبیر حقیقی

ان پر جو مصائب آتے ہیں ان سے وہ پریشان نہیں ہوتے

۶

صرف اطاعت کاملہ ہے۔ پس اس تدبیر کو اختیار کرو اور دین کی طرف توجہ کرو اور اس کے طریقہ سے توجہ کرو۔ بہت لوگ اس کے متعلق بھی غلطیوں میں مبتلا ہیں یعنی اگر دین کی طرف آتے ہیں تو نئے رنگ سے اور جو اس کا اصلی طریق ہے اس طریقہ پر نہیں چلتے۔ مثلاً کسی بزرگ سے کہتے ہیں کہ حضرت کوئی ایسی تدبیر کیجئے کہ گناہ مجھ سے نہ ہوں گویا حضرت کے پاس کوئی زنجیر ہے کہ آپ کو اس میں جکڑ دیں گے تو گویا وہ نرے بزرگ ہی نہیں بلکہ کوتوال یا داروغہ جیل بھی ہیں۔ ایک معقولی مولوی صاحب تھے ان کے ملنے کے لئے ایک خانصاحب رئیس آئے اور وہ رئیس متاجری پر گاؤں لیا کرتے تھے مولوی صاحب نے پوچھا خانصاحب گاؤں کا انتظام کس کے سپرد کر آئے خانصاحب نے فرمایا کہ بڑے پیر صاحب کے سپرد کر دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا آہا ہم تو یہ سمجھا کرتے تھے کہ بڑے پیر صاحب نرے ولی ہیں معلوم ہوا کہ وہ گاؤں کے پدمان بھی ہیں۔ ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی صاحب بڑے گستاخ تھے اور واقع میں گستاخ وہ خانصاحب تھے کہ بڑے پیر صاحب کو آنکھوں نے ایسے لغو کام کا سمجھا تو ایسے ہی ہمارے بھائی اول تو دین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اگر کچھ ضروری شوق ہوتا ہے تو ایسی بیہودہ فرمائشیں کرتے ہیں سے اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی اجھے کہتے ہیں کہ حضرت اپنے سینہ میں سے کچھ دیدیجئے گویا ان کے پاس کوئی پڑیہ ہے کہ وہ اس میں سے تم کو بھی دیدیں گے۔ ایک بزرگ نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ جس کے سینہ میں سے تم مانگتے ہو وہ دیکھو کہ اس کے سینہ میں کیونکر آیا۔ برسوں مجاہدے کے محنتیں کیں خدائیں کیں اپنے حظوظ نفسانیہ پر خاک ڈالی جب کچھ ملا سو تم بھی اسی طرح کرو۔ صوفی نشوونما فی تادریک شد جائے بسیار سفر بایر تا پختہ شود خامے

وگ اگر دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو بہت سے بہتے ہیں

ایک رئیس کی حکایت

بعض کتب میں کہتے ہیں کہ پیر صاحب

اصرفی ببت تک بہت سے مجاہدہ شروع ہو رہا ہے پختی مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے

بڑے بڑے سفر سے مراد مجاہدے اور مشقتیں ہیں اتنے مجاہدے کے بعد خامی گئی ہے۔ غرض یہ نرا جذبہ ہے بعض دانشمندانہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کر دیتے ہیں جیسے ایک ظریف سیاح شاہ صاحب کی نسبت ایک خانصاحب کو خیال ہو گیا کہ یہ کیمیا جانتے ہیں آئے اور بات شروع ہوئی۔ خانصاحب السلام علیکم۔ شاہ صاحب وعلیکم السلام۔ خانصاحب۔ شاہ صاحب۔ شاہ صاحب میں نے پتہ ہے آپ کیمیا جانتے ہیں۔ شاہ صاحب۔ ہاں جانتے ہیں۔ خانصاحب۔ ہم کو بھی بتلا دو۔ شاہ صاحب۔ نہیں بتلاتے تمہارے باوا کے نوکر ہیں۔ پھر تو خانصاحب کو اور بھی زیادہ اعتقاد بڑھا اور منت کرنے لگے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ خانصاحب جس طرح ہم نے سیکھی ہے اس طرح سیکھو خدمت کرو پاؤں دباؤ دھتے بھر جو ہم کہلاویں وہ کھاؤ اور جو ہم کہیں وہ کرو۔ اگر کبھی مزاج خوش ہو گا اور دل میں آجاویگا بتا دیں گے۔ خانصاحب راضی ہو گئے۔ رات ہوئی شاہ صاحب نے کچھ گھاس پھوس اُبال کر خانصاحب کے سامنے رکھ دیا۔ خانصاحب نے ایسا کھانا کب کھایا تھا ذرا ناک چڑھانے لگے۔ شاہ صاحب نے کہا ابھی تو اول ہی منزل ہے۔ جب خانصاحب نے یہ رنگ دیکھا تو کیمیا سے عمر بھر کے لئے توبہ کی۔ صاحبو خدمتیں کرو۔ محنتیں کرو خدا تعالیٰ فضل فرمائے والے ہیں۔ طلب کا تو یہ حال پھر چاہتے ہو کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مل جائے یہ تو طریق بزرگی کے متعلق کلام تھا۔ اب اس کے ثمرات کے متعلق لیجئے کہ بزرگی کے ثمرات اپنے ذہن میں کیا سمجھ رکھے ہیں مثلاً اگر کوئی اچھا خواب نظر آ گیا بس یہ بزرگی ہے اور اگر خواب بند ہو گئے سمجھ گئے کہ بزرگی ہماری جاتی رہی۔ میرے پاس بہت خطوط خوابوں کے متعلق آتے ہیں تو جواب میں یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

ایک خانصاحب اور ظریف کی حکایت

بزرگی کے ثمرات لوگوں سے کبھی

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

از شب ہونش شب پرست جو خواب کی تعبیر بیان کروں محبوب حقیقی کا غلام ہوں اسی کی باتیں بیان کرتا ہوں

جو دریافت کرو بیداری کی حالت پوچھو۔ خواب تو اگر یہ بھی دیکھ لو کہ سور

کا گوشت کھایا ہے واللہ ذرہ برابر تم کو بعد نہیں ہوا اور اگر خواب میں یہ دیکھو کہ

ہم جنت میں ہیں واللہ اس سے کچھ قرب نہیں ہوا۔ بہر حال کام کرو۔ کام

کرنے سے کچھ ملتا ہے اور سینہ میں کیا دھرا ہے ہاں سینہ میں تو بلغم ہی وہ تم کو

دیدیں گے اور بعضے لوگ اس طرح دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ دنیا

لیکڑ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں۔ کیا معنی کہ بزرگوں کے پاس جاویں گے

اور ان کا وقت بھی ضائع کریں گے اور دنیا بھر کے قصے وہاں بیان کریں گے

حضرت بمبئی میں یہ ہو رہا ہے۔ روم میں یہ قصہ ہوا۔ روس میں یہ واقعہ ہوا

صاحبو تم کو روم روس کے قصوں سے کیا لینا ہے۔ خود تمہارے اندر ایک

روم روس ہے کہ ان میں روزانہ جنگ رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۹

اے برادر عقل یکدم با خود آر دمبدم در تو خزاں است و بہار

(اے بھائی تموڑی دیر کے لئے ذرا عقل درست کر کے دیکھ خود تیرے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہے)

ستم ست اگر ہو ست کشا کہ بسیر سز و سمن در آ تو ز غنچہ کم نہ دمبیدہ در دل کشا چمن در آ

(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھانگ تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کر لو۔)

حکیم سنائی کہتے ہیں ۱۰

آسمان ہاست در ولایت جاں کار فرمائے آسمان جہاں

در رہ روح پست و بالا ہاست کوہ ہلے بلند و صحرا ہاست

(ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کار فرما ہیں روح (باطن) کے

راستہ میں پست و بالا (ثیب و فراز) کوہ و صحرا موجود ہیں)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ۱۱

وانت الكتاب المبین الذی باحرفہ یتظہر المضمہر

بعض لوگ دنیا لیکر بزرگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

وتزعم انك جرم صغير و فيك الطوى العالم الاكبر

اور تو مثل ایسی روشن کتاب کے ہے جس کے حرفوں سے مضمون باتیں نکال رہی ہوتی ہیں تو اپنے

آپ کو جسم صغیر سمجھتا ہے حالانکہ تیرے اندر بڑا جہان لپٹا ہوا ہے)

صاحبو تمہارے اندر سب کچھ ہے روم بھی ہے روس بھی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں مکان بنے ہوئے ہیں مقصود یہ ہے کہ جب تم روم روس کی لڑائی دیکھو یا سنو تو اپنے اندر روح و نفس کی لڑائی کے متعلق بھی غور کیا کرو کہ تم پر تمہارا نفس غالب ہے یا روح غالب ہے یہ کیا ظلم و ستم ہے کہ بیرونی لڑائیوں کے تو تاز کرے کرو اور اپنے اندر جو لڑائی ہے اس سے غفلت ہوے

ماقصہ سکندر و دارا سخواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و وفا میرس

ہم نے سکندر و دارا کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے محبت اور عشق کی باتوں کے سوا کچھ نہ پوچھو

یا درکھو اگر اس سے غفلت میں رہے تو بہت پچھتاؤ گے۔ یہاں تو ناکامی ہو ہی رہی ہے وہاں بھی ناکام رہو گے۔ بہت جلدی اصلاح کر لو۔ اس آیت میں اس کا طریقہ مذکور ہے اور وہ طریقہ مرکب ہے دو جزو سے اور ان دونوں میں ترتیب بھی ہے اول تو یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے معافی مانگو مگر معافی مانگنا یہ نہیں کہ صرف زبان سے استغفر اللہ استغفر اللہ کہہ لیا یہ تو نقل ہے معافی مانگنے کی جیسے کسی فارسی دیہاتی نے کسی واعظ سے سنا کہ بے وضو نماز نہیں ہوتی تو آپ فرماتے ہیں "بارہا کر دیم و شد نماز" (ایسا ہم نے بہت مرتبہ کیا اور نماز ہو گئی) نام اٹھنے بیٹھنے کا سمجھو۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک عورت اور مرد میں یہ رشتہ ہو ان کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ نہیں ہو سکتا کہنے لگا کہ ہم نے تو کیا تھا ہو گیا۔ نہ ہونے کا مطلب یہ سمجھا کہ الفاظ ایجاب قبول کے منہ سے نہ نکل سکیں گے بس جیسی یہ نماز اور نکاح ہوا تھا ایسے ہی ہم لوگوں کا استغفار بھی ہے۔ صاحبو ہر گناہ کے استغفار کا طریقہ جدا ہے

۱۰

طریقہ اصلاح تہذیب و درجہ استغفار و اطاعت

گناہوں کو دیکھو کہ کیا ہیں۔ اگر حقوق العباد میں ان کی استغفار یہ ہے کہ ان کو ادا کرو ان کی معافی استغفار پڑھنے سے نہ ہوگی۔ اگر روزے نماز ذمہ پر ہیں ان کی استغفار یہ ہے کہ ان کی قضا کرو۔ اگر گناہ ہیں ان کی توبہ کا طریقہ استغفار بنا امت پڑھنا ہے نیز توبہ و استغفار کے لوازم میں سے ہے معاصی کا ترک کرنا خواہ دیانات کے متعلق ہوں یا معاملات کے مثلاً آجکل اکثر لوگ آمدنی و خرچ کے طریقوں میں حدود شریعت کا لحاظ نہیں رکھتے۔ اس زمانہ میں آمدنی کے بہت سے طریقے خلاف شرع شائع ہوئے ہیں کہ جوے یا ربوہ سے خالی نہیں۔ دیوالی کی رات میں جو جو کھیل جاتا ہے اس کو تو برا سمجھتے ہیں لیکن آجکل سٹہ جو چل رہا ہے اس سے پرہیز نہیں کرتے ان سٹہ والوں میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ نمازی اور ڈاڑھی لمبی ٹخنوں سے اوپر پا جامہ ہاتھ میں تسبیح بڑے متقی لیکن سٹہ سے ان کا تقویٰ نہیں ٹوٹتا۔ یاد رکھو یہ بالکل جو ہے اسی طرح چھٹیاں جو پڑتی ہیں یہ بھی جو ہے۔ اس سے بڑھ کر بیمہ کمپنیاں جو نکلی ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ ان کے تو شروع ہی میں بیم آگیا ہے (یہ لطیفہ ہے ۱۲ جامع) اور شادی فنڈ اور جان بیمہ اور ایک قسم کے ٹکٹ کی تقسیم کا سلسلہ یہ سب حرام و قمار جو اور ربوہ ہیں۔ اور ان میں سخت دھوکہ بھی ہے۔ شریعت میں کوئی معاملہ پیچیدہ نہیں اور ان طریقوں میں سخت پیچیدگی اور دھوکہ ہے۔ یہ تو آمدنی کے طریق ہیں اور خرچ کے اندر تو کچھ باک ہی نہیں جہاں چاہتے ہیں تنعمات میں فضول سامان میں ناموری کے کاموں میں بے دھرم خرچ کرتے ہیں سمجھتے ہیں اپنی فتنے ہی جس طرح چاہیں صرف کریں اور سب سے زیادہ گندہ مصرف جو اس شہر میں کثرت سے ہے کو کین کھانا ہے۔ اس کو کین سے سیکڑوں گھر برباد ہو گئی ظاہر میں تو ذرا سی چیز ہے لیکن مفاسد اس کے کثیر ہیں۔ شیطان کا شیرہ ہی شیطان کو کسی نے کہا تھا کہ تو بڑا ملعون ہے گناہ کراتا ہے۔ اس نے کہا

تقویٰ العباد کی استغفار یہ ہے

اس زمانہ میں آمدنی کے حرام طریق بہت شائع ہوئے ہیں

۱۱

خرچ کے طریقوں میں بھی بہت پیچیدگی شائع ہوئی ہے

کین کھانے کی خرابیاں

میں کیا گناہ کراتا ہوں میں تو ایک ذرا سی بات کرتا ہوں لوگ اس کو بڑھا دیتے ہیں دیکھو میں تم کو متاثر دکھلاتا ہوں۔ ایک دوکان پر پہنچے۔ ایک انگلی شیرہ کی بھڑ کر دیوار کو لگا دی اس پر ایک مکھی آ بیٹھی ایک چھپکلی اس پر چھٹی اس پر دوکاندار کی بی دوزی اس پر ایک خریدار کا جو کہ فوجی سوار تھا کتا لپکا۔ دوکاندار نے اس کتے کے ایک لکڑی ماری۔ سوار کو غصہ آیا اس نے دوکاندار کے ایک تلوار ماری بازار والوں نے انتقام میں سوار کو قتل کر ڈالا۔ فوج میں خبر ہوئی فوج والوں نے بازار کو گھیر کر قتل عام شروع کر دیا۔ بادشاہ وقت نے دوسری فوج سے ان ظالموں کو سزا میں قتل شروع کر دیا۔ ایک گھنٹہ میں تمام شہر میں خون کے ندی نالے بہہ گئے۔ شیطان نے کہا دیکھا میں نے کیا کیا تھا اور لوگوں نے اس کو کہاں تک پہنچا دیا۔ اسی طرح یہ کوکین بھی شیطان کا شیرہ ہو جب تک اپنے پاس روپیہ رہتا ہے اس کو خرید کر کھاتے ہیں جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو اثاثا البیت بیچ کر کام چلاتے ہیں جب وہ بھی ختم ہو گیا تو بیوی کا زیور پھر جائداد اور گھر غرض سب اڑا دیتے ہیں جب اپنا سرمایہ ختم ہو لیا پھر پڑوسیوں پر صفایا شروع کر دیا۔ کسی کے برتن اٹھائے کسی کے یہاں نقب دیدی آخر جیلخانہ میں چلے جاتے ہیں وہاں مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں گھر رہنے میں تو کچھ فکر بھی تھی وہاں کچھ فکر ہی نہیں۔ بعض ایسے بیچا ہوتے ہیں کہ جیلخانہ سے جب چھوٹتے ہیں تو کہہ کر آتے ہیں کہ ہمارا چولہا باقی رکھنا ہم پھر آویں گے۔ غرض یہ کوکین بڑی بلا کی شے ہے اور ہزاروں اس میں مبتلا ہیں اور تعجب ہے کہ سب بلائیں اور مصیبتیں اٹھاتے ہیں لیکن چھوڑتے نہیں لوگ کہتے ہیں کہ چھوٹی نہیں صاحبو! جب ہمت قوی کر لی جاوے تو سب چھوٹ جاتی ہو۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ایک گاؤں کا رہنے والا

شیطان کے شیرہ کا حکایت

کوکین شیطان کے شیرہ سے کہ نہیں

۱۲

حضرت مولانا گنگوہی کے بابت ممبر کا قصہ

مریاد ہونے کے لئے آیا حضرت نے کلمات بیعت کے کہ جن کا کہ حاصل معاصی سے توبہ ہے کہا دینے۔ جب توبہ کر لی تو کہتا ہے کہ مولوی جی افیم سے توبہ کرانی ہی نہیں حضرت نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ تو افیون کھاتا ہے۔ اچھا یہ بتلا کتنی کھاتا ہے جس قدر کھانا ہو میرے ہاتھ پر رکھ دے مگر اس نے جیب میں سے افیون کی ڈبیہ نکال کر دوڑ پھینکی کہ مولوی جی جب توبہ ہی کر لی تو اب کیا کھاویں گے گھر گیا تو دست شروع ہوئے اس نے مولانا سے کہا کہ بھیجا کہ حضرت دعا عجبو اچھا ہو جاؤں چند روز کے بعد تندرست ہو کر پھر آیا۔ دو روپیہ حضرت کی خدمت میں پیش کئے حضرت نے بعد انکار کے اس کے اصرار سے قبول فرمایا کہتا ہے حضرت جی یہ تو اپنے پوچھا ہی نہیں کہ یہ روپیہ کیسے ہیں حضرت نے فرمایا بتلاؤ کیسے ہیں۔ کہا افیم کے ہیں پوچھا افیم کے کیسے کہنے لگا کہ میں دو روپیہ ماہوار کی افیون کھاتا تھا۔ جب میں نے افیون چھوڑی تو میرا نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپیہ بچیں گے۔ میں نے کہا کہ میں تیرے لئے نہیں بچاؤں گا۔ میں یہ دو روپیہ اپنے پیر کو دوں گا۔ بظاہر لوگ اس گنوار کو اس کی گفتگو سے غیر متنبہ سمجھے ہوں گے حضرت تہذیب نام لکھنؤ اور دہلی کے الفاظ کا نہیں ہی وہ تعذیب ہے تہذیب نام ہے تہذیب نفس کا جس کا بڑا شعبہ خلوص ہی جو اس گنوار میں کمال کے ساتھ حاصل تھا۔ سو آپ نے الفاظ کو تو دیکھا لیکن یہ نہ دیکھا کہ اس گنوار میں کس درجہ کا خلوص اور تکلف اور تصنع سے کتنا دور تھا کہ جو بات تھی بلا تکلف سب کہہ دی مولانا فرماتے ہیں سے

ما بروں را بنگریم و قال را مادروں را بنگریم و حال را

(ہم ظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے دل کا اور حال کو دیکھتے ہیں)

اور اس گنوار کی قوت علمی و عملی پر غور فرمائیے کہ کس درجہ تھی۔ قوت علمی تو فہم اس بات کا کہ نفس کے خلاف کرنا چاہئے اور عملی قوت یہ کہ ایک دم سو ایک مدت کی عادت کو جو سا لہا سال کے مجاہدہ سے بھی نہیں چھوڑتی چھوڑ دینی بہر حال

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِّي وَكَوَايِي

رواه البخاری

وعظ
ملقب به

فوائد
الصحيحة

من جملة ارشادات حكيم الائمة مجيد والملة حضرت مولانا محمد اشرف علي صاحب دہلی

۱۵

رحمة الله تعالى عليه

محمد عبد المصنّف

مکتبہ تھانوی، دفتر الابقاء

متصل مسافر خانہ - بند روڈ - کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وعظ ملقب به فوائد الصحبة

ارثیات	المستمعون	من ضابطك	ماقا	کیسے	کھ	کے	ارین
متفرقات	سامعین کی تعداد	کس نے لکھا	کیا مضمون تھا	بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر	کتنا ہوا	کب ہوا	کہاں ہوا
اکثر معزز تعلیم یافتہ شراکت تھی	تقریباً تین سو سے زائد	سعید احمد خاں میاں	ضرورت صحیحہ و عمدت اور تحقیق و اہل نسبت	کھڑے ہو کر	بعضاً جزیرہ بھارت تک باستغناء مقدار ادائے عمر	۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ یوم جمعہ	۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ یوم جمعہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ مُحَمَّدٌ وَاسْتَعِينَهُ وَاسْتَعْفِرُهُ وَتَوَكَّلَ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ
 بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ
 وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا مُهَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
 وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَبَارَكٌ وَسَلَّمْ أَمَا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ
 الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِذَا صَبَرْتُمْ فَسِكِّتْ
 لَعْنَةَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ الْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ
 عِنْدَكَ عَنْهُمْ تُبَاهٍ ذُنُوبَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تَطِيعُ مَنْ آخَفَلْنَا قُلُوبَهُ عَنْ
 ذِكْرِنَا أَتَّبَعُوا هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطًا اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید
 نہ کیجئے جو بیخ و سام ابے۔ بکے، اسے مٹا اس کے رہنا جوڑنے کے لئے تھے ہیں اور دنیا ہی زندگانی

کے رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور طیئے شخص کا کہنا زمانے جس کے فائدہ کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا دیر، حال حدت گذر گیا ہے) یہ ایک آیت ہے سورہ کہف کی اس میں ایک نہایت ضروری مضمون مذکور ہے اور وہ ایسا مضمون ہے کہ اس کی ضرورت عام ہے عوام و خواص سب کے لئے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا مضمون جس کی ضرورت عوام و خواص سب کے متعلق ہو نہایت ہی ضروری ہوگا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ضرورتیں بعض تو صرف عوام کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض صرف خواص کے اور بعض عوام و خواص دونوں میں مشترک ہوتی ہیں اور ہر چند کہ پہلی دونوں ضرورتیں بھی اپنے اپنے درجہ میں ضروری ہوتی ہیں لیکن جو ضرورت مشترک ہو وہ نہایت ہی ضروری ہوگی نیز دوسری وجہ اس کے اہم ہونے کی یہ بھی ہے کہ قاعدہ ہے کہ بعض ضرورت کی تو اہل ضرورت کو اطلاع ہوتی ہے مگر کسی وجہ سے اس پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوتی ہو۔ اور بعض کی تو اطلاع ہی نہیں ہوتی۔ تو یہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ وہ عوام کے نزدیک نہایت ہی خفیف ہوتے ہیں لیکن افسوس حقائق کے نزدیک وہ نہایت ہی اہم ہوتے ہیں۔ اسی طرح اعمال و امراض میں بھی بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی سب کو اطلاع ہے اور گو وہ بھی ضروری ہوتے ہیں مگر زیادہ ضروری وہ ہیں جن کی اطلاع ہی نہ ہو۔ اس آیت میں ایسا ہی مضمون بیان کیا گیا ہے جس کی ضرورت مشترک کے ساتھ خود خبر بھی بہت کم لوگوں کو ہے۔ اور یہ بیخبری کا دعویٰ یا تو لوگوں کے عقیدے سے دریافت کر لیجئے کہ اس مضمون کے متعلق کیا عقیدہ ہو یا طرز عمل سے کیونکہ جس امر کے ساتھ غیر ضروری کا سا برتاؤ کیا جاوے گا یہی سمجھا جاوے گا کہ اس کی ضرورت کی اطلاع ہی نہیں۔ خاص کر جبکہ عقیدہ بھی کسی درجہ میں شہادت دے۔ میں اس مضمون کی اجمالی تعیین کئے دیتا ہوں پھر ترجمہ سے تفصیلاً بھی تعیین ہو جاوے گا مگر ترجمہ سے قبل اس کے شان نزول کا

بیان کر دینا مناسب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو شفقت امت پر ہے حتیٰ کہ امت دعوت پر بھی اس کا پتہ کتب سیر و تواریخ و احادیث سے چل سکتا ہے۔ ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے انتہا شفقت تھی سب پر اور اثر اس شفقت کا یہ تھا کہ آپ ہر وقت سوچتے رہتے تھے کہ امت کو کس طرح نفع پہنچے۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سوچنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کوئی خاص غرض تھی یا اپنے کسی خاص نفع کی تحصیل مقصود تھی ہرگز نہیں بلکہ محض امت کے نفع اور اس کی بہبودی کے لئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس تدبیر و تبلیغ پر بغیر قصد ثواب مرتب ہو جاوے اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نفع پہنچے۔ لیکن یہ نفع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کے وقت پیش نظر نہ تھا اور اسی نفع اجر تبلیغ کی بنا پر خدا تعالیٰ نے ان کفار کے متعلق جن سے بالکل یاس ہو گیا تھا یہ فرمایا کہ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْتُمْ هُمْ لَا يُؤْمِنُونَ یہ نہیں فرمایا کہ سَوَاءٌ عَلَيْكَ كَيْونَكَ آپ کے لئے انذار و عدم انذار مساوی نہیں تھا بلکہ انذار ثواب مرتب ہوا جو کہ عدم انذار کی صورت میں نہ ہوتا اور یہیں سے اہل علم کے نزدیک اس اعتراض کا بھی جواب ہو جاوے گا کہ جب آپ کا انذار و عدم انذار مساوی تھا تو ایک عبث فعل آپ کے کیوں سپرد ہوا حاصل جواب کا یہ ہے کہ عبث تو اس وقت کہا جاسکتا تھا کہ جب آپ کے حق میں بھی برابر ہوتا اور جب آپ کے حق میں برابر نہ تھا لَنْ تَرَى النَّاسَ يُؤْمِنُونَ بِكَ حَتَّى تُنذِرَهُمْ وَإِنْ أَنْذَرْتَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَمْ يَحْسَبُوا الْحِسَابَ لَنْ يُؤْمِنُوا حَتَّى يَضْرِبَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَأَلْزَمَهُمْ كُفْرَهُمْ

عہ ترجمہ :- برابر ہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

۱۸

آیت سوا علیہم بر ایک شبہ اور اس کا جواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انذار کی ضرورت

کی شفقت دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض
 ثواب مقصود نہ تھا کیونکہ اگر آپ کو محض ثواب مقصود ہوتا تو اس قدر
 دلسوزی کی کیا وجہ تھی۔ ثواب تو صرف تبلیغ پر بھی مرتب ہو جاتا تھا جس کے
 باب میں قرآن مجید میں ارشاد ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسًا أَلَّا يَكُونُوا أُمَّةً مِّنْ دُونِ
 (شاید آپ اپنی جان کو ہلاک کرنے والے ہیں، وجہ سے کہ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور مَا أَنْتَ
 عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ (آپ ان کے وکیل نہیں ہیں) اور لَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (دوزخ
 والوں کی نسبت آپ سے سوال نہ ہوگا) ان سب آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
 آپ کو بچہ غم تھا ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ و
 آلہ وسلم نے اس کو صاف لفظوں میں ارشاد بھی فرمایا۔ حدیث شریف میں
 ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میری تمہاری ایسی مثال ہے کہ
 جیسے کسی نے آگ روشن کی ہو اور پروانے گرتے ہوں وہ شخص ان پروانوں
 کو ہٹاتا ہو لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہوں اسی طرح تم لوگ دوزخ کی
 آگ میں جان جان کر گرتے ہو اور میں تمہاری کمریں پکڑ پکڑ ہٹاتا ہوں لیکن
 تم مجھ پر غالب آئے جاتے ہو اور اس میں گھسے جاتے ہو۔ ان الفاظ سے
 ہر زبان داں کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم کا یہ تھا کہ یہ لوگ آگ سے بچیں اور یہی وجہ تھی کہ اگر کوئی ایسی تجویز آپ
 کے روبرو پیش کی جاتی جس سے آپ کو اپنے مقصود حاصل ہونے کی امید
 ہوتی ہو تو آپ اس کو بہت جلد قبول فرما لیتے تھے اسی سے کفار مشرکین کو ایک
 شرارت سوچھی اور انھوں نے دق کرنے کے لئے ایک مشغلہ نکالا جیسے آجکل
 مصلحین کے ساتھ کیا جاتا ہے چنانچہ کفار نے کہا کہ یا رسول اللہ (یہ تو کیوں
 کہا ہوگا یا محمد کہا ہوگا) ہم آپ کے پاس آیا کریں تو کچھ سن لیں لیکن چونکہ
 آپ کے پاس غر بار کا مجمع رہتا ہے جن کے پاس بیٹھے ہوئے ہمیں عار آتی ہی

حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایسی شہادت

عَنْ نَسْمٍ أَمْرًا بَعْضٌ مِنْهُمْ بَعْدَ كَذَا (بجز اس کے بعد ان میں سے بعض ایمان لے آئے)

اس لئے ہم نہیں بیٹھتے۔ اگر آپ ان کو علیحدہ کر دیا کریں اور ہمارے لئے ایک مستقل مجلس علیحدہ کر دیں اور جس وقت ہم آیا کریں ان کو اٹھا دیا کریں کیونکہ ہمارے پاس بیٹھ کر ان کا حوصلہ بڑھے گا۔ تو ہم حاضر ہوا کریں۔ اور اس سے ان کو یہ ہرگز مقصود نہ تھا کہ ہم مسلمان ہو جائیں گے بلکہ محض دق کرنا منظور تھا کہ تھوڑی دیر احباب میں مفارقت ہی رہے گی۔ کیونکہ صحابہ کرام کو وہ محبت تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ کسی کو نہیں ہوتی۔ اور یہی سبب تھا اطاعت کاملہ کا اور نہ اگر کامل محبت نہ ہو تو اطاعت کاملہ ہو نہیں سکتی آجکل اکثر دینداروں میں بھی محض ضابطہ کی محبت ہے۔ صاحبو بہت بڑا فرق ہے ضابطہ کی محبت میں اور جوش کی محبت میں۔ اول میں کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے اور اس میں ضرور فروگزاشت ہو جاتی ہے وہ محض مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور بسا اوقات ایک مصلحت کے قائم مقام دوسری مصلحت ہو جاتی ہے تو نفس کہتا ہے کہ مقصود تو آگ سے بچنا ہے اس گناہ کو کر لو اس کے بعد توبہ کر لینا تو آگ سے تو اس طرح بھی بچ جاؤ گے اور یہی وجہ ہے کہ ہم کو ہمارے نفس نے دلیر کر دیا ہے تو آگ سے بچنے کی مصلحت ایک محرک عقلی ہے جس پر تقاضائے نفس غالب آسکتا ہے اور محبت محرک طبعی ہے کہ اگر یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ ترک اطاعت پر عذاب نہ ہوگا تو بھی مخالفت سے شرماتا ہے کیونکہ وہاں داعی الی الاطاعتہ (اطاعت کی طرف داعی) طبعی ہو جاتا ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں سے

صنما رہ قلندر سردار بکن نہائی کہ دراز دور بینم رہ و رسم پارسائی

(اے مرشد مجھ کو قلندری کا راستہ بتلا دیجئے کیونکہ پارسائی کا راستہ تو بہت دور دراز کا ہے)

تو صحابہ کا اطوع الخلق (تمام مخلوق سے زیادہ اطاعت کرنے والے) ہونا اسی وجہ سے ہے کہ

وہ عاشق تھے نرے مصلحت بین نہ تھے ان کی یہ حالت تھی سے

زند عالم سوز را با مصلحت بینی چکار کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بادیش

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت
محبت کا دو قسم ہیں ایک ضابطہ کی اور دوسری جوش کی

(ماہیہ مصلحت بینی سے کیا تعلق اس کو تو محبوب حقیقی کا کام سمجھ کر تحمل اور تدبیر جائے)

ان کی اطاعت پر مصلحت بھی مرتب ہو جاتی تھی لیکن محبت اور اطاعت مصلحت پر بینی نہ تھی ان کی یہ حالت تھی کہ اگر مخالفت کرنا بھی چاہتے تو نہیں ہو سکتی تھی۔ صحابہ کی محبت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک مرتبہ اہل صحابہ نے پختہ مکان ڈاٹ دار کسی مصلحت سے بنا لیا کہ وہ مصلحت ضرورت کے درجے میں نہ تھی گو انھوں نے کسی درجے میں ضروری سمجھا ہو اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزرا ایک مرتبہ اس طرف سے ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ جب صاحب مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو انھوں نے سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے آئے آپ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ اب تو ان کو بہت فکر ہوئی انھوں نے دوسرے صحابہ سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ کوئی خاص بات تو ہم کو معلوم نہیں ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مکان کی طرف تشریف لے گئے تھے اور تمہارے مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ ہم نے بتلادیا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ فرمایا تو نہیں لیکن اُس وقت سے خاموش ہیں۔ دیکھئے اس حدیث میں کہیں تصریح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکان کی نسبت کچھ بھی فرمایا ہو اُس لئے صاحب مکان کے پاس اس یقین کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کبیدگی کی وجہ یہ مکان ہی ہے۔

آجکل کی عقل کا توجس کی نسبت کسی کا قول ہے

آزمودم عقل دوراندیش را بعد ازین دیوانہ سازم خویش را

سختی سے آواز کی نسبت کوئی صحیحہ

۲۱

عقل دور اندیش کو آزما لیا جب اس سے کام نہ چلا تو ایچو کو میں نے دیوانہ بتایا

یہ فتویٰ ہوتا کہ پوچھ تو لیتے یہی وجہ ناراضی کی ہے یا کچھ اور۔ اگر یہی تو خیر
 اس کو گرا دیں بلکہ آجکل تو اس پر بھی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ پوچھا جاتا کہ حضور
 اس میں خرابی کیا ہے یہ تو فلاں فلاں مصلحتوں پر مبنی ہے جیسا آجکل ورثہ الانبیاء
 کے ساتھ ان کے احکام خداوندی پہنچانے کے وقت اور منکرات پر تنبیہ کرنے
 کے وقت معاملہ کیا جا رہا ہے تو صحابہ کرام بھی ایسا کر سکتے تھے کہ حضور سے
 اس حکم کے اسرار دریافت کرتے جیسا آجکل دریافت کئے جاتے ہیں اور حضور
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اسرار کی اطلاع بھی تھی علماء کو تو اسرار کی خبر
 بھی نہیں یہ تو قانون کے عالم ہیں نہ کہ اسرار قانون کے عالم تو اس صورت
 میں علماء سے اسرار کا دریافت کرنا ہی غلطی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 تو صاحب وحی ہیں آپ کو تو اگر بالفرض اسرار کی اطلاع نہ بھی ہوتی تو خدا تعالیٰ
 سے پوچھ کر بتلا دیتے لیکن ان صحابی نے ان سب کو نظر انداز کر کے وجہ غفگی
 کی تعیین کی بھی تو ضرورت نہیں سمجھی بلکہ جس میں ذرا سا بھی احتمال سبب
 غضب ہونے کا ان کو ہوا اُس کو خاک میں ملا دیا یعنی اسی وقت جا کر مکان
 کو زمین کے برابر کر دیا۔ شاید آجکل کے علماء اس حرکت کو خلاف عقل بتلا دیں کہ محض احتمال
 پر اتنا مال ضائع کر دیا۔ لیکن اگر خلاف عقل ہوتا تو حضور اس کے گرانے پر ناخوش ہوتے۔ غرض
 انھوں نے فوراً مکان گرا دیا اور پھر گرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی نہیں کی بلکہ اپنی قسمت پر
 بھروسہ کر کے بیٹھ رہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاقاً مکان
 کو دیکھ لیا تھا۔ اسی طرح میرے گرانے کی اطلاع بھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشنودی میری
 قسمت میں ہی تو اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو جاوے گی۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اطلاع تو جب
 کروں جب حضور پر مکان گرانے کا احسان ہو یہ تو محض اپنی ہی بھلائی ہو قل لآتؤمنوا
 علیٰ اسلامکم لیل اللہ یمن علیکم ان ہذا کفر لاییمان ان کنتم صدیقین
 (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرمادیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ ہی تم پر احسان

رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی اگر تم سچے ہو عرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پھر اس طرف جو گذر ہوا آپ نے فرمایا کہ وہ مکان کیا ہوا صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب مکان کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً ہی آکر مکان کو گرا دیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو شکر بہت خوش ہوئے اور زیادتی تعمیر کی مذمت فرمائی۔ اب یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ کتنی تعمیر ضروری ہے جو یہاں مذکور نہیں۔ تو صحابہ کرام کی محبت کا یہ عالم تھا اور اس محبت کا مقتضی یہ بھی ہے کہ صحابہ کی زلات بالکل معاف ہوں۔ دیکھئے اگر کسی جاں نثار خادم سے کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہو تو اس کی پرواہ بھی نہیں کیا کرتے۔ ابھی حال ہی میں ایک واقعہ ہوا کہ ایک صاحب کے بدن میں ایک گہرا زخم ہو گیا تھا ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا کہ اس زخم میں اگر کسی آدمی کا گوشت لیکر بھرا جائے تو یہ برابر ہو جائے۔ ان صاحب کا ایک نوکر اس وقت موجود تھا کہنے لگا کہ میری ران میں سے جس قدر گوشت کی ضرورت ہوے لیا جاوے۔ اب بتلایئے کہ اگر اس خادم سے کبھی کوئی بے بری لغزش ہو جاوے تو کیا وہ آقا اس پر مواخذہ کریگا ہرگز نہیں۔ پس یہ ہی وجہ ہے کہ صحابہ پر طعن کرنا جائز نہیں۔ صاحبو! جو مشاجرات صحابہ سے منقول ہیں اور جتنی لغزشیں ہوئی ہیں اگر ان سے دس حصہ زیادہ ہوتیں وہ بھی معاف تھیں۔ غضب کی بات ہے کہ آپ اپنے کو قدر داں سمجھتے ہیں کہ وفادار جاں نثار کی لغزش کو قابل معافی سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بھی قدر داں نہیں سمجھتے اسی سہم بلا تامل کہتے ہیں کہ **الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عَدُوٌّ** (صحابہ سب کے سب عادل ہیں) اور اس حدیث پر اعتماد رکھیں گے **لَا يَمَسُّ النَّارَ مَنْ تَرَانِي** (جس شخص نے مجھ کو دیکھا اس کو آگ نہ چھوئے گی) اور اگر صحابہ کے بعض افعال ذلت ہیں تو ہم ان کی نسبت کہیں گے **سے خون شہیداں راز آب اولی ترست** **ایں خطا از صد ثواب اولی ترست**

صحابہ کی لغزشیں سب معاف ہیں

۲۳

تصدیق مشاجرات صحابہ کا نہایت قابل اطمینان جواب

(سہیبا دل کا خون پانی سے اولیٰ تر ہے یہ خطا سو ثواب سے زیادہ بہتر ہے)

غرض صحابہؓ کی یہ شان تھی اور ان کی اس محبت کا علم اور اندازہ ان کفار کو بھی تھا چنانچہ جب حدیث کی صلح ہوئی ہے اور علیؓ سبیل التعاقب روساز کفار مسلمانوں میں آئے ہیں تو ایک رئیس نے جا کر اپنی قوم سے کہا ہر کہ میں نے بڑے بڑے شاہان دنیا کا دربار دیکھا ہے۔ کسریٰ اور قیصر کے درباروں میں شریک ہوا ہوں مگر کسی کے حشم و خدم کو میں نے اتنا مطیع نہیں دیکھا جس قدر کہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مطیع ہیں یہ حالت ہے کہ اگر آپ تھوک پھینکتے ہیں تو وہ زمین پر نہیں گرتا اور جب وضو کرتے ہیں تو اس کا غسل لوگ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے گویا وہ حالت تھی سے

مرا از زلفت تو موئے بسندست ہوس را رہ مارہ بوی بسندست

(یعنی اگر محبوب نہ ملے تو اس کا ایک بال ہی کافی ہے اگر بال بھی نہ ملے تو خوشبو ہی بہت ہے)

صاحبو! بتلایئے یہ بھی کہیں قرآن میں یا حدیث میں حکم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل وضو اپنے منہ پر ضرور ملا کر واللہ اکبر۔ اس وقت بہت سی جماعتیں صحابہؓ پر طعن کرتی ہیں مگر ان کی اس حالت کو نہیں دیکھتے بھلا نماز و روزہ وغیرہ کی بابت تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جنت کے شوق میں کرتے تھے لیکن غسل وضو کا حکم و جو بی یا استحبابی کہیں آیت میں تھا کہ اس کو منہ پر مل لیا کرو تو فلاں فضیلت ملے گی اس وقت تو واللہ بعضے ایسے متفلس مزاج ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھتے تو کبھی حرکت بھی نہ ہوتی کیا اس وقت سو میں ایک شخص بھی ایسا برتاؤ کر سکتا ہے جو صحابہ کرام نے کیا بلکہ عجب نہیں کہ اس فعل سے استنکاف کرتے صاحبو ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ اس وقت میں پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پیدا نہ ہوئے ورنہ ہمارا یہ استنکاف خدا جانے ہم کو کس حد میں داخل کرتا۔ اس وقت جو ہم بہت سی باتوں میں فتویٰ کفر

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جان شاری کا دور احصاء

۲۴

ہمارا زمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد ہونا رحمت ہے

سے بچ جاتے ہیں تو اس لئے کہ علماء تاویل کر لیتے ہیں کہ یہ استنکاف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امر سے نہیں بلکہ فلاں شخص سے ہے جس کے واسطے سے یہ امر اُس کو پہنچا ہے۔ نسبت الی الرسول (رسول کی طرف نسبت) میں شبہ ہونے سے یہ اعتراض کیا ہے اور اگر ہم اُس وقت ہوتے اور یہ حالت ہوتی تو ہمارے ان افعال پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کفر کا فتویٰ ہوتا تو یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ آویگا کہ دسواں حصہ بھی اگر کوئی عمل کرے تو اُسکی نجات ہو جاوے گی مگر اُس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں پانچ وقت کی نماز فرض تھی تو اب نصف وقت کی نماز کافی ہوگی۔ یعنی اگر فرض و وتر کا مجموعہ بیس رکعتیں ہوں تو دو رکعتیں کافی ہو جاویں۔ چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا اس لئے میں اس حدیث کی توضیح کرتا ہوں کہ یہ تخفیف کیفیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کمیت کے اعتبار سے یعنی اعمال میں جو خلوص اُس وقت تھا اگر اس وقت نوحہ کم بھی ہو تو نجات ہو جائے گی۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت ہم پر ہے کہ ہم زمانہ تخفیف میں پیدا ہوئے۔ یہ تو تخفیف کا بیان ہے اور تاویل کی مثال یہ ہے کہ مثلاً بیوہ کا نکاح ثانی ہے کہ اس سے عام طور پر قلوب میں تنگی ہے یعنی جیسا اول مرتبہ دل ہوتا ہے دوسری مرتبہ نکاح کرنے میں اتنا دل کھلا ہوا نہیں ہوتا۔ آگے یہ دیکھ لیجئے کہ خداوند تعالیٰ اسی تنگی کی نسبت کیا فرماتا ہے **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** (آپ کے رب کی قسم ہے یہ لوگ مومن نہ ہوں گے تا وقتیکہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں حکم نہ بناویں جو آپ فیصلہ فرمادیں اس پر اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پوری طرح تسلیم کر لیں) تو اس پر کیا فتویٰ ہوتا مگر اس وقت ہم ان لوگوں کی اس تنگی کی یہ تاویل کر لیتے ہیں کہ یہ حکم شرعی سے استنکاف

اس زمانہ میں دین کے دسویں حصہ پر عمل کرنا ہی

دوسری حصہ پر عمل کرنا یا تخفیف کے پیر

دوسری وجہ کم کرنا یا تخفیف کی

نہیں ہے بلکہ عرف کی وجہ سے طبعی شرم آتی ہے لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو فرما دیتے کہ نکاح ثانی کرو اور اس کے قلب میں اس سے تنگی پیدا ہوتی تو اس وقت کیا بچاؤ ہوتا کیونکہ خطاب خاص خود دلیل ہوتی بطلان عذر کے لئے اور اس کے لئے نظیر موجود ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے کرنا چاہا اور حضرت زینبؓ بوجہ عالی خاندان ہونے کے ذرا رکتی تھیں اور اسی طرح ان کے بھائی بھی۔ فوراً یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمِئِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمَا الْخِيَرَةُ (کسی مومن اور مومنہ کو شایاں نہیں کہ جب اللہ (تعالیٰ) ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی امر کا فیصلہ فرمادیں تو (اس امر میں) ان کو اختیار ہو) حالانکہ یہ ایک دنیا کا معاملہ تھا لیکن اس میں بھی حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ آپ خواہ دنیا کا کام بتلاویں یا دین کا کام بتلاویں مگر جس کو فیصلہ کر کے فرماویں اس سے انکار کفر ہے تو اس وقت اگر ہم انکار کرتے تو فوراً کافر ہو جاتے اور اس وقت تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ مولویوں کے طرز بیان سے استنکاف ہے نہ کہ حکم شریعت سے تو ہمارے لئے اس زمانہ سے بعید ہونا ہی رحمت ہوا۔ یہ صحابہؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ انہوں نے اپنا مال اپنی جان اپنی اولاد گھر باہر اپنے مصالح سب آپ کے سپرد کر دیئے تھے یہ حالت تھی کہ میں نے ایک مقام پر دیکھا ہے مگر اس وقت یاد نہیں کہ ایک شخصؓ ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھ بھی لیا ہے مقصود یہ تھا کہ کسی تدبیر سے ایک مرتبہ اس کو دیکھ لو۔ یہ مطلب نہ تھا کہ جا کر اس عورت کے ماں باپ کو پیغام دو کہ مجھے اپنی لڑکی دکھلا دیں مگر وہ ایسی بھولے بھالے تھے کہ جا کر اس عورت کے ماں باپ کو پیغام دیا کہ مجھے اپنی لڑکی دکھلا دو۔ اس لڑکی کے ماں باپ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ انہوں

امرنہوی صلا اللہ علیہ وسلم کی جیسا کہ امر نہوی صلا اللہ علیہ وسلم ہونا یعنی ہر انکار کفر ہے

۲۶

صحابہؓ کی اطاعت اور انبیاءؑ کی ایک عجیب حکایت

کچھ کہنا چاہا۔ پس پردہ لڑکی بھی موجود تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سنکر فوراً پردہ ہٹا دیا اور اپنے ماں باپ سے کہا کہ خبردار حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے بعد کچھ نہ بولنا اور اس شخص سے کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو میں حاضر ہوں تم مجھے دیکھ لو۔ صاحبو! یہ محبت کا خاصہ ہے کہ اس میں مصالح اور ننگ و عار سب بالائے طاق رکھے جاتے ہیں فرماتے ہیں

شاد و باش اے عشق خود سودائے ما اے دوائے جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

(اے عشق خدا تجھ کو خوش رکھے تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہو جاتے ہیں اور تجھ سے تمام

امراض کا علاج ہو جاتا ہے تجھ کو نخوت و ناموس کا دغیبہ ہو جاتا ہے تو ہمارے لئے مثل افلاطون اور جالینوس کی ہے)

کیا اچھی بات فرمائی ہے کہ اے دوائے نخوت و ناموس ما۔ صاحبو! یہ

حالت تھی کہ کثرت سے صحابیات نے مختلف اوقات میں آکر حضور میں

عرض کیا کہ آپ ہم کو قبول فرمائیے اور اپنی کنیزی میں لے لیجئے اور اپنے

فرما دیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے پھر کیا اس فعل پر ان کی مذمت کی گئی

بہرگز نہیں۔ ان کی جو قدر کی گئی اُس کو بھی سن لیجئے۔ حضرت انس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی نے ایک مرتبہ ایسے ہی واقعہ پر یہ کہہ دیا کہ مَا أَقَلَّ

حَيَاةَهَا (کیسی بے شرم ہے) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بگڑ گئے اور فرمایا کہ

وہ تجھ سے ہزار درجہ اچھی تھی کہ اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں پیش کرتی تھی۔ اور یہی راز ہے کہ غیر صحابی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جاوے

لیکن صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ

سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر

معاویہ بٹا گھوڑے پر سوار ہوں اور اُس کے پیروں کی گرد اڑ کر اُس گھوڑی

کی ناک پر جا بیٹھے تو حضرت معاویہ کے گھوڑے کی وہ ناک کی گرد عمر و

صحابی کی جان شریک اور واقف

۲۷

وہ صحابہ کے برابر ہونے کا راز

بن عبدالعزیز اور اویس قرنی سے افضل ہے۔ ہم کو اس فتوے کی قدر نہیں ہے مگر اہل محبت جانتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم نے کیا بات فرمائی۔ قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری (گوہر کی قدر بادشاہ جانتا ہو یا جوہری جانتا ہے) تو صحابہ میں بڑی بات یہ تھی کہ وہ حضرات پورے عاشق تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علمی عملی وہ اصلاح کی کہ نہ کوئی فلسفی اپنی قوم کی کرسکا اور نہ کوئی سلطان اپنی رعایا کی کرسکا کیونکہ ان کے پاس تو نور ہی دوسرا تھا جس کو فرماتے ہیں

أَوْ مَن كَانَ مَيِّثًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ (کیا جو مردہ ہو پس اس کو ہم زندگی بخشیں اور اس کے لئے ہم ایک نور کر دیں کہ وہ اس کو لوگوں میں لئے پھرتا ہے) اس کو نور سے تعبیر کیجئے یا برکت صحبت کہئے سب کا خلاصہ ایک ہی ہے

عِبَارَاتُنَا شَتَّى وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ وَكُلُّهُ إِلَى ذَاكَ الْجَمَالِ يَشِيرُ

(ہمارے عنوانات بیان مختلف ہیں مگر تیرا حسن ایک ہی ہو ہر عنوان اسی حسن کی طرف اشارہ کرتا ہے)

اگر ہم بھی اس مقام پر پہنچنا چاہیں جس پر صحابہ تھے (یعنی باعتبار عطا کے کیونکہ وہ جاہ تو ہم کو کہاں نصیب) تو صورت یہ ہو کہ ہم اُن سے وابستگی اطاعت کی پیدا کر لیں کہ اس کی بدولت انہی کے ساتھ ساتھ لگے چلے جاویں جیسے ایک انجن پشاور سے چلے اور کلکتہ پہنچے اور ایک ٹوٹی ہوئی گاڑی بھی کلکتہ پہنچنے کی متمنی ہو تو اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس انجن کے ساتھ اپنی زنجیر ملا دے۔ تو اب ہمارا بھی یہی کام ہونا چاہئے کہ ہم صحابہ کے ساتھ تعلق پیدا کریں۔ خیر فیہ سب چل معترضہ تھے۔ مقصود یہ تھا کہ صحابہ کی محبت کا یہ عالم تھا۔ اور کفار کو بھی اس کا علم تھا اس لئے اُن کا مقصود یہ تھا کہ تھوڑی دیر کے لئے ان میں جدائی ہی ڈال دیں تو یہ رنگ لائے مگر دوستی کے پیرایہ میں

دشمن ارچہ دوستانہ گویدت دام داں گرچہ زوانہ گویدت
زانکہ صیاد آورد بانگ صغیر تاکہ گیر دمرغ را آں مرغ گیر

دشمن اگرچہ کوئی بات دوستانہ طریق پر تم سے کہے مگر تم اس کو دھوکہ ہی سمجھو کیونکہ شرکاری

جا فروں کو پکڑنے کے لئے ان ہی جیسی آوازیں نکالا کرتا ہے۔

بدخواہوں کا ہمیشہ قاعدہ ہے کہ برنگِ خیر خواہی بدخواہی کیا کرتے ہیں دنیا میں بہت لوگوں نے مسلمانوں سے ایسا کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کفار نے یہی معاملہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراست عجیب تھی لیکن اس احتمال سے کہ شاید یہ اسی طرح ایمان لے آویں اس شرط کو منظور فرمالیا رہا صحابہ کے رنج کا خیال تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ صحابہؓ تو اپنے ہیں ان کو تو اگر ساری عمر کے لئے بھی الگ کر دیں تب بھی الگ ہو جاویں گے کیونکہ وہ تو طالبِ رضا ہیں ان کی تو وہ حالت ہے کہ

أُرِيدُ وَصَالَهُ وَيُرِيدُ هَجْرِي فَأُتْرِكَ مَا أُرِيدُ لِمَا يُرِيدُ

(میں اس کے وصال کا خواہشمند ہوں اور وہ فراق چاہتا ہے تو اس کی خواہش کی خاطر میں اپنی خواہش چھوڑ دیتا ہوں)

فرماتے ہیں

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیث باشد از غیر او تمنائے

(کیا وصال اور کس کا فراق رضائے محبوب کی تمنا ہونی چاہئے اس سے غیر اس کی تمنا کے افسوس ہوگا)

کس کا فراق اور کس کا وصال رضا کی تمنا ہونی چاہئے اور یہاں سے ایک اور جملہ مفیدہ یاد آگیا کہ جب عاشق پر رضائے محبوب کا اتباع ضروری ہو نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صحابہ عاجلِ مصلحت پر نظر نہ کرتے تھے گو مصلحت اس پر مرتب ہو جائے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ احکامِ شرعیہ میں گو مصلحت ہو مگر اطاعت اس پر موقوف نہ ہوتا چاہئے بلکہ اطاعت محض رضا کے لئے ہو۔ دیکھئے اگر کسی عورت سے عشق ہو جاوے اور وہ حکم کرے کہ میں جب طوں گی کہ جب تم پانچ ماہ چڑھا کر سر پر ٹوکر رکھ کر جوتے نکالو فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک دس چکر لگاؤ تو یہ ہرگز نہ بوجھے گا کہ اس میں

کیا مصلحت ہے سے رنار عالم سوز را با مصلحت بینی چه کار۔ الخ (عاشق کو مصلحت بینی سے کیا ہم) اگر عاشق ہے تو بیس دفعہ کر دکھائے گا۔ کہاں کی تہذیب اور کس کی عار۔ وہ اس تہذیب کو تعذیب سمجھے گا کیونکہ مانع وصال یا رہے ایسے وقت پر تو مصلحت بینی اس شخص کا کام ہے جو فارغ عن المحبت ہو اور میں یہ نہیں کہتا کہ احکام شرعیہ میں حکمتیں نہیں ہیں۔ حکمتیں ضرور ہیں مگر اول تو ہم کو ان کا احاطہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے درک کا طریقہ نہیں جو اختیار کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ محض موہوب ہیں جن کا اکثر ترتب تقویٰ پر ہوا ہے۔ ذرا تاریخ میں دیکھے کہ اُمت میں جو بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ ولی اللہ ابن العربی، عبدالکریم جیلی وغیرہ گزرے ہیں اور انہوں نے حکم و اسرار شریعت کے لکھے ہیں تو کیا انہوں نے ان اسرار کو کسی مدرسہ میں سیکھا تھا یا کسی مناظرہ سے حاصل کیا تھا ہرگز نہیں مگر بات کیا تھی کہ مدرسہ سے نکل کر علم پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ خلوص اختیار کیا اس سے ان کے قلب میں ایک نور پیدا ہوا جس کی بدولت ان کو سب کچھ منکشف ہو گیا۔ اسی کو کہتے ہیں سے

بنی اندر خود علوم انبیار بے کتاب و بے معید و اوستا
(تم کو بے معین اور بغیر استاد و کتاب کے انبیاء جیسے علوم حاصل ہوں گے۔)

تو اگر اسرار معلوم ہونے کا کوئی طریقہ ہے تو یہ ہے لیکن اس پر بھی طالب حق کو اسرار کی ہوس نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ محبت کے خلاف ہے۔ جب ایک مردار کا عاشق اس کی فرمائش کا راز دریافت نہیں کرتا اور خواہ بعد میں یہی معلوم ہو کہ اس میں خاک بھی مصلحت نہ تھی۔ مگر اطاعت میں کس طرح دوڑتا ہے تو طالب حق اور عاشق خدا کو ایسی کاوش کب زیبا ہے۔ غرض ایسی کاوش طریق محبت کے بالکل خلاف ہے۔ طریق عشق تو الماعت میں دیوانہ ہوتا ہے کہ سے اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شر روی دیوانہ ہے جو دیوانہ ہونا چاہو! اگر آپ کے نظار دنیا میں نہ رہتے تو میں آپ سے

ہرگز یہ خطاب نہ کرتا لیکن جبکہ آپ محبوبان مجازی کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے ہیں کہ ان کے ہر حکم کو بغیر دریافت اسرار پورا بجالاتے ہیں نیز حکام محبان کے ساتھ بھی آپ کا یہی برتاؤ ہے کہ اگر صاحب کلکٹر آپ سے یہ کہے کہ ہنوز آج رات کے وقت دو بجے فلاں مقام پر تم سے فلاں آدمی مشورہ کرنا ہے جس کو ہم پرسوں انجام دیں گے تو آپ کے دل میں کبھی یہ وسوسہ بھی نہ آویگا کہ جب پرسوں اس کام کو کیا جاویگا تو کل دن میں بھی تو اس کی بابت مشورہ ہو سکتا ہے پھر رات کو مجھے بچپن کرنے سے کیا فائدہ - اور اگر وسوسہ آویگا بھی تو آپ اس کو دفع کریں گے کہ خواہ کوئی مصلحت ہو یا نہ ہو ہمیں تو ان کی رضا مندی مقصود ہے تو جب اہل محبت اور اہل حکومت کے ساتھ آپ کا یہ برتاؤ ہے تو خدا تعالیٰ کے ساتھ کیوں نہیں ہو گیا خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تحقیقات مصالح کی مشق کے لئے تم کو ملے ہیں اور اگر دونوں موقعوں میں کوئی فرق ہے تو بتلائیے اور فرق نہیں تو پھر یہاں لِمَ كَانَ كَذَا اور كَيْفَ كَانَ كَذَا (یہ کیوں ہوا اور کیسے ہوا) کیوں ہے بلکہ خدا تعالیٰ تو محبوب بھی ہیں اور حاکم بھی تو یہاں تو بدرجہ اولیٰ یہ حالت ہونی چاہئے کہ

زندہ کنی عطا تو ور بکشی رضائے تو جان شدہ بتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(آپ اگر زندگی بخشیں تو زہے نصیب اور موت دیدیں تو زہے قسمت جب دل آپ کا عاشق ہو گیا تو پھر آپ جو چاہیں)

۵ زبان تازہ کر دن باقرار تو نیکینختن علت از کار تو

(آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں ملتیں نکالنے کو مانع ہے)

کیا معنی چون و چرا کے اور ہمارا حق ہی کیا ہے ہم کو نسبت ہی کیا ہے کہ ہم چون چرا کریں ہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مخالفان اسلام کا منہ بند کرنے کے لئے ہم اسرار پوچھتے ہیں اور ان کا منہ بند کرنا ضروری تو ہم کو اسرار بتلانا بھی ضروری - لیکن اگر میں مخالفین کے لئے اس سے اچھا جواب آپ کو بتلا دوں

اور آپ کے اس جواب کا محذور و مشہور ہونا ثابت کر دوں پھر تو یقیناً اس شبہ کی گنجائش نہ رہے گی اس کا بیان یہ ہے کہ مسلمان دو قسم کے ہیں ایک اہل علم دوسرے عوام تو اگر آپ عوام میں سے ہیں تب تو سیدھی بات یہ ہے کہ معترض کو عالم کا نام بتلا دیجئے کہ ان سے پوچھو ہم زیادہ نہیں جانتے اور اگر اہل علم میں سے ہیں یا وہ آپ کو ذی علم سمجھتا ہے تو اس کے لئے دوسرا جواب ہے وہ یہ کہ آپ یوں کہتے کہ احکام قوانین ہیں ان کے اسرار اسرار قوانین ہیں اور ہم قانون کے جاننے والے ہیں اسرار قانون ہم نہیں جانتے نہ ان کا بتلانا ہمارے ذمہ واجب ہے۔ دیکھئے اگر صاحب حج کسی مقدمہ میں ڈگری دیدیں تو مدعا علیہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس قانون کی رو سے آپ نے ڈگری دی ہے میں اس قانون کو تو مانتا ہوں لیکن مجھ کو خود اس میں یہ کلام ہے کہ یہ قانون مصلحت کے خلاف ہے اس لئے آپ اس کا راز بتلاویں اور اگر وہ ایسا کہے بھی تو اس کو توہین عدالت اور جرم سمجھا جاویگا اور اس پر صاحب حج کو حق ہوگا کہ توہین عدالت کا اس پر مقدمہ کرے اور اگر مقدمہ بھی قائم نہ کیا تو اتنا تو ضرور کریگا کہ کان پکڑ کر اس کو عدالت سے باہر کر دیگا۔ اور اگر اس وقت اس کی طبیعت میں حکومت کے بجائے حکمت غالب ہوئی تو یہ جواب دیگا کہ ہم عالم قانون ہیں و اضع قانون نہیں مصالح و اضع سے پوچھو۔ تو کیا کسی عقلمند کے نزدیک یہ جواب نامعقول جواب ہے یا بالکل عقل کے موافق۔ اگر عقل کے موافق ہے تو آپ مولوی بن کر یہ جواب کیوں نہیں دیتے کہ ہم عالم قانون ہیں و اضع قانون خدا تعالیٰ ہے مصالح ان سے پوچھ لینا۔ وہ جواب دیں گے خواہ اسرار بتلانے سے خواہ دماغ کی اصلاح کرنے سے اور یہ فروع اسلام کے متعلق جواب ہے۔ البتہ اگر مخالف اسلام کو نفس اسلام کی حقانیت تحقیق کرنا منظور ہے تو اصول اسلام میں عقلی گفتگو کریں گے ان میں ہم یہ مذکور جواب نہ دیں گے بلکہ

۳۲

اس کی حقانیت کے دلائل عقلیہ بتلائیں گے خواہ دس برس تک ہم سے کوئی پوچھے جائے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص سلطنت سے باغی ہو جائے اور بادشاہ کو بادشاہ نہ مانتا ہو اور آپ اسے منوانا چاہیں اور وہ اس کے ماننے کے لئے یہ طریق اختیار کرے کہ آپ سے ہر قانون کی مصلحت دریافت کرے تو آپ ہرگز اس کو یہ راہ نہ دیں گے اور اس کو ایک تطویل لاطائل سمجھیں گے اور اس شغل کو فضول قرار دیں گے البتہ یہ کریں گے کہ بدلائل بادشاہ کو بادشاہ ثابت کریں گے اور قانون کو اس کا قانون ثابت کریں گے پھر جس قانون کی نسبت وہ دریافت کریں گے اور اس کی مصلحت پوچھے گا آپ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ ہم اسکی مصلحت نہیں جانتے۔ وہ بادشاہ ہے اور یہ اس کا قانون ہے اور بادشاہ کا قانون واجب العمل ہوتا ہے پس یہ بھی واجب العمل ہے۔ بعینہ یہی تقریر خدا تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام میں بھی جاری کریں گے کہ دلائل عقلیہ سے ایک ان کا صادق ہونا دوسرا ان احکام کا ان کی طرف منسوب ہونا ثابت کر دیں گے۔ اور فروع میں اتنا ہی کہہ دیں گے کہ صادق کے احکام ہیں اور ایسے احکام واجب الامتثال ہیں۔ دوسری نظیر لہجے حکیم عبدالحمید خاں کا حکیم ہونا تو محتاج دلیل ہے لیکن ان کے حکیم مان لینے کے بعد کسی مریض کو یہ اختیار نہیں کہ ان کی تجویز کردہ اوزان ادویہ میں چون و چرا کرے اور اس کی لم ان سے دریافت کرے۔ پس جب دنیاوی معاملات میں یہ امر مسلم ہے تو شریعت کے احکام میں کیوں چون و چرا کیا جاتا ہے۔ صاحبو! یہ نہ سمجھیں کہ مولوی احکام کے مصابح نہیں جانتے۔ ان کے پاس سب کچھ ذخیرہ موجود ہے لیکن مصلحت نیست کہ از پردہ برول افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبری نیست کہ نیست در مصلحت نہیں ہو کہ راز آشکارا ہو جائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی خبر نہیں کہ معلوم نہیں

تاریخ حیات و حکمتیں خاتونِ نبویؐ

میرے پاس اگر کوئی دو برس رہے تو میں انشاء اللہ تعالیٰ ثابت کر دوں گا کہ
 ہر حکم شریعت میں حکم عقلیہ ہیں مگر ہم ان کو علوم عظیمیہ نہیں سمجھتے کیونکہ وہ سب
 ظنتی ہیں۔ لوگوں نے بہت سے حکم لکھے ہیں اور اب بھی الہام سے ہوتے ہیں مگر
 یہ سب علوم ظنیہ ہیں اس لئے علماء اس میں مشغول نہیں ہوتے۔ دوسرے اس
 میں یہ بھی خرابی ہے کہ اگر کبھی وہ ظنیت کے سبب مخدوش ہو گئے اور حکم بزعم
 سامع اسی پر مبنی تھا تو اس کے متہرم ہو جانے سے حکم شریعت بھی منہدم ہو
 جاویگا۔ لہذا بیان اسرار سے جواب دینا بے غبار رستہ نہیں صاف جواب
 یہی دینا چاہئے کہ ہم اسرار نہیں جانتے قیامت میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لینا۔ دیکھو اگر ابھی ایک منادی کرنے والا
 منادی کرے کہ صاحب کلکٹر کا یہ حکم ہے تو کوئی بھی اس سے گلخپ ہوتا ہے کہ
 حکمت اس حکم کی بیان کرو ورنہ نری منادی تعصب ہے۔ پس ہم کہیں گے کہ
 جب منادی کرنے والے سے گلخپ ہو گے اور اس کو اس منادی کے مصالح
 بتلانے پر مجبور کرو گے تو ہم بھی بتلا دیں گے۔ غرض حکم و اسرار کا علم ہم کو ہی
 الحمد للہ ہم جانتے ہیں لیکن وہ ظنتی ہیں۔ علم قطعی یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے
 اور خدا تعالیٰ کا حکم قطعی ہے لہذا یہ قطعی۔ بس یہ ہے علم قطعی۔ مگر بات یہ
 ہے کہ قطعی علم میں مزا نہیں ہوتا اور اختراعات میں لذت ہوتی ہے۔ یہ
 ہے اس مرض کی اصل وجہ۔ اس پر مجھے حکایت یاد آئی کہ میں شاہجہانپور
 سے سفر کر رہا تھا۔ ایک جنٹلمین گاڑی میں بیٹھے تھے ایک اسٹیشن پر ان کے
 خادم نے آکر اطلاع دی کہ حضور وہ تو سنبھلتا نہیں کہنے لگے کہ یہاں پہونچا
 دو۔ یہ سنکر مجھے تعجب ہوا کہ وہ کون چیز ان کے ساتھ ہوگی جو خادم سے
 نہیں سنبھل سکی اور اب یہ گاڑی میں منگا کر اس کو سنبھال لیں گے آخر
 چند منٹ بعد دیکھا کہ خادم صاحب ایک بہت بڑے اونچے کتے کو زنجیر
 میں باندھے ہوئے لارے ہیں اور وہ کتا زور کر رہا ہے۔ آخر وہ ان کے

احکام شریعت کو حکم ظنیہ پر مبنی کرنے کی خرابی

۲

ایک جنٹلمین اور اس کے سوال و جواب

سپر دیکھا گیا۔ اُنھوں نے ریل کی آہنی سلاخوں سے اس زنجیر کو باندھ دیا اس کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ جناب! کتے کا پالنا کیوں حرام ہوا۔ باوجودیکہ اس میں فلاں وصف ہے اور فلاں وصف ہر کتے میں۔ اُنھوں نے اتنے وصف بیان کئے کہ شاید ان میں بھی نہ ہوں۔ میں سب سنتا رہا۔ جب وہ کہہ چکے تو میں نے کہا کہ جناب میں نے سُن لیا اس کے دو جواب ہیں ایک عام کہ وہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شبہات کا جواب ہے اور ایک خاص کہ وہ خاص اسی کے متعلق ہے کونسا عرض کروں فرمانے لگے دونوں کہہ دیجئے۔ میں نے کہا جواب عام تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پالنے کی ممانعت فرمائی ہے اور یہ جواب عام اس لئے ہے کہ قیامت تک کے لئے شبہات کا جواب ہے البتہ اس میں دو مقدمے ہیں ایک یہ کہ آپ رسول ﷺ تھے دوسرے یہ کہ رسول کا حکم ہے اگر ان میں کلام ہو تو ثابت کروں کہ یہ تو ایمان ہے یہ تو عام جواب تھا اور یہ علمی اور حقیقی جواب تھا لیکن ان کو اس کی قدر نہ ہوئی اور کچھ حظ نہ آیا۔ کہنے لگے کہ جناب اور جواب خاص کیا ہے میں نے کہا کہ وہ یہ ہے کہ کتے میں جس قدر اوصاف آپ نے بیان کئے وہی وہ سب ہیں لیکن باوجود ان اوصاف کے اس میں ایک عیب اتنا بڑا ہے کہ اس نے تمام اوصاف کو خاک میں ملا دیا وہ یہ کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں ہوتی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک کتا دوسرے کتے کو دیکھ کر کس قدر از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ اس جواب کو سن کر وہ بہت ہی محظوظ ہوئے اور وہ اس کو جواب قطعی سمجھے۔ حالانکہ یہ محض ایک محض حکمت ہے۔ مجھے تو خبر نہ تھی کہ یہ کون ہیں اتفاق سے جب میں اٹاؤہ سے بریلی آیا تو مولوی ظہور الاسلام صاحب تحصیلدار کہنے لگے کہ آپ سے اس قسم کی گفتگو کسی سے ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ ہوئی تو تھی فرمانے لگے کہ

علیگڑھ کالج کے طالب علم اس جواب کا تذکرہ کر رہے تھے اور اس جواب سے بہت خوش تھے۔ مجھ کو اس سے گمان ہوا کہ شاید وہاں کے تعلیم یافتہ ہوں۔ میں نے اس کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ میں یہ بتلا دوں کہ جس جواب پر وہ اس قدر خوش تھے علاوہ فضول ہونے کے میری نظر میں اس کی کچھ بھی وقعت نہ تھی اور میں اس کو جواب ہی نہیں سمجھتا تھا۔ غرض علت اور حکمت کا دریافت کرنا عشق و محبت کے بھی بالکل خلاف ہے جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ہاں اگر یہ کہو کہ ہم عاشق ہی نہیں تو دوسری بات ہے لیکن خدا تعالیٰ اس کی بھی نفی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (اور مومنین اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ شدید ہیں) شدت ہی کو عشق کہتے ہیں عشق چونکہ پامال لفظ تھا اس لئے قرآن و حدیث میں اس کو کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ اور اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ میں عشق کا لفظ استعمال کرنا بے ادبی ہو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص وائسرائے کی تعریف کرنے لگے اور یہ کہے کہ اُن کو کنسٹبل کے اختیارات بھی حاصل ہیں تو اگرچہ واقع کے اعتبار سے یہ صحیح ہے لیکن یہ مدح سحت ہو اور بے ادبی ہو بلکہ بعض اوقات بعض ایسے امر کی نفی بھی موسوم نقص ہو جاتی ہے سے

شاہ راگو یاد کسے جو لاہمیہ نیست
اس نہ مداح است او مگر آگاہ نیست

(بادشاہ کو کوئی شخص کہے کہ وہ جو لاہمیہ نہیں یہ اس کی تعریف نہیں ہو بلکہ وہ بادشاہ کے مرتبہ کو واقف نہیں ہے)

تو جس کی نفی بھی مدح نہ ہو اس کا اثبات تو کیسے مدح ہو جاوے گا وہ تو اور بھی زیادہ مدح ہو گا تو لفظ عشق کو خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نہ استعمال کرنا چاہئے۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کو استعمال نہیں کیا گیا ہے ہاں شدت حُب کا لفظ آیا ہے تو جب خدا تعالیٰ ہی فرما چکے ہیں کہ تم عاشق ہو تو عشق سے انکار کیسے کر سکتے ہو۔ پس عاشق کا

مذہب اختیار کرو۔ خوب کہا ہے سے

یا مکن با پیلبانان دوستی یا بنا کن خانہ بر انداز پیل

(یا تو ہاتھی والوں سے دوستی نہ کرو ورنہ اپنا گھراتا بڑا بنو اور اس میں ہاتھی آسکے)

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی یا فروشو جامہ تقویٰ بہ نیل

(یا تو چہرہ پر عاشقی مت گداؤ یا جامہ تقویٰ کو نیل سے دھو ڈالو)

الحمد للہ تم الحمد للہ کہ زبردستی کھینچ کر ہم کو عاشقین میں داخل کیا گیا ہے۔

گویا ہماری وہ حالت ہے کہ ہم بھاگتے ہیں اور ہم کو پکڑ پکڑ کر بلایا جاتا ہے کہ

تم تو ہمارے ہو تم کہاں چلے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان

لوگوں سے بہت تعجب کرتے ہیں یعنی خوش ہوتے ہیں جو زنجیروں میں جکڑ

کر جنت میں داخل کئے جاتے ہیں۔ سو صحابہ کرام کا انداز بھی عشق تھا جیسا

اوپر مذکور ہوا وہی تم بھی اختیار کرو۔ اور اس کے برکات میں سے ایک

یہ بھی ہے کہ تم کو وہ علوم بھی عطا ہو جاویں جن کے تم طالب ہو

یعنی اسرار۔ دیکھو اگر کوئی بادشاہ سے کہے کہ ہم کو اپنا خزانہ دکھلاؤ تو

اس کو گستاخ سمجھا جاویگا۔ البتہ اگر خزانہ دیکھنے کی تمنا ہے تو اس کی

اطاعت کرو اس سے بے تکلفی پیدا کرو پھر ممکن ہے کہ ایک دن ہو کہ

ایسی عنایت بادشاہ تم کو خود ہی خزانہ پر لجا کر کھڑا کرے۔ خوب کہا ہے

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

دہم و خاطر تیز کرنا یہ حق تک پہنچنے کی راہ نہیں ہے بلکہ شکستگی کی ضرورت ہے بجز شکستہ لوگوں کے فضل خداوندی کی قبول ہوتی

یعنی باروں شکستگی اور پستی کے کچھ نہیں ہوتا۔ اور پستی ہی میں یہ اثر ہے سے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲) کیسے دیکھی جواب یہ ہے کہ عشق تو سب میں ہی مگر عوارض میں مستور ہے۔ چنانچہ محرک کے ورود پر ہر شخص

میں اس کا ظہور ہوتا ہے پس جس وقت وہ مستور ہوتا ہے اس وقت لم اور کیف (کسٹے اور کیسے) بھی سوچتا ہے پس مقصود مقام کا

یہ ہے کہ ان محرکات کو کہ ان میں فکر بھی کام میں لاؤ اور آثار سے متلون ہو کر ان آثار میں سو لیم اور کیف کا قطع ہونا بھی ہو پتہ

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

(جس جگہ نیچاں ہوتے ہیں پانی وہیں مرتا ہے جہاں اشکال ہوتا ہے وہاں ہی جواب دیا جاتا ہے)

ہر کجا دروے دوا آنجا رود ہر کجا رنجے شفا آنجا رود

(جس جگہ بیماری ہوتی ہے وہیں دوا کی ضرورت ہوتی ہے اور جہاں رنج ہوتا ہے وہاں شفا پہنچتی ہے)

سا لہا تو سنگ بودی دلخراش آزموں رایک زمانے خاک باش

(تم نے برسوں پتھر کی طرح سخت رہ کر دیکھ لیا اب ذرا آزمانے ہی کو کچھ دن خاک ہو کر دیکھ لو)

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ خاک شو تا گل بر وید رنگ سنگ

(موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتے ہیں خاک ہو جاؤ تو رنگ برنگ کے پھول اُگیں گے)

خلاصہ یہ ہے کہ تفویض و تسلیم سے کام چلتا ہے اور بالکل خاک میں مل

جانے سے۔ اور جس کو یہ دولت ملی ہے اسی طرح ملی ہے۔ اور جو ساری عمر

قیل و قال میں رہے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ پس پہلا طریقہ محمود اور ہدایت

اور دوسرا طریقہ ناموم اور ضلالت ہے **فَدَيْنَاهُمُ الْجَدِّينَ** ہم نے دونوں رستے

دکھلا دیئے اب جس کا جاہر جی چاہے چلا جاوے۔ مضمون بہت بڑھ گیا

مقصود یہ ہے کہ صحابہؓ کو ایسی محبت تھی کہ اگر آپ فرماتے کہ ساری عمر

ہم کو نہ دیکھو تو وہ ایسا ہی کرتے چنانچہ دو واقعے ہوئے بھی۔ ایک اویس

قرنیؓ کا کہ انھوں نے باوجود شدت اشتیاق زیارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا حکم شرعی سن کر کہ والہ کی خدمت نہ چھوڑنا تمام عمر زیارت نہیں کی

مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر کہ جو زیارت فی المنام (سونے میں زیارت) کی

تمنا کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت احکام میں نہیں

کرتے حالانکہ زیارت فی المنام (خواب میں زیارت) موخر ہے رتبہ میں زیارت

فی اليقظ (بیداری میں زیارت) سے تو حضرت اویسؓ نے یہاں تک اطاعت

کی کہ زیارت فی اليقظ (بیداری میں زیارت) بھی نہیں کی۔ کیونکہ سمجھتے تھے کہ اطاعت

کا تو کچھ بدل نہیں اور زیارت کا بدل ہے۔ وہ یہ کہ اگر یہاں نہ ہوگی تو

آخرت میں ہو جاویگی۔ کسی نے خوب کہا ہے ۷
کشتے کہ عشق دارد نگذاردت بد۔ بجز ازہ گرنیانی بجز از خواہی آمد

(عشق میں جو کشتش ہو وہ تجھے یوں ہی نہ چھوڑ دیگی بلکہ اگر تو جوازہ پر نہ آیا تو مزار پر ضرور آئیگا)

اس میں بھی بدل کا مضمون ہے۔ جب اولیں قرنیٰ سے کہ تابعی ہیں ایسا
واقعہ ثابت ہے تو صحابہؓ کا کیا کہنا ہے۔ دو نثری حکایت حضرت وحشیؒ
کی ہے اگرچہ یہ صحابی مشہور نہیں ہیں لیکن ہیں صحابی۔ گو حضرت عمرؓ اور
حضرت ابو بکرؓ کے درجہ کے نہیں ہیں ۷

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود لیک بس عالیت پیش خاک تو د

(آسمان اگرچہ عرش کی نسبت پست ہے مگر ایک خاک کے ٹیلے کے سامنے تو بہت بلند ہے)

تو ان کا واقعہ یہ ہوا کہ آنھوں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا۔ جب یہ
مسلمان ہو کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ هَلْ تَسْتَطِيعُ اَنْ
تَغِيْبَ وَجْهَكَ عَنِّي (کیا اپنا چہرہ مجھ سے غائب رکھ سکتے ہو) یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا سے اس قدر محبت تھی کہ ان کی
بدولت ایک مسلمان سے ایسے رنجیہ رہے کہ ان کی صورت دیکھنا بھی
پسند نہیں فرماتے تو یہ تو بڑی رنج کی بات ہے کہ آپ خلاف مزاج امر
سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں تو اس حالت میں عاصی آپ سے کیا امید
کریں خدا جانے آپ کتنے ناخوش ہوں اور ہم کو کہاں دور پھینک دیں
مگر ہم کو اس واقعہ ہی سے ایک بہت بڑی بات بشارت کی ہاتھ آئی۔ یہی
واقعہ ہے کہ جس سے انشاء اللہ تعالیٰ ہماری تمام مشکلات حل ہونگی۔ کیونکہ
اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے متاثر ہونے والے
ہیں کہ ایک منتسب کی دنیاوی تکلیف کی آپ کو سہار نہیں تو قیامت
میں اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑ کر کھڑے ہو جاویں گے
تو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مصیبت کو دیکھ نہ سکیں گے

اور ہماری مدد فرماویں گے۔ اور صحابہ کرام نے اسی قسم کی ایک حدیث سے ایک ایسی ہی عجیب بات سمجھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث بیان فرما رہے تھے صحابہؓ نے اس پر عرض کیا **هَلْ يَضْحَكُ رَبَّنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ** یعنی کیا اللہ میاں ہنستے بھی ہیں۔ اور یہیں سے یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ صحابہ کرام کا علم کیسا عمیق تھا کہ اللہ میاں کے ہنسنے کو تو پوچھا لیکن آجکل کے طباعوں کی طرح اُس کی کیفیت نہیں پوچھی۔ کیونکہ جانتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی کو پوری طرح نہیں پہچانا تو اُس کی صفات کی کیفیت کیسے سمجھ میں آسکتی ہے۔

تو نہ دیدی گئے سلیمان را چہ شناسی ز با او در آں را

(جب تو نے کبھی سلیمان علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں تو پھر پرندوں کی بویاں کیسے سمجھے گا۔)

ایک بزرگ سے کسی نے شبِ معراج کی مفصل گفتگو کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب میں کیا خوب فرمایا ہے

انکوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

(کس کی بہت اور حوصلہ ہو کہ باغ کے مالی سے یہ پوچھے کہ ببل نے کیا کہا اور بھول نے کیا سنا اور صبانے کیا کیا)

غرض صحابہؓ نے اُس حدیث کو سن کر عرض کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسے رب سے خیر کے ملنے سے محروم نہ رہیں گے جو ہنستا بھی ہے یعنی اب کچھ غم نہیں کیونکہ نہیں معلوم کس بات پر ہنس پڑیں گے اور ہمارا کام بن جاوے گا۔ صحابہؓ کے یہ علوم ہیں۔ اب ان میں ہمیں اس لئے لطف نہیں آتا کہ ہمارا قلب مثل عنین کے ہو گیا ہے اس کو جس نہیں رہی جیسے عنین کو عورت میں لطف نہیں آتا۔ اسی طرح ہم باعتبار قلب کے عنین اور نابالغ ہیں۔ خوب کہا ہے

خلق اطفالنا جز مست خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(ساری مخلوق بچوں کی طرح ہو سوائے اُس شخص کے جو حق تعالیٰ کا مست ہو بساں بالغ وہی ہو جو ہولے نفسانی سوچوٹ گیا)

تو صحابہؓ نے جیسے اُس حدیث سے سمجھا اُسی انداز پر اس وقت خدا تعالیٰ نے حضرت وحشیؓ کے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اگر ہم چل جاویں گے تو ضرور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہماری مدد فرماویں گے غرض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت وحشیؓ سے فرمایا اور انھوں نے کر کے دکھلا دیا کہ تمام عمر سامنے نہیں آئے۔

أُرِيدُ وَصَالَهُ وَيُرِيدُ بِيَجْرِي فَاتْرُكُ مَا أُرِيدُ لِمَا يُرِيدُ

(میں اس کے وصال کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے فراق کا ارادہ کرتا ہے۔ پس میں اپنی

مراد کو اس کی مراد کی وجہ سے چھوڑتا ہوں)

کیا کیا لہریں ان کے دل میں اٹھتی ہوں گی کہ

از فراق تلخ میگوئی سخن ہرچہ خواہی کن ولیکن این کن

(فراق کی تلخ باتیں کرتے ہو اور جو چاہو سو کرو مگر یہ نہ کرو۔)

اگر کردن بھی کاٹ لیتے تو یہ غم نہ ہوتا۔ ایک توجہ جانی کا غم دوسرا یہ غم کہ لوگوں کی نظروں میں کیسی ذلت ہوگی مگر عاشق تھے کچھ بھی پروا نہ کی۔ جان و مال و آبرو سب فدا کر دیا۔ اور دوسرے صحابہؓ بھی کیسے مہذب کہ کسی نے اُن کو ذرا نہیں چڑایا بلکہ اُن کی زیارت کرنے ملک شام میں جاتے تھے چنانچہ اُن سے ایک صحابی ملنے گئے اور اُن سے حضرت حمزہؓ کے قتل کا واقعہ پوچھا۔ کہنے لگے خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کا کفارہ بھی ہو گیا کہ میں نے مسیہ کذاب کو قتل کیا۔ تو صحابہؓ جب ایسے تھے کہ اتنی بڑے امر میں اطاعت کر لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ اگر ہم ایسا کر لیں کہ ان رؤسار کے آنے کے وقت ان غرباء کو مجلس میں رہنے سے منع کر دیں تو اُن کو تو ذرا بھی ناگوار نہ ہوگا اور شاید یہ رؤسار ایمان لے آویں ورنہ اتمام حجت ہی ہو جاویگا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوچ رہے تھے کہ ایسا کریں یا نہ کریں کہ یہ آیت نازل ہوئی وَاصْبِرْ

نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الدُّنْيَا رَأَيْتَ كَوَانِ لَوْ كُنَّا كَمَا كُنَّا مَقِيدًا رُكَّعًا رُكَّعًا وَسَوَاءٌ أَعْمَرَ أَيُّكُمْ وَرَأَيْتَ لِمَا يَدْعُونَ بِهِ سَعَاءٌ وَإِنَّ هِيَ تَأْكُلُ سِمَكًا مَدْفُونًا

مقید رکھا کیجئے جو اپنے رب کی عبادت صبح و شام محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مایہ جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گذر گیا ہے۔

یہ شانِ نزول بیان کیا تھا جس میں بعض اور ضروری مضمون بھی بیان ہوئے

اِنَّ فِيْكُمْ لَمَنْ يَدْعُو بِاللَّهِ وَرَبِّهِ الْغَدَاوَةَ وَالْعَشِيَّ وَرَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ الْاِيْعِنُ

کھو اپنے کو ان لوگوں

کے ساتھ جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت اس طرح کرتے ہیں کہ اس عبادت میں ارادہ کرے۔ یہ محض خدا تعالیٰ کی رضا کا یعنی اپنے نفس کو مقید کر کے رکھے یعنی ان کو اٹھانے کی اجازت تو کہاں ہے خود بھی نہ اٹھئے۔ مثلاً خود ہی اٹھ کر ان روسا کو دوسری مجلس میں لیکر بیٹھ جاتے جس میں ان غبار کی ذلت بھی نہیں مٹھی دیکھئے وَ اَصْبِرْ نَفْسَكَ (جائے رکھے اپنے نفس کی ارشاد ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی تقاضا ہو قلب میں کہ میں اٹھوں کیونکہ اس اٹھنے کا داعی بھی دین ہی تھا مگر صبر کر کے بیٹھئے اس سے سمجھئے کہ کیا چیز ہیں مساکین۔ محض اس لئے کہ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (محض اس کی رضا جوئی کا ارادہ کرتے ہیں) خوب کہا ہے

مبیں حقیر گدایاں عشق را کیں قوم شہاں بے کمر و خسر و اں بے کلا اند

(گدایانِ عشق کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ لوگ بے تاج و تخت کے بادشاہ ہیں ۱۲)

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں کہ ناز برفلاک و حکم برستارہ کنم

(گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کی حالت میں دیکھو کہ آسمان پر نازاہ و ستاری پر حکم کرتا ہوں ۱۳)

جب ہی تو یہ بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ دو جہان کے

بادشاہ ہیں فرماتے ہیں اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مَسْكِيْنًا وَاخْرُجْنِيْ فِيْ زُحُوْمِ الْمَسْكِيْنِيْنَ

دیکھتے یہ نہیں فرمایا کہ مساکین کا حشر میرے ساتھ ہو بلکہ یہ فرمایا کہ میرا حشر مساکین کے ساتھ ہو یعنی وہ لوگ تو اپنی جگہ رہیں میں ان کے ساتھ ہو جاؤں جہاں مسکین ہوں وہیں میں ہوں ورنہ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ جہاں میں ہوں وہاں یہ آجاویں۔ اور یہ یہاں سے انداز ہو گا کہ مسکنت کیا چیز ہے۔ صاحبو وہ اتنی بڑی چیز ہے کہ ایک ایسے بڑے سخت مرض کا علاج بھی ہو کہ وہ تمام مفاسد کی جڑ ہے اس سے تمدن اور دین دونوں بگڑتے ہیں اور وہ مرض کبر اور نخوت ہے کہ جتنی متعری خرابیاں ہوتی ہیں۔ لڑائی غیبت حسد یہ سب تکبر کی بدولت ہوتے ہیں ہمارے مرشد حاجی صاحب نے ایک مرتبہ ایک ایسی عجیب اور گہری بات فرمائی کہ جو آج تک کسی رفارمر کی زبان پر بھی نہیں آئی۔ فرمانے لگے کہ لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی جڑ کی خبر نہیں ہے۔ اتفاق کی جڑ ہے تواضع۔ ہر شخص اپنے اندر تواضع پیدا کرے کیونکہ نا اتفاقی ہمیشہ کبر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ جب ہر شخص اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھے گا تو بہت سی باتوں میں اپنی حقوق کی اضاعت بھی سمجھے گا ہر بات میں اپنے کو دوسرے پر بڑھا نا چاہے گا اور اس سے نا اتفاقی پیدا ہوگی۔ اور جب ہر شخص میں تواضع ہوگی تو ہر شخص اپنے اوپر دوسرے کے حقوق سمجھے گا اور ان میں اپنے کو قاصر پاوے گا تو سب کے سب ایک دوسرے کے سلنے لچیں گے اور یہی اتفاق ہے۔ ہمارے عقلاء اتفاق کی کوشش کر رہے ہیں مگر ساتھ ساتھ کبر و نخوت کا بھی اہتمام کر کے اسی اتفاق کی جڑ کاٹ رہے ہیں بعینہ وہی حالت ہے

یکے برسر شاخ و بن سے بڑید خداوند بستاں نگہ کرد دید

(ایک آدمی ٹہنی پر ہے اور جڑ کاٹ رہا ہو مالک باغ نے نظر کی اور دیکھا)

تو ہم شاخ اتفاق پر بیٹھے ہیں لیکن کبر کے تیر سے اس کی جڑ کاٹ رہی ہیں

آج خود داری تکبر کی تعلیم کی جاتی ہے اور اُس کا نام رکھا گیا ہے اولوالعزمی صاحبِ اولوالعزمی یہ ہے کہ سلطنت پر لات مار دی اور حالت یہ ہو کہ لنگے زیر و لنگے بالا (ایک لنگی باندھے ہوئے اور ایک لنگی اوڑھے) اولوالعزمی کا حاصل یہ ہے

موجد چہ بر پائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
 آمید و ہراسش بنا شد ز کس ہمیں است بنیاد توحید و بس
 (موجد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ زربکھیریں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں آمید و خوف
 اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے ۱۲)

اور وہ حالت ہو

آں کس کہ ترا ست جاں را چہ کند فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
 (جس شخص کو آپ کی معرفت حاصل ہو گئی اس کو جان اور فرزند و اسباب کی پروا نہیں ۱۲)
 صاحبِ اولوالعزمی وہ ہے جو صحابہ نے کرنے دکھلا دی کہ ماہانِ ارمنی کے دربار میں جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو آدمیوں کو ہمراہ لیکر تشریف لے گئے تھے۔ ماہانِ ارمنی نے حریر کا فرش بچھایا ہوا تھا۔ حضرت خالد نے اس کو اٹھا دیا۔ ماہان نے کہا کہ اے خالد میں نے تمہاری عزت کے لئے یہ فرش بچھایا تھا۔ حضرت خالد نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا فرش تیرے فرش سے بہت اچھا ہے اب غور کیجئے کہ حضرت خالد صرف سو آدمیوں کے ساتھ ہیں اور ماہانِ ارمنی کے پاس دو لاکھ فوج ہی۔ لیکن حضرت خالد کیا گفتگو کرتے ہیں۔ ماہانِ ارمنی نے کہا کہ اے خالد میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو بھائی بنا لوں حضرت خالد نے فرمایا کہ بہتر ہے کہو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) ماہانِ ارمنی نے کہا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ حضرت خالد نے فرمایا تو اس حالت میں ہم نے حقیقی بھائیوں کو بھی چھوڑ دیا تجھ کو

اولوالعزمی کے معنی میں ہر مردان قوم کی فلاح ہے

اولوالعزمی کے معنی میں

۱۲

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں کی اولوالعزمی کی حکایت

کیا بھائی بناتے۔ پھر حضرت خالدؓ نے فرمایا اے ماہان تو مسلمان ہو جاورنہ وہ دن قریب نظر آرہا ہے کہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس طرح حاضر کیا جاویگا کہ تیرے گلے میں رسی ہوگی اور تجھ کو ایک شخص گھسیٹتا ہوگا۔ اس پر ماہان ارمنی آگ ہو گیا غضبناک ہو کر کہا کہ پکڑو ان لوگوں کو حضرت خالدؓ فوراً کھڑے ہو گئے اور ہمراہیوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ خبردار اب ایک دوسرے کو مت دیکھنا اب انشاء اللہ تعالیٰ حوض کوثر پر ملاقات ہوگی اور فوزا میان سے تلوار کھینچ لی۔ یہ ہیئت دیکھ کر ماہان مرعوب ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں تو ہنسی کرتا تھا۔ جب حضرت خالدؓ درست ہو کر بیٹھے یہ ہے اولو العزمی نہ یہ کہ غایت کبر و نخوت و تنفر عن المساکین (سین سے نفرت) سے جنگل میں جا بے کہ نہ مسلمان ان کو دیکھ سکیں نہ یہ مسلمانوں کو دیکھ سکیں نیز جس کا نام آج اولو العزمی رکھا گیا ہے وہ وہ ہے جس کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے لَا يَرْبِي دُونَ غُلُوًّا فِي الْآرْضِ وَلَا فِسَادًا (نہیں ارادہ کرتے ہیں بڑائی کا زمین میں اور نہ فساد کا) تو اولو العزمی صحابہؓ نے کر کے دکھلائی ہے اور وہ توحید سے ہوتی ہے۔ آجکل تکبر کا نام اولو العزمی رکھا گیا ہے اور اُس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ صاحبو! کیسے افسوس اور رنج کی بات ہے آج بچوں کو وہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ان میں بچپن ہی سے اینٹھ مروڑ پیدا ہو جاوے۔ مجھ سے ایک رئیس نے پوچھا کہ اگر بچہ نوکر کی خطا کرے تو کیا کرنا چاہئے یعنی اس حرکت پر اُس کو کسی قسم کی تنبیہ کرنی چاہئے یا نہیں۔ میں نے کہا اُس بچہ کو کہنا چاہئے کہ اُس نوکر سے عذر کرے۔ کہنے لگے کہ یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے۔ اس سے اولو العزمی میں ضعف ہوتا ہے۔ پھر جب میں نے اس اولو العزمی کی حقیقت سمجھائی کہ یہ باخلفی اور تکبر ہے تب اُن کی سمجھ میں آگیا۔ صاحبو واللہ لوگوں کو پرورش اور تربیت نہیں آتی۔ تربیت یہ تھی کہ جو پہلے اتالیق کرتے تھے۔ ایک شاہزادہ کی

حکایت ہے کہ وہ ایک معلم کے پاس پڑھتا تھا۔ ایک روز بادشاہ جو مکتب میں گئے تو دیکھا کہ نہ شاہزادہ ہے اور نہ معلم ہے۔ دوسرے لڑکوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ معلم صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر گئے ہیں اور شاہزادہ ان کے پیچھے ساتھ گیا ہے۔ بادشاہ کو یہ حرکت ناگوار ہوئی اور جس طرف ان کا جانا سنا تھا خود بھی اسی طرف کوچلا۔ آخر ایک جگہ ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں اور شاہزادہ گھوڑے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ بادشاہ نے معلم سے پوچھا کہ آخر اس کا کیا سبب ہے۔ کہنے لگے کہ جناب آپ کو معلوم ہے کہ یہ شاہزادہ ہے اور خدا تعالیٰ نے کیا تو یہ تخت سلطنت پر بھی متمکن ہو گا اُس وقت ایسے بھی مواقع ہوں گے کہ یہ سواری پر ہو اور اس کے ساتھ اس کے حشم خرم بھی ہوں۔ پس میں اسی وقت سے اس کو گھوڑے کے ساتھ بھگا کر یہ بتلا رہا ہوں کہ خدام کو پیادہ دوڑنے میں ایسی تکلیف ہوا کرتی ہے تاکہ یہ اپنی تکلیف کو یاد کر کے اپنی حشم خدم پر رحم کرے اور وسعت سے زیادہ تکلیف ان کو نہ دے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا جزاک اللہ (اللہ تعالیٰ تجھ کو جزا دی) تم نے بہت بڑی اصلاح کی۔ تو یہ ہے تربیت کا طریق۔ اب تکبر کا ایسا چرچا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کی پناہ اور یہی ہماری تباہی کا سبب ہے اور اس کا علاج ہی مسکنت جو بات دس برس کے مجاہدہ میں بہ وقت حاصل ہو سکتی ہے وہ مسکنت سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے اور یہ مسکنت کی وہ منفعت ہے جو میری سمجھ میں آئی ورنہ اصل یہ ہے کہ مسکنت فی ذاتہا بھی محبوب عند اللہ ہے۔ پیا جس کا چاہے وہی سہاگن ہوئے۔ شاید اس تقریر سے کسی کے دل میں یہ بات پیدا ہو کہ ہم بھی گھر لٹا دیں گے اور مساکین میں داخل ہو جاویں گے۔ صاحبو ہرگز ایسا مناسب نہیں۔ مساکین میں داخل ہونے کا یہ طریق ہے کہ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (آدمی اس شخص کے ساتھ ہو جس سے وہ محبت کرتا ہے)

۱۴

تبرکات علاق

آیت صدر والعبر زلفک سے صحبت نیک کی فضیلت

تم ان سے محبت رکھو انشاء اللہ تعالیٰ انہیں کے درجہ پر پہنچ جاؤ گے۔ اسی کو فرماتے ہیں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم یا عَابِسْتُمْ قَرِيبِي الْمَسَاكِينِ وَجَالِسِيهِمْ (نزدیک ہو تو مساکین کے اور ان کے پاس بیٹھو) لفظ قریبی (نزدیک ہونے) میں تو ان کو آنے دینے کے لئے فرمایا اور لفظ جالسِیہم (بیٹھ تو ان کے پاس) میں اس سے بڑھ کر یہ بتلا دیا کہ اگر وہ خود نہ آویں تو جا کر بیٹھو۔ دیکھئے کتنی بڑی عزت ہے مساکین کی یہ ہی مسکنت ہے جس سے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ اِحْبِذْ نَفْسَكَ (جمائے رکھے اپنے نفس کو) یہ بیان تھا ترجمہ آیت کا۔ اور آیت کے ترجمہ سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مقصود میرا کیا بیان کرنا ہے مگر میں تصریحاً بھی کہے دیتا ہوں سو مدلول لغوی آیت کا تو یہ ہے جو کہ میں نے بیان کیا مگر اس کی ایک غایت ہے اُس غایت سے میرا مقصود اچھی طرح سمجھ میں آجاویگا میں نے سوچا تھا کہ کوئی صریح آیت سمجھ میں آجاوے مگر جلدی میں سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن خیر اب سمجھے کہ غایت اس احْبِذْ سے کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رعایت نفع صحابہ کی کیونکہ دو حال سے خالی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مساکین کو نفع پہنچتا ہے یا نہیں اگر نہیں پہنچتا تو پھر اس حکم سے کیا فائدہ ہوتا۔ اور اگر کوئی کہے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نفع پہنچتا ہو اجر تبلیغ کا تو یہ بالکل غلط ہے کہ صرف اس کو مدار حکم کہا جاوے۔ اس میں صحابی کی کیا تخصیص ہے یہ تو تبلیغ الی الکفار (کفار کی تبلیغ) میں بھی مشترک ہے پس معلوم ہوا کہ ان مساکین کو آپ سے نفع پہنچنا بڑی غایت ہے اس حکم کی یعنی اگر یہ آپ کے پاس بیٹھیں گے تو ان کو نفع ہوگا۔ اس سو ثابت ہوا کہ مقبولانِ الہی کے پاس بیٹھنے سے نفع ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا سا جملہ ہے مگر میں اس کی تفصیل کروں گا اور یہ ہی میرا مقصود ہے بیان سے اور مسئلہ سب کے نزدیک مسلم بھی ہے اور قرآن شریف میں منصوص بھی ہو اَتَقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو) اس آیت

میں تو یہ مصرح ہی ہے اور جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اُس میں گو مصرح نہیں لیکن حسب تقریر مذکور لازم آگیا۔ پھر یہ کہ اُس کا مسلم ہونا ہی کافی ہے لیکن باوجود مسلم ہونے کے افسوس ہے آپ کے دلوں میں درجہ ضرورت میں یہ کبھی نہیں آیا اور یہ ہی ضرورت داعی ہوئی اس کے بیان کی۔ یہ تو عام خیال ہے کہ نیک صحبت نافع ہوتی ہے لیکن اس کا ضروری ہونا سو عقیدہ کے درجہ میں بھی اس سے غفلت ہے اور عمل کے اعتبار سے بھی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام لوگ اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے دنیا کی فلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن میں جو دین کا مذاق غالب رکھتے ہیں وہ دین کے لئے مولوی بناتے ہیں جو دنیا دار ہیں وہ معاش کے لئے تیار کرتے ہیں۔ غرض ایک نے دین کی فلاح کی کوشش کی اور ایک نے دنیا کی فلاح کی کوشش کی لیکن اس فہرست مساعی میں کہیں یہ فکر نہیں جس کا نام نیک صحبت ہے یعنی بالاستقلال اس کا اہتمام کسی نے بھی نہیں کیا۔ جیسے اور کاموں کو ضروری سمجھتے ہیں اس کو کسی نے بھی ضروری نہیں سمجھا۔ مثلاً ہفتہ بھر میں ایک دن یا مہینہ بھر میں ایک دن یا سال بھر میں ایک مہینہ کسی نے اس لئے دیا ہو کہ اس میں صحبت نیک سے مستفید ہوں تو ہمارا یہ عمل اس کی شہادت دے رہا ہے کہ ہم نے اس کو کسی درجہ میں بھی ضروری نہیں سمجھا۔ دیکھئے سارے کاموں کے لئے وقت مقرر ہیں کھانے کے لئے بھی آرام کے لئے بھی سیر کے لئے بھی مگر صحبت نیک کے ذریعہ سے محض تہذیب اخلاق کے لئے بھی کسی نے وقت مقرر کیا ہے؟ اس کے جواب میں محض صفر ہے۔ یہ ہے وہ مضمون جس کی طرف توجہ کی ضرورت ہو اس لئے کہ اس کی طرف سے غفلت عام اور ضرورت اس کی بچد کہ دنیا کا یا دین کا کوئی کمال بغیر صحبت کے نہیں ہو سکتا۔ ہاں نام کو جو چاہے ہو جاؤ باقی واقع میں وہ حال ایسا ہی ہے کہ

خواجہ پنہار د کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پنہار نیست

(خواجہ کا گمان ہے کہ اس کو کچھ حاصل ہے خواجہ کو بجز غرور کے کچھ حاصل نہیں۔)

اس وقت لوگ مطالعہ کتب کو کمال سمجھتے ہیں۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ کوئی کمال بدون ماہر سے حاصل کئے نہیں آسکتا اور ماہر سے حاصل کرنا موقوف ہو صحبت پر۔ اور دنیاوی کمالات کو جانے دیجئے اس کا مجھے تجربہ نہیں نہ مجھے اس کے متعلق گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حارث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ از آفتاب گویم

(میں نہ شب ہوں نہ شب پرست کہ خواب کی تعبیر بیان کرو محبوب حقیقی کا غلام ہوں محبوب ہاکی باتوں کو بجز سوسنی)

گو مولویوں پر یہ بھی اعتراض ہے کہ دنیا کی اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں بتلائے

مگر میں اس کا ایک جواب دیا کرتا ہوں کہ یہ اعتراض ایسا ہے کہ جیسے حکیم

محمود خاں کے پاس کوئی مرقوق جاوے اور وہ نبض دیکھ کر ایک نسخہ

لکھ دیں جب وہ نسخہ لیکر باہر آیا تو دروازہ پر ایک چمار ملا کہنے لگا کہ

حکیم صاحب نے کیا بتلایا۔ مریض نے نسخہ دکھلا دیا دیکھ کر کہنے لگا کہ تمہاری

جوتی ٹوٹی ہوئی ہے اس کے متعلق بھی کچھ بتلایا۔ مریض نے کہا کوئی نہیں

کہنے لگا کہ حکیم محمود خاں بھی دنیا کی ضرورت سے بالکل ہی غافل ہیں۔ صاحب

اس مشیر کو کیا جواب دیجئے گا بجز اس کے کہ یہ حکیم صاحب کا منصب ہو

اور یہ تیرا کام ہے۔ اسی طرح ہم دق روحانی کا نسخہ بتلاتے ہیں اور

دنیاوی مقاصد کو جوتی سینے کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔ تو پھر ہم پر ہمارے

خلاف منصب کیوں الزام دیا جاتا ہے۔ صاحبو! غضب ہے کہ سنا رکے

پاس کھڑا لیجاؤ کہ اس کو بنا دے یا قاضی شہر سے چار پائی بنواؤ ہاں اگر

حکیم محمود خاں جوتی بنوانے سے منع کریں تو وہ مجرم ہیں۔ لیکن اگر جوتا

اس طرح سے سلوایا جاوے کہ کھاں میں کوستالی نکلنے لگے تو حکیم محمود خاں

پر فرض ہے کہ منع کریں اور کہیں کہ اس زخم سے تمہارا سارا بدن سٹ

علا پر دنیا حاصل کر لینا طریقہ بتانا واجب نہیں بلکہ بتانا خلاف منصب ہے

۱۷

جاویگا۔ بس اسی طرح اگر مولوی جائزہ لیکھوں سے دنیا کمانے کو منع کریں تو بیشک مولویوں پر الزام ہے لیکن اگر دین میں ستالی نکالنے لگے گی تو وہ ضرور منع کریں گے اور یہ منع کرنا واقع میں ترقی سے روکنا نہیں ہے۔ صاحبو اگر ایک شخص جیب میں اشرفیاں بھرے اور جب جگہ رہ جاوے تو اوپر سے کوڑیاں بھرنے لگے اور کوڑیوں کو مٹھونس مٹھونس کر بھرنے کے بوجھ سے جیب پھٹنے لگے کہ اشرفیاں نکلنے لگیں اور یہ حالت دیکھ کر کوئی شخص اس کو اس طرح کوڑیاں بھرنے سے منع کرے تو اس کو مانع ترقی کہا جاوے گا ہرگز نہیں۔ وہ کوڑیاں کس کام کی جو اشرفیاں کھو کر حاصل کی گئیں ہوں۔ پس جب آپ کا دین کہ اشرفیوں سے زیادہ قیمتی ہے برباد ہو رہا ہے تو دنیا کی چند کوڑیاں جمع کر کے آپ کو کیا فلاح ہوگی تو اس حالت میں مولوی ضرور منع کریں گے اور اگر یہ امر آپ کی سمجھ میں آجاویگا تو آپ بھی کہنے لگیں گے سے

مبادا دل آل فرود ما یہ مشاد کہ از بہر دنیا دہر دیں بباد

(وہ کمینہ خوش دل نہ رہے جس نے دنیا کا وجہ سے دین کو خراب کیا۔)

ہم کو گویہ بھی جائز ہے کہ ہم آپ کو آپ کے دنیاوی نقصانات سے بھی بچاویں لیکن ہم اس کو اپنا منصب نہیں سمجھتے اس لئے دوسرے مشاغل دینیہ کے غلبہ سے قصداً ایسا نہیں کرنا چاہتے کیونکہ سے

ماہر چہ خوانارہ ایم فراموش کردیم الاحادیث یار کہ تکرارے کنیم

(جو کچھ ہم نے پڑھا سب کو فراموش کر دیا بجز محبوب حقیقی کی باتوں کے کہ ان ہی کا تکرار کرتے ہیں۔)

دیکھئے انگریزوں کا فتویٰ ہے کہ ہر کام کے لئے ایک جماعت رہنی چاہئے تو اس فتوے کے مطابق مولویوں کو صرف دین کے کام کے لئے رکھو۔ مگر آجکل عجب اندھیر ہے کہ سارے کام ایک ہی جماعت کے ذمے سمجھے جاتے ہیں اور سارے کاموں کے الزام مولویوں ہی پر ہیں۔ اور اگر مولوی کچھ

معاذ دنیا حاصل کرنے کو منع نہیں کرتے

۱۸

کرتے بھی ہیں اور روپیہ کی نسبت ان حضرات سے کہتے ہیں کہ روپیہ ہمارے پاس نہیں وہ جمع کیجئے تو جواب ملتا ہے کہ تم ہی چندہ بھی کر لو۔ مجھے ایسے لوگوں کی حالت پر اکبر کے زمانہ کا ایک قصہ یاد آیا کرتا ہے کہ اکبر نے کسی خوشی میں اپنے بھانڈ کو ایک ہاتھی دیا یا تھا وہ کھلاوے کہاں سو آخر اس نے ایک ڈھول اس کے گلے میں ڈال کر چھوڑ دیا۔ اکبر شاہ نے اتفاقاً اس ہیئت میں دیکھا۔ پوچھا۔ اس نے کہا حضور جب مجھ کو کھلایا نہ گیا میں نے ڈھول گلے میں ڈال کر چھوڑ دیا کہ بھائی مانگ اور کھا۔ تو گویا مولوی اکبر کے بھانڈ کے ہاتھی ہیں۔ کیوں صاحب مولویوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ روپیہ مانگیں۔ ہمارا کام زبان اور ہاتھ کا ہے۔ باقی روپیہ دینا یا جمع کرنا یہ آپ کا کام ہے۔ بیان اس کا تھا کہ دنیاوی اصلاحات میں دخل دینا مولویوں کا کام نہیں ہے بلکہ ان کا حسن تو یہ ہے کہ اس سے یہ واقف بھی نہ ہوں۔ بچہ کا کمال یہ ہے کہ وہ بالکل بھولا ہو۔ دو ٹوٹے ایک بڑی خرابی ان کے دنیا سے بانجبر ہونے میں یہ بھی ہے کہ اگر ان کو دنیا کا کام آوے تو نفس ان کے بھی ساتھ ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر یہ چند روز میں شکر فروش اور چاول فروش ہوں گے۔ دیکھو اگر ڈرائیور کو سیکنڈ کی سواری ملے تو وہ کبھی انجن میں نہ بیٹھے گا تو مولوی دنیا سے ناواقف ہی رہنے چاہتے ہیں۔ اور صاحبو غضب ہے کہ ایک تو ہم تکلیف کے انجن میں بیٹھ کر آپ کی راحت رسانی کے لئے اپنا بدن اور کپڑے سیاہ کریں اور پھر یہ اعتراض ہم پر ہو کہ تم گارڈ کیوں نہیں بنتے۔ اس لئے میں دنیا کی اصلاح کا ذکر ہی نہیں ہوتا گو وہ بھی موقوف صحبت ہی پر ہے مگر میں صرف دینی اصلاح کا ذکر کرتا ہوں کہ دین کی اصلاح محض کتابیں دیکھ کر نہیں ہو سکتی۔ یہ صحبت ہی سے ہو سکتی ہے مطالعہ کتب سے اس کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے طب کی کتابیں دیکھ کر کوئی شخص

اکبر بھانڈ کی حکایت

۱۹

مولویوں کے دنیا دار ہونے کی خرابی

دین کی اصلاح محض کتب بینی سے نہیں ہوتی

بیوی کو مہل دینے لگے اور حکیم محمود سے نہ پوچھے محض اس لئے کہ قرابادین عظیم ہمارے پاس ہے جس کسی سے بھی ایسا کہنے کو کہو وہ یہی کہے گا کہ صاحب ہر فن کے کچھ دقائق ہوتے ہیں جن کو صاحب فن ہی سمجھ سکتا ہے میں بدون حکیم کے مہل دینے کی جرأت نہیں کرتا۔ پس اسی طرح اس فن دین میں بھی کچھ غوامض ہیں لہذا کتابوں پر اکتفا کرنا سخت غلطی ہے ہرگز کتابوں پر اکتفا نہ کیجئے بلکہ صحبت اختیار کیجئے چونکہ وقت کم رہ گیا ہے اس لئے مختصر کر کے ختم کرتا ہوں (سامعین نے التجا کی کہ مختصر نہ کیا جاوے اس کے بعد پھر فرمایا) غرض صحبت نیک کی سخت ضرورت ہے مگر اس کی طرف لوگوں کو مطلق توجہ نہیں۔ حالانکہ بدون صحبت معمولی کام کا بھی سلیقہ نہیں ہوتا۔ دیکھئے رسالہ خوان نعمت کو دیکھ کر کبھی گلگے نہیں پکا سکتا تو جب حرفِ دنیویہ بھی بدون صحبت کے حاصل نہیں ہو سکتے تو فنون شریفہ تو کیسے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں ایک وکیل صاحب میرے ہاں مہمان ہوئے میں نے ان سے ترجمہ قانون لیکر دیکھا اور اپنے نزدیک اس کو سمجھا پھر میں نے وکیل صاحب سے پوچھا کہ آیا اس کے معنی یہی ہیں جو میں نے سمجھے ہیں کہ نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں اور ان کے بیان کرنے کے بعد وہی معنی صحیح معلوم ہوئے جو انھوں نے بتلائے تھے۔ تو دیکھئے اردو مادری زبان ہے مگر چونکہ اس فن سے واقفیت نہ تھی اس لئے صحیح معنی سمجھ میں نہ آئے تو اگر کسی دوسری زبان کی کتاب ہو یا اس سے ترجمہ کر کے آئی ہو تو چونکہ غیر زبان کے دقائق پر تو بدون مہارت اطلاع عالی وجہ الکمال نہیں ہوتی۔ اور ترجمہ میں وہ خصوصیات محفوظ نہیں رہتیں جو اصل زبان کے الفاظ میں تھیں۔ اس لئے محض کتاب دیکھ کر کبھی کوئی شخص اصل بات کی تہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ دیکھو اگر ذوق کا ایک شعر لیکر فارسی میں اس کا ترجمہ کر دو تو ہرگز وہ لطف نہ آویگا۔ بس یہی حالت

صحبت نیک کی ضرورت اور نہ بدون صحبت کوئی شے حاصل نہیں ہوتی

۳۸

قرآن و حدیث کی ہے۔ تو اول زبان سیکھو پھر ماہر فن کے متعلق اہل فن سے اس کے احکام سیکھو تب وہ فن حاصل ہوگا۔ ورنہ قرآن بدون مفسر کے اور حدیث بدون محدث کے ہرگز حل نہیں ہو سکتی اور علماء کو اس کا اندازہ ہوگا کہ باوجود اس کے کہ وہ دن رات اس میں رہتے ہیں مگر پھر بھی ان کو گاہے پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ میں نے بعض اوقات اپنی اساتذہ کے سامنے ان کے مطلب بیان فرمانے پر اس کے خلاف اس مقام کی تقریر کی اور انھوں نے اس کو قبول کیا۔ توجب شاعلیں کی یہ حالت ہے توجن لوگوں کو یہ مشغلہ ہی نہیں وہ محض اپنے فہم پر کیسے مطمئن ہو سکتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک مسئلہ کے ساتھ دوسری قیود جو اس مقام پر مذکور نہیں ملحوظ ہوتی ہیں جس میں نہایت ماہر کی ضرورت ہوتی ہی اسی لئے میں نے ایک طالب علم شافعی المذہب کی درخواست پر اس کو فقہ شافعی پڑھانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ کبھی ایک مسئلہ میں آیات تیار معتبر ہوتی ہے لیکن وہ اس خاص جگہ مذکور نہیں ہوتی بلکہ دوسری جگہ مذکور ہوتی ہے تو ایسے مقام پر لوجہ عدم استحضار عدم جہارت مجھے فروگزاشت ہوتی۔ میں مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ لفظ اِخْتَارِی (اختیار کرتی) کنایات میں سے ہے اس کو باب الکنایات میں دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ لغزش ہوتی کہ وہ یہ سمجھے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو بہ نیت طلاق یہ لفظ کہارے تو طلاق ہو جاوے گی۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایک تو باب تفویض طلاق سے متعلق ہے اور دوسرے باب کنایات سے تو باب کنایات میں تو یہ لکھا ہے کہ یہ کنا یہ ہے اور باب تفویض میں یہ لکھا ہے کہ وقوع کی شرط یہ ہے کہ عورت اِخْتَارَتْ نَفْسِی (میں اپنے نفس کو اختیار کیا) بھی کہے اور اگر عورت کچھ نہ کہے تو مرد کے صرف اِخْتَارِی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسی لئے میں نے ان شافعی المذہب سے انکار کر دیا۔ اور مولوی طیب صفا

عرب شافعی کا نام بتلا دیا تھا کیونکہ دیانت کی بات یہی تھی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ جب تک کاہل شیخ اس کے غوامض پر مطلع نہ کرے اس وقت تک وہ حل نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے صحبت کی حاجت ہونی سوا ایک ضرورت تو صحبت کی اصلاح علمی کے لئے ہے اور دوسری اصلاح دین کی عمل ہے جس کے لئے ضرورت ہے تربیت کی اور وہ بھی موقوف ہے صحبت پر اور عمل کا موقوف ہونا تربیت پر اور محض علم کا اس کے لئے کافی نہ ہونا اس سے ظاہر ہے کہ عمل میں علماء بھی کوتاہیاں کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم جیسوں کی یہ حالت ہے کہ نہ

واعظاں کیں جلوہ بر محراب ممبر میکنند چوں بخلوت میر و ندر این کار دیگر میکنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس، توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

(واعظ لوگ محراب و منبر پر جلوہ فرما ہوتے ہیں جب خلوت میں جاتے ہیں دوسرا کام کرتے ہیں۔ ایک اشکال

مجھ کو پیش آیا ہے دانشمند مجلس سے دریافت کر توبہ کا حکم کرنے والے خود توبہ نہیں کرتے ۱۲)

آخر کیا وجہ ہے کہ غیبت کی بُرائی جانتے ہیں مگر مبتلا ہیں۔ جانتے ہیں کہ کینہ رکھنا بُرا ہے مگر سینکڑوں اہل علم اس میں مبتلا ہیں سو وجہ یہی ہے کہ تربیت نہیں ہے اور اس کی وجہ سے عمل کمزور ہے تو عمل کے لئے فقط علم اور ارادہ کافی نہیں تربیت کی بھی حاجت ہے لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ عمل ارادی چیز ہے تو اس کے لئے ارادہ کافی ہوگا مگر اس میں غلطی یہ ہونی کہ خود ارادہ کے لئے بھی قوت کی ضرورت ہے اس پر نظر نہیں کی گئی یا یوں کہئے کہ ارادہ جب ہی کافی ہے کہ مواقع موثر نہوں اور بدون تربیت موانع ہوتے ہیں مثلاً نماز عات نفس بھی موانع ہیں کہ آپ سردی میں اٹھ کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں لیکن نفس آپ کو روکتا ہے تو اس کے لئے ضرورت ہے تربیت کی اس سے نماز عات ضعیف الاثر ہو جاتے ہیں گو بالکل ان کے مواد کا استیصال نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کو اس میں یہ دھوکہ

دین کی اصلاح عمل کر ہے

۴۲

نماز عات نفس کھامہ سے باطل نہیں ہوتے

ہو جاتا ہے کہ مجاہدات سے منازعات بالکل باطل ہو جاتے ہیں لیکن یہ غلط ہے ہاں ضعیف ہو جاتے ہیں سے

نفس اثر در ہاست او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است

(نفس اثر دہا ہے وہ نہیں مرا ہاں غم بے آلتی سے افسردہ ہے)

مولانا نے حکایت لکھی ہے کہ ایک اثر دہا سردی میں ٹھٹھا پڑا تھا اس کو ایک مارگیر نے مردہ سمجھ کر رسوں میں جکڑ لیا اور گھسیٹ کر شہر میں لایا لوگ جمع ہو گئے وہ شیخی بگھا رہا تھا کہ میں نے اس طرح اس کو گرفتار کیا ہے اور اس طرح اس کو مارا ہے لوگ بھی تعجب کر رہے تھے اتنے میں دھوپ جو نکلی وہ اس کی حرارت سے جنبش کرنے لگا معلوم ہوا کہ زندہ ہے مخلوق بھاگی اور ساری شیخی اس کی کرکری ہو گئی۔ اس کو ذکر کر کے مولانا فرماتے ہیں سے

نفس اثر در ہاست او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است

یعنی نفس تو ایک اثر ہے وہ مرا نہیں ہاں غم بے آلتی سے افسردہ ہوا ہے تو افسردگی کے اسباب کو نہ چھوڑنا چاہئے اور وہ مجاہدات و اشغال اور تدابیر خاصہ ہیں اس لئے تعلیم اصلاح کے ساتھ ان تدابیر کی تعلیم بھی ضروری کرنا چاہئے۔ اکثر ہمارے مصلحین اوامر و نواہی اور وعادہ و عیادہ کو ہمیشہ ذکر کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ تدابیر نہیں بتلاتے حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اس میں سخت دشواری پیش آتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں مگر نفس کہتا ہے کہ اب فلاں مصلحت ہے بول ہی لینا چاہئے اور ہم نفس سے مجبور ہو جاتے ہیں۔ دیکھو اگر بدن میں صفرا بہت پڑھ جاوے تو نرے مسکنات (تسکین دینے والی دوا) سے تسکین نہیں ہوتی بلکہ مزیل (ذائل کرنیوالی دوا) کی ضرورت ہوگی۔ تو محض نصیحت بمنزلہ مسکن ہو اور تدابیر بمنزلہ مزیل۔ غرض ان منازعات کے لئے تربیت کی حاجت ہوتی

حاصل تقریر یہ ہوا کہ دو چیزوں کی ضرورت ثابت ہوئی۔ ایک علم دوسرا عمل جو موقوف ہے تربیت پر۔ اول کے لئے خاص قسم کے شیوخ کی ضرورت ہی اور دوسرے کے لئے خاص قسم کے شیوخ کی ضرورت ہے۔ پس علم و عمل دونوں موقوف ہوئے صحبت پر مگر ہم لوگ اس سے غافل ہیں۔ چونکہ میں نے کہا تھا جس کی ضرورت ہو اور اس سے غفلت ہو اس کے بتلانے کی سخت ضرورت ہوتی ہے اسی لئے میں اس کو بتلانے کو عرض کر رہا ہوں کہ صحبت وہ چیز ہے کہ علم اور عمل کا کمال دونوں اس پر موقوف اور علم و عمل دونوں ضروری اور موقوف علیہ ضروری کا ضروری پس کس قدر ضروری ٹھہری۔ اب یہ بات کہ علم اور عمل دونوں ضروری ہیں سو اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ جو خرابی دنیوی یا آخری واقع ہوتی ہے یا اخلاقی علم سے ہوتی ہے یا اخلاقی عمل سے۔ آخری خرابی کا ترتب تو ظاہر ہے اور اس کے واسطے نصوص معینہ دلیل کافی ہیں اور دنیوی خرابی کا ترتب اس طرح ہے کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر عمل کر کے ہر پریشانی سے نجات ہوتی ہے اور اسی طرح مخالفت کرنے سے پریشانی کا ہجوم ہوتا ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ عمل کرنے سے ہر تعب سے نجات ہوتی ہے مگر پریشانی سے ضرور نجات ہوتی ہے اور اصل کلفت یہی ہے اور اگر پریشانی نہ ہو تو خود تعب و مشقت میں بالذات کوئی کلفت نہیں۔ اسی پر حکایت یاد آئی کہ مولوی غلام مصطفیٰ جو میرے ایک دوست ہیں وہ ایک رئیس کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے اور نماز بھی پانچوں وقت پڑھواتے تو ان لڑکوں کی ماں کو ستی تھی کہ اس مولوی نے میرے بچوں کو زکام میں مبتلا کر دیا صبح کو وضو کرتا ہے۔ سو صاحب ایسی مشقت تو دین میں ہوتی ہے مولانا فضل الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ سے ایک شخص نے آکر پوچھا کہ ایک عورت کا شوہر گم ہو گیا ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مرد کی نوے

دین کی اصلاح کیلئے علم و عمل کی ضرورت ہے۔ علم و عمل کی ضرورت کا ثبوت علم و عمل کی کمی سے رہی خرابی

برس کی عمر تک انتظار کرو۔ کہنے لگا کہ جناب اس میں تو بڑا حرج ہے اور دین میں حرج ہے نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اگر یہ حرج ہی تو جہاد میں بھی حرج ہے سو حرج کے یہ معنی نہیں۔ حرج کہتے ہیں پریشانی اور الجھن کو سو اسلام میں یہ نہیں ہاں تعب و مشقت ہی تو کیا دنیا کے کاموں میں تعب اور مشقت نہیں ہے و اللہ جو شخص شریعت پر عمل کرے گا تمام پریشانیوں سے نجات میں رہے گا۔ اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ ہم بہت دینداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر تکلیف میں رہتے ہیں مثلاً ان کی آمدنی کم ہوتی ہے اور خرچ تنگی سے ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف جسم پر ہے روح پر نہیں اور پریشانی ہوتی ہے روح کی تکلیف سے پس اس کی مثال دلدادگان شریعت کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے کسی عاشق سے کوئی مدت کا بچھڑا ہوا محبوب ملے اور دور ہی سے دیکھ کر یہ محب اس کو سلام کرے اور اس کے گلے سے لگا لینے کا متمنی ہو اور اس کی عین تمنا کے وقت وہ محبوب دوڑ کر اس کو گلے سے لگالے اور اس قدر زور سے دباوے کہ اس کی ہڈیاں بھی ٹوٹنے لگیں۔ اب میں اہل وجدان سے پوچھتا ہوں کہ اس دبانے سے عاشق کو کچھ تکلیف ہوگی یا نہیں۔ یقیناً تکلیف ہوگی۔ لیکن یہ ایسی تکلیف ہے کہ ہزاروں راحتیں اس تکلیف پر قربان ہیں۔ اگر عین اسی تکلیف کی حالت میں محبوب کہے کہ اگر تجھ کو کچھ تکلیف ہو تو چھوڑ دوں اور جو تیرا قیب سامنے موجود ہے اس کو اسی طرح دباؤں تو وہ کیا جواب دینا۔ ظاہر ہے کہ یہ جواب دینا کہ نشوونصبِ شمن کہ شود ہلاک تیغت سردوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تہاری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہو کہ آپ اس پر خنجر آزمائی کریں

اور یہ کہے گا کہ

اسیرت نخواستہ رہائی زبند شکارت نجوید خلاص از کند

(اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا اس کا شکار جال سے رہائی نہیں ڈھونڈتا۔ ۱۲)

غرض اگر عشق و محبت ہے تو اس تکلیف کی اُس کو ذرا پرواہ نہ ہوگی بلکہ اس میں ایک گونہ لذت ہوگی۔ یہ تجربہ کی بات ہے۔ آپ اہل اللہ کی حالت کو مشاہدہ کر لیجئے کہ اُن کو اس قلبِ مال و تنگیِ خرچ سے ذرا روحانی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ جس طرح آپ کو ان کی ناداری پر رحم آتا ہے اُنکو آپ کی مالداری پر رحم آتا ہے۔ حضرت شبلی صاحبؒ کسی متنعم کو دیکھتے تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ خَلْقٍ تَفْضِيْلًا ط (خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو اس چیز سے عافیت میں رکھا جس میں تجھ کو مبتلا کیا ہے اور مجھ کو اپنی مخلوق میں سے بہتوں پر فضیلت دی) تو آپ اہل اللہ پر ان کی ظاہری تکلیف کو دیکھ کر رحم کرتے ہیں مگر ان کو اپنے اوپر رحم نہیں آتا اس واسطے کہ وہ اس کو پریشانی ہی نہیں سمجھتے اور واقع میں یہ پریشانی نہیں ہے۔ میں پھر دعویٰ کرتا ہوں کہ متبعِ سنت کو کبھی پریشانی نہیں ہوتی۔ اُس کی ہر وقت یہ حالت ہوتی ہے

کوئے نو میدری مرو کامیر ہاست سوائے تاریکی مرو خورشید ہاست

(نا امید کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں یعنی

اللہ تعالیٰ سے نا امید نہ ہو بلکہ امیدیں رکھو۔)

اور امید وہ چیز ہے کہ جن لوگوں نے بی۔ اے پاس کیا ہے ان سے پوچھئے کہ امتحان کی تیاری میں کیا کیا مشقتیں اُٹھائی ہیں محض امید کامیابی پر کسی نے خوب کہا ہے

اگرچہ دور افتادم بایں امید خورسندم کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد

(اگرچہ میں مجھ سے دور پڑا ہوں اس امید میں خوش ہوں کہ شاید میرا محبوب میرا دوبارہ ہاتھ پکڑ لے)

خاص کر جو لوگ ایک دو مرتبہ قبیل بھی ہو گئے ہیں اُن پر تو یہ شعر خوب چسپاں ہے اُن کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ روٹی کی پروا نہ آرام کا

خیال ہر وقت کتاب ہے اور وہ ہیں تو تعجب کی بات ہے کہ دس روپیہ کی ہوس میں روٹی اور آرام چھوڑنے والا تو عالی ہمت سمجھا جائے اور کوئی اس کو مصیبت زدہ نہ سمجھے اور خدا تعالیٰ کا طالب اگر تنعم چھوڑ دے تو وہ پریشانی میں مبتلا سمجھا جاوے غرض وہ دعویٰ ثابت رہا کہ ان لوگوں کو پریشانی نہیں ہوتی (یہاں تک کرنے کے بعد نماز عصر کے لئے سب مجمع ہٹھا۔ بعد نماز عصر پھر بیان شروع ہوا تو فرمایا کہ) میں نے تقریر کو اس مسئلہ پر چھوڑا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر عمل کر نیوالا ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ رہتا ہے اور اس پر جو شبہ ہوا تھا اس کو بھی زائل کر دیا تھا۔ اب اگر اس کی وجہ بھی سمجھ لی جاوے تو بہتر ہو سکتا ہے اس کی ایک وجہ تو عقلی ہے اور ایک وجہ عشقی ہے۔ عقلی وجہ تو یہ ہے کہ اس تعلیم میں ہر مفسدہ کی اصلاح ہے اور اس کو اہل انصاف نے گو وہ دوسری قوم کے ہوں تسلیم کیا ہے اور اگر کسی نے تعصب سے کام لے کر نہیں مانا ہے تو دوسروں نے اس پر رو کیا ہے۔ دوسری وجہ ایک عشقی ہے کہ وہ دیوانوں کے سمجھنے کی ہے (اور اگرچہ واقع میں یہ درجہ بھی عقلی ہو مگر چونکہ اس کو عقلاء نے کم سنا ہے اس لئے اس کو عقلی نہیں کہا) اور وہ یہ ہے کہ عقلی قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی صاحب اقتدار کا مطیع ہوتا ہے وہ اس کو پریشانی سے بچاتا ہے تو خدا تعالیٰ سے زیادہ کون صاحب اقتدار ہوگا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے سے چونکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان کو ہر قسم کی پریشانی سے بچاویں گے۔ ہاں اگر کوئی ایسی پریشانی ہوتی کہ وہ خدا تعالیٰ کے اختیار سے خارج ہوتی تو دوسری بات تھی مگر ساری دنیا کا مسلم مسئلہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اختیار سے کوئی چیز خارج نہیں البتہ اگر کوئی امر بظاہر پریشانی کا ہو لیکن وہ واقع میں پریشانی نہ ہو تو اس سے حفاظت کا دعویٰ نہیں جیسے بچہ کی حفاظت

ماں باپ کرتے ہیں لیکن اگر کسی عضو میں مادہ فاسد جمع ہو جاتا ہے تو اس کے اخراج کے لئے ماں باپ نشتر بھی دلو اتے ہیں بچہ سمجھتا ہے کہ ماں باپ میری بالکل حفاظت نہیں کرتے اور روتا ہے مگر بچہ کی اور مادر مشفق کی رائے میں فرق یہ ہے کہ

طفل سے لرزد ز نیش احتجام مادر مشفق ازال غم شاد کام

بچہ نشتر لگانے سے لرزتا ہے مگر مشفق ماں اس سے مطمئن اور خوش ہوتی ہے

تو یہ تکلیف واقع میں راحت ہے اور ایسی پریشانی سے تو کسی مدعا کی طلب میں کوئی نفع نہیں سکتا اور نہ بچے کی کوشش کرتا ہے وہ عشقی وجہ یہ ہے جو واقع میں عقلی بھی ہے اور میں محض عقلی وجہ پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم سے بھی اس کو ثابت کرتا ہوں فرماتے ہیں وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ

يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ رجو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ

اس کے واسطے کوئی راہ کر دیں گے اور اس کی ایسی جگہ سے روزی دیں گے کہ اس کا گمان بھی نہ ہو گا

یہ وعدہ ہے خدا تعالیٰ کا۔ غرض یہ دعویٰ اور عقل ہر دو سے ثابت اور مؤید

ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم

پر عمل کرنے والا کسی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اور جیسا اتباع میں اثر

ہے نافرمانی میں بھی یہ اثر ہے کہ نافرمان ہر دم پریشانی میں مبتلا رہتا ہے

اور گو یہ اس کو راحت سمجھتے ہیں مگر واقع میں وہ پریشانی ہے اس لئے

ضرور ہوا کہ میں اول پریشانی کی حقیقت بتا دوں۔ سو سمجھتے کہ پریشانی

کس کو کہتے ہیں۔ پریشانی کہتے ہیں تشویش قلب کو نہ کہ مشقت ظاہری

کو۔ پس آپ دیکھ لیجئے کہ جو لوگ نافرمانی میں مبتلا ہیں ان کا قلب ہر وقت

مکدر اور منظم رہتا ہے اور جس کا نام جمعیت ہے وہ ان کو ہرگز میسر

نہیں ہوتی اور جس قدر بھی تعلقات دنیا زیادہ ہوتے چلے جاتے ہیں پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے اور اگر کسی کو اس کی بھی حس نہ رہے تو

وہ امتحان کرے۔ اور وہ امتحان یہ ہے کہ یہ شخص ایک ہفتہ بھر کے لئے فارغ ہو کر خلوص کے ساتھ ذکر اللہ کرے جب ایک ہفتہ گزر جائے تو دیکھے کہ قلب میں کوئی نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے یا نہیں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور محسوس ہوگی۔ اب اس کیفیت کو محفوظ رکھے اور خلوت کو چھوڑ دے اس کے بعد غفلت کے آثار میں تو خود ہی مبتلا ہو جاوے گا پھر اس کے ایک ہفتہ بعد اس پہلی محفوظ کیفیت اور اس ابتلاء کے بعد کی کیفیت کو موازنہ کر کے دیکھے تو مقابلہ ہوگا کہ واقعی میں اس وقت پریشانی میں ہوں اور حالت موجودہ حالت محفوظہ کے سامنے ظلمت اور پریشانی نظر آوے گی اور حالت محفوظہ جمعیت اور نورانیت معلوم ہوگی۔ یہ ہے اس کا امتحان اس سے انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جاوے گا کہ اہل دنیا سب پریشانی میں مبتلا ہیں اور بدون امتحان اکثر کو اس کی حس نہ ہوگی۔ کیونکہ جس نے کبھی جمعیت کو نہیں دیکھا وہ پریشانی کو کیا سمجھے۔ وہ تو پریشانی ہی کو جمعیت سمجھے گا مگر اس کو جمعیت سمجھنا ایسا ہے جیسے ایک سرحدی مہبہاتی نے اپنی ذلت کو عزت سمجھا تھا۔ مشہور ہے ایک صاحب ہندوستان آئے حلوانی کی دوکان پر پہنچے تو حلوا دیکھ کر جی للچایا دام دام پاس نہ تھے آپ نے بغیر پوچھے اس میں سے بہت سا اٹھا لیا اور کھا گئے۔ حلوانی نے نالیش کر دی۔ قاضی شہر نے یہ تعزیر تجویز کی کہ ان کو گدھے پر سوار کر کے لڑکوں کو اس کے پیچھے پیچھے کر کے ڈھول بجاتے چلیں اور تمام شہر میں اسی حالت سے گشت کراؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وطن واپس گئے تو اہل وطن نے پوچھا۔ آغا ہندوستان رفتہ بودی ہندوستان را چہ طور یافتی (آغا ہندوستان گئے تھے ہندوستان کیسا پایا) آپ جواب دیتے ہیں آغا ہندوستان خوب ملک است۔ انجا حلوا خودن مفت است۔ سواری خرمفت است۔ فوج طفلان مفت است۔ دم دم مفت است۔

(آغا ہندوستان اچھا ملک ہے حلوہ کھانا مفت ہے اور گدھے کی سواری مفت ہے بچوں کی فوج مفت اور ڈم ڈم مفت ہے) تو جیسا ان صاحب کو اس کیفیت میں لطف آیا تھا ویسا ہی اس وقت تنعم پرستوں کو ہے کہ آج یہ حشم و خدم عزت اور سامان جمعیت معلوم ہوتا ہے ایک دن حقیقت کھلے گی کہ گدھار ان کے نیچے ہے لیکن سمجھ رہے ہیں کہ گھوڑے پر سوار ہیں کیونکہ گھوڑے پر سوار ہونا نصیب نہیں ہوا اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہوں تو معلوم ہو کہ پہلے گدھے پر سوار تھے یا گدھو غبار میں گدھے گھوڑے میں امتیاز نہیں ہوا اسی کو کہتے ہیں

فَسَوْفَ تَرَىٰ إِذَا انْخَشَفَ الْغُبَارُ أَفْرَسٌ تَحْتَ رَجْلِكَ أَمْ حِمَارٌ

(عنقریب دیکھے گا تو جب غبار کھلے گا کہ تیرے قدم کے نیچے گھوڑا ہو یا گدھا)

تو جب یہ غبار غنفلت کھلے گا اس وقت معلوم ہو گا کہ ران کے نیچے کیا چیز تھی۔ بہر حال مخالفت میں کبھی جمعیت نہیں ہوتی۔ تو اس تمام تقریر سے معلوم ہوا ہو گا کہ عمل کتنی ضروری چیز ہے اور بے عمل کتنی پریشانی میں ہیں پس عمل کی ضرورت تو اس سے ظاہر ہو گئی اور علم موقوف علیہ ہر عمل کا سو وہ بھی اسی سے ضروری ٹھہرا۔ غرض دو چیزوں کی ضرورت متحقق ہوئی علم کی اور عمل کی اور علم کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے اور عمل کے لئے تربیت کی ضرورت ہے اور ان دونوں کے لئے صحبت کی ضرورت ہے پس صحبت اس درجہ کی ضروری ٹھہری۔ بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر کسی کو کتابی علم نہ ہو اور محض صحبت ہو تو بقدر ضرورت کفایت ہو جاتی ہے ہاں اصطلاحی مولوی نہیں ہو گا کیونکہ یہ کمال علمی تو بدفن درس و تدریس کے نہیں ہو سکتا مگر ہاں بقدر ضرورت حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اگر حافظہ اور تدین کامل ہو تو کمال علمی بھی صرف صحبت سے بدون درس تدریس کے حاصل ہو سکتا ہے چنانچہ اکثر صحابہ کرام کا علم زیادہ تر

خالی صحبت سے بدون کتب و درس ہی کے تھا بعد کو چونکہ حالت بدل گئی
اس لئے اُس کی حفاظت کی غرض سے بدون کرنے کی ضرورت ہوئی کہ اگر
بدون نہ ہوگا تو لوگ محفوظ نہ رکھیں گے یا ان کے دعویٰ حفظ یا صحت نقل
پر اعتماد نہ ہوگا تو تدریس اور تدریس کی ضرورت لغیرہ ہے بعینہ نہیں ہے
تو تعلیم والا تو صحبت سے مستغنی نہیں اور صحبت والا تعلیم کتابی سے مستغنی
ہو سکتا ہے۔ یہ تو گفتگو تھی تعلیم کے موقوف ہونے میں صحبت پر۔ اب دوسرا
جز ترسیت جس کی ضرورت تعلیم سے بھی زیادہ ہے سو وہ بدون صحبت
کے کسی درجہ میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ غیر اہل ملت نے بھی اس کی
ضرورت سمجھی چنانچہ کالجوں میں جو بورڈنگ بنائے جاتے ہیں اور شہر کے
بچوں کو بھی ان میں رکھا جاتا ہے محض اس لئے کہ اساتذہ کے خواص طبیعت
ان میں پیدا ہو جاویں اور یہ میں نے اس لئے نقل کیا کہ آجکل کے مذاق
والے لوگ بھی مطمئن ہو جاویں ورنہ ہم کو غیر ملی لوگوں کے طرز عمل کے
نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اس کو ایسا یقینی سمجھتے ہیں کہ جس میں
ذرا بھی شک نہیں کیونکہ ہم کو تو روز مشاہدہ ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا
ہوتا ہے کہ ذی علم لوگ میرے پاس اصلاح کے لئے آتے ہیں اور ان کے
اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور وہ چاہتے ہیں کہ کچھ ذکر و شغل پوچھ کر چلے
جاویں لیکن میں بجائے ذکر و شغل سکھانے کے ان کو وہاں رہنے کا مشورہ
دیتا ہوں اور وہ رہتے ہیں۔ چند روز تک اس مجمع میں رہنے سے کسی نہ
کسی کی برکت سے ان کی حالت درست ہو جاتی ہے اگرچہ وہ برکت
کسی چھوٹے ٹیپے کی ہو۔ اور اسی لئے بڑوں کو بھی ضرورت ہے چھوٹوں کی
کیونکہ کبھی ان کی برکت سے بڑوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات
ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم چھ ماہ یا سال بھر تک ہمارے
پاس رہو اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی مگر پھر جب رہتے ہیں اور

پہلی حالت میں تغیر شروع ہوتا ہے اور بات بات پر ان کو روکا لٹکا جاتا ہے تو ان کی سمجھ میں آتا ہے کہ واقعی اس کی ضرورت تھی تو چونکہ ہم کو ایسے واقعے ہمیشہ پیش آتے ہیں اس لئے ہم کو تو اہل تمدن کے قول کے نقل کرنیکی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ آجکل لوگوں کو بدون اس کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے انکی حکایت بھی نقل کر دی پس ہم کو دو جماعتوں کی ضرورت ہے ایک تو وہ جماعت جس سے تعلیم حاصل کریں دوسری وہ جماعت جس سے تربیت ہو۔ اب اس کے متعلق دستور العمل بتلانا رہا سو اس دستور العمل میں تفاوت ہوگا۔ کیونکہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو کہ پڑھے لکھے نہیں ہیں تو ان کے لئے تو اور دستور العمل ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اگر ان کو فراغ ہو تو اول درس کتابی کے ذریعہ سے علوم کی تحصیل کرائی جاوے۔ اگر پورا عالم بھی نہ بنے تو کم از کم دو چار برس تک اسی کام میں لگا رہے اور ان دو چار برس میں کوئی دوسرا کام نہ ہو (یہ میری رائے ہے) شغل علم میں یہ حالت رہے کہ "چومیر و مبتلا میر و چو خیزد مبتلا خیزد" (جب مرتا ہے مبتلا مرتا ہے جب اٹھتا ہے مبتلا اٹھتا ہے) اب یہ آپ کو اختیار ہے چاہے جتنی مدت تجویز کریں مگر کم از کم ایک سال ضرور ہو اور ایک سال کے بعد اگر علوم معاشیہ کی بھی حاجت ہو تو تعلیم دین و دنیا مخلوط رہے اور ان میں جو لوگ تکمیل کر سکیں ان کی تکمیل بھی کرائی جاوے کہ اس کی بھی سخت ضرورت ہے جس کو لوگ بیکاروں کا نام سمجھتے ہیں۔ میرے پاس کلا نور کے ایک شخص آئے میرے بھتیجے کے متعلق پوچھنے لگے وہ کیا کرتا ہے؟ میں نے کہا عربی پڑھتا ہے۔ کہنے لگے کہ عربی کے بعد انگریزی کا بھی ارادہ ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے تو اُس کو ترقی نہ کرائی جاوے گی کہ انگریزی پڑھ کر بڑے بڑے عہدے حاصل کرے۔ میں نے کہا کہ اگر سب اسی میں مشغول ہوں تو پھر دین کا خادم کون بنے آخر اس کی بھی تو ضرورت ہے کہنے لگے کہ اُس کے لئے مدرسہ دیوبند سے ہر سال

بہت لوگ نکلے ہیں میں نے کہا سبحان اللہ کیا انصاف اور خیر خواہی ہے اگر مولوی ہوتا ترقی کی بات ہے تو میرے بھتیجے کے لئے کیوں نہ تجویز ہو اور اگر تنزل اور ذلت کی بات ہے تو دیوبند کے طالب علموں کے لئے کیوں تجویز ہو کیا وہ قوم کی اولاد نہیں۔ غرض جو لوگ فارغ ہو سکیں ان کو پورا مولوی بنایا جاوے اور اس کے لئے اُمراء کے بچے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ غریب معاش سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ پس یا تو وہ دوسرے کام میں لگ کر علم کو ضائع کریں گے اور یا بعضے علم کو ذریعہ کسب بناویں گے جس کے بعد نہ ان کے وعظ میں اثر ہو گا نہ ان کے فتوے معتبر سمجھے جاویں گے اور اُمراء مستغنی ہیں اس لئے ان کے اصلاحات کا اثر زیادہ ہو گا اس لئے اُمراء پر لازم ہے کہ اپنے بچوں میں سے ایک دو کو ضرورتیں علم دینیہ کے لئے منتخب کریں مگر انتخاب کا وہ قاعدہ نہ ہو جو اب تک ہوتا چلا آ رہا ہے یعنی جو سب سے زیادہ غنی اور کودن ہو اسی کو عربی کے لئے تجویز کر لیا۔ اور پھر خود ہی لوگوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ بیوقوف ہوتے ہیں۔ صاحبو! مولوی تو بیوقوف نہیں ہوتے لیکن بیوقوف مولوی بنا دیئے جاتے ہیں۔ اب تم انتخاب اس طرح کرو کہ جو ذہین اور ذکی ہو اس کو مولویت کے لئے تجویز کرو پھر دیکھو کہ مولوی کیسے عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں مگر لوگوں کی تو حالت عام طور سے یہ ہو گئی ہے کہ جو چیز کسی کام کی نہ ہو وہ اللہ میاں کے نام بھینٹ چڑھائی جاتی ہے اللہ میاں کو جانے لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ جو چیز کسی کام کی نہ ہو وہ اللہ میاں کے نام۔ اسی لئے کودن وغنی اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ تو اس انتخاب سے معاف کیجئے کیونکہ اس انتخاب میں بڑھنے والے کا تو نفع ہے لیکن قوم کا کوئی نفع نہیں قوم کو ایسے لوگوں سے نفع ہو سکتا ہے کہ جو سیر چشم اور ذہین ہوں یہ دستور العمل تو ان ناخواندہ لوگوں کے لئے ہوا جو کہ خواندہ ہو سکتے ہیں اور جو ناخواندہ

لوگ بوجہ فراغ نہ ہونے کے باقاعدہ نہ پڑھ سکیں وہ کبھی کبھی علماء کے پاس جایا کریں اور ان سے علم دین کی باتیں پوچھا کریں۔ اور آجکل لوگ گو علماء سے ملتے ہیں لیکن بہت ہی بُری طرح یعنی ان کو اپنے مذاق کے تابع کرتے ہیں کہ اخبار و کیل میں یوں لکھا ہے اور وطن میں یہ خبر شائع ہوئی ہے۔ صاحبو ان کو تو وطن اور وکیل کی ضرورت نہیں تم اپنے وطن کی خبر لو اور اپنی وکیل بنو یعنی ان کے پاس جا کر اپنے افعال اور امراض سے ان کو مطلع کرو اور اس کی اصلاح پوچھو۔ یہ تعلیم کی صورت ہے غیر فارغین کے لئے۔ جب اس مختلف طریق سے علوم حاصل ہو جاویں پھر صحبت صالحہ کی تدبیر کرو۔ خود بھی صلحاً کے پاس جاؤ اور اپنے بچوں کو بھی علماء کے پاس لیجاؤ اور ان کو وہ باتیں سناؤ دیکھو اب بچے چھٹی میں آتے ہیں لیکن محض فٹ بال اور کرکٹ میں سارا وقت صرف ہوتا ہے۔ کم سے کم ایک گھنٹہ روزانہ اس کے لئے ضرور دو کہ وہ کسی عالم کے پاس جا کر بیٹھا کریں۔ یہ سب تفصیل ہوئی ناخواندوں کے دستور العمل کے متعلق۔ اب دوسرے وہ لوگ ہیں کہ وہ بقدر کافی لکھے پڑھے ہیں اور علوم ضروریہ میں معتدبہ استعداد رکھتے ہیں کہ ان کو اصطلاحی مولوی کہہ سکتے ہیں اور وہ اس واسطے اپنے لئے ضرورت تعلیم کی یا تربیت کی بھی نہیں سمجھتے۔ میں ان کے لئے یہ کہتا ہوں کہ گو وہ خود فاضل ہونے کے سبب علوم میں بدرجہ اعتماد علماء کے معتقد نہ ہوں مگر علوم میں علماء سے مراسلت ضرور رکھیں۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ فلاں عالم سے پوچھو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ سب سے پوچھو اور بہتر تو یہ ہے کہ مسائل علمیہ میں ہر ہفتہ چار مولویوں کے پاس خط بھیجیے اور ان کے جوابوں کو مقابلہ کر کے دیکھا کرو ہم کسی خاص مولوی کا مقید نہیں کرتے اور مقابلہ کے وقت بدون رائے قائم کئے ہوئے دونوں کے جواب کو انصاف سے دیکھو اور اگر خدشہ رہے تو بدون اظہار نام ایک کے دلائل کو دوسرے کے سامنے پیش کرو اسی طرح اگر آپ کیا کریں گے تو

خواندہ حضرات کا دستور العمل

انشاء اللہ تعالیٰ تمام مسائل میں حق واضح ہو جاویگا اور اگر بفرص مجال کسی مسئلہ کی حقیقت واقعہ مخفی بھی رہ گئی تب بھی آپ پر قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا ورنہ سخت اندیشہ ہے اور جن کو مناسبت علوم سے اس درجہ کی نہیں اور وہ موازنہ اور مقابلہ نہیں کر سکتے ان کے لئے یہ طریق ہے کہ وہ کسی ایک کو اختیار کر لیں جیسے کسی شخص کو طب سے مناسبت نہ ہو تو وہ اختلاف اطباء کے وقت کیا کریگا اور اس کے لئے کیا مناسب ہے آیا دونوں کے نسخوں کو دیکھ کر ترجیح دینا یا اجمالی دلائل سے کسی ایک کو انتخاب کر لینا ہے

دلارامے کہ داری دل درد بندہ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے اس کے لئے تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو ۱۲)

اور یہیں سے یہ بھی حل ہو گیا ہوگا کہ اگر مولویوں میں آپس میں اختلاف ہو تو کیا کریں اور کس کے قول پر عمل کریں تو جواب یہی ہے کہ اطباء میں بھی تو آپس میں اختلاف ہوتا ہے پھر وہاں کیا کرتے ہو یہی کرتے ہو کہ جو سب میں بڑا ہو اُس سے رجوع کرتے ہو اور بڑا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اُس نے کسی ماہر سے حاصل کیا ہو مدت سے کام کر رہا ہو اُس کے ہاتھ سے اکثر لوگ شفا یاب ہوتے ہوں تو جب علماء میں اختلاف ہو تو یہی دیکھو کہ یہ کس کے شاگرد ہیں کتنے دنوں سے دین کی خدمت کرتے ہیں لوگوں کو اُن سے کیسا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اگر ایک کا اُستاد دین میں بڑا ماہر تھا اور یہ مدت سے دین کی خدمت بھی کر رہا ہے جو علامت ہوگی مہارت کی۔ اس کے اصحاب دین کا پہلو بھی زیادہ لئے ہوئے ہیں جو بجائے دست شفا کے طبیب کے ہو اور دوسرے میں یہ بات نہیں تو پہلے کولے لو اور دوسرے کو چھوڑ دو۔ یہ علماء میں انتخاب کا طریقہ ہے مگر یہ طریقہ ان کے لئے ہے جو قوت فیصلہ نہیں رکھتے باقی جو لوگ قوت فیصلہ رکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ مفصل دونوں جگہ تحقیق کریں اور پھر موازنہ کریں جیسا اوپر مذکور ہوا۔ یہ تو تعلیم کی بابت تھا۔ اب رہ گئی

تربیت اُس میں خواندہ ناخواندہ سب کا ایک ہی دستور العمل ہے وہ یہ کہ اُس کے لئے ایسے شخص کو انتخاب کریں جس نے اپنے اخلاق درست کر لئے ہوں اور اس کا اندازہ مشاہدہ علامات سے ہو سکتا ہے کہ متعدد مشائخ کو جا کر دیکھیں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ دیکھئے دنیا کے ایک سو دس کے لئے شہروں میں مارے مارے پھرتے ہیں تو اگر بزرگوں کی تلاش میں بھی دو چار جگہ ہو آویں تو کیا مشکل ہے اور وہ علامات یہ ہیں کہ دیکھیں کون بزرگ ایسا ہے جو علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو اور علم پر عمل کرتا ہو اپنی متعلقین پر شفقت کے ساتھ احتساب کرتا ہو اور اُس کی صحبت میں لوگوں کو دنیا سے دل بستگی نہ رہتی ہو اُس کے پاس رہنے والے غالب دیندار ہوں جو شخص ایسا اُس کے پاس آمد و رفت رکھے اور جب موقع ملے چند روز تک اس کے پاس رہے اس کے اخلاق درست ہو جائیں گے کیونکہ جب پاس رہو گا تو دیکھے گا کہ اُس نے چار موقع پر غصہ کو ضبط کیا ہے تو ایک جگہ خود بھی ضرور ضبط کریگا اور اسی طرح عادت ہو جاوے گی اور اگر پاس رہنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص سے مراسلت ہی رکھو اپنے امراض لکھ کر بھیجو کہ مجھے عرصہ ہی طمع ہے بے استقلال ہے پھر وہاں سے جو کچھ لکھ کر آوے اُس پر عمل کرو وہ حضرات تہذیب اخلاق کے لئے وظیفہ نہ بتلاویں گے بلکہ تدابیر بتلاویں گے اور گو وہ کتابوں میں بھی ہیں لیکن وہ بتدی کو مفید نہیں ہوتیں اس لئے کہ کتابوں میں کلیات ہیں باقی اپنے حالات جزئیہ کا منطبق کرنا ان کلیات پر اس کے لئے فہم کافی نہیں۔ تو یہ تو تربیت کا طریق ہی خواہ مجالست ہی ہو یا مراسلت سے ہو اور یہ طریقہ جیسا آپ کے لئے ہے آپ کے بچوں کے لئے بھی ہے اگرچہ وہ انگریزی وغیرہ ہی میں مشغول ہوں اس حالت میں ایسا ہونا چاہئے کہ چھٹی میں کم سے کم ایک چوتھائی چھٹی کا اُن بزرگ کے پاس گداریں۔ خرپڑہ کو دیکھ کر خرپڑہ رنگ پکڑتا ہے اگر سال بھر میں

ایک ماہ بھی آپ کے بچے کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہ لیں گے تو ان کو نہ تناس مضر ہو سکتا ہے نہ انگریزی۔ یہاں تک مردوں اور بچوں کی تربیت کا دستور العمل مذکور ہوا۔ اب رہ گئیں عورتیں تو عورتوں کے لئے ایک تو یہ صورت ہے کہ اگر خاندان میں کوئی بزرگ عورت ہو تو ان کے پاس جا کر بیٹھیں اور اگر نہ ہو تو ان کو بزرگوں کے ملفوظات سناؤ اور زندہ بزرگوں کے حالات سناؤ اور ان کو ایسی کتابیں دو تاکہ وہ ان کو پڑھا کریں۔ علامہ غزالی علیہ الرحمۃ کی کتابیں سناؤ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے بہت نافع ہوتی ہیں یہ دستور العمل ہوا تعلیم اور تربیت کا جن میں ایک کا تعلق علماء سے ہو دوسرے کا مشائخ سے۔ اب ان دونوں جماعتوں کے متعلق لوگ ایک غلطی کرتے ہیں وہ غلطی یہ ہے کہ ایک عیب تو علماء میں نکالا جاتا ہے کہ باعمل نہیں اور اس لئے ان سے علوم بھی اخذ نہیں کرتے اور اسی طرح ایک عیب مشائخ میں نکالا جاتا ہے کہ عالم متحقق نہیں اور اس لئے ان سے اپنی تربیت کا طریق نہیں حاصل کرتے۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو کوئی جامع شخص ملے تو ایسے جامع تو اب کم ملیں گے۔ صاحبو! اگر ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی برابر جامع نہ ملے تو کیا حرج ہے اور اگر دین کی تحصیل میں ایسا ہی کمال شرط ہے تو پھر تحصیل دنیا میں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ پس نوکری بھی نہ کیا کرو کیونکہ سلطنت نہ ملی تو نوکری کیا ہوگی اور اس کے جواب میں کہو کہ وہ نہیں یہی سہی تو یہاں بھی میں یہی کہوں گا کہ ابو حنیفہؒ نہیں تو آجکل کے مولوی ہی سہی۔ اسی طرح مشائخ میں جنید بغدادیؒ کی تلاش ہوتی ہے وہاں بھی یہی جواب ہے۔ نیز اگر جنید کو تلاش کرتے ہو تو تم بھی ان ہی کے مستفیدین جیسی طلب بھی تو پیدا کرو۔ صاحبو! یہ غنیمت سمجھو کہ تمہاری طلب کے موافق تو بزرگ مل گئے۔ غرض علماء میں تو یہ عیب نکالا جاتا ہے کہ علماء میں عمل نہیں ہوتا اور بعض کے اعتبار سے یہ سچ بھی ہو مگر

عورتوں کا دستور عمل

علامہ غزالی کی کتابوں کا جواب

اول تو سب علماء کو بے عمل سمجھنا غلطی ہے بہت علماء باعمل بھی ہیں اور میں اُنکا
 نام بھی بتلا دیتا مگر جب لوگ پوچھتے ہی نہیں تو میں کیوں بتلا کر ببقاری کرو
 اور اگر باعمل لوگوں میں بھی عیوب نکالے جائیں کہ فلاں عالم میں یہ عیب ہے
 تو اس کا جواب یہ ہے کہ "ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود" کسی بشر کا نفس خطا سے خالی نہیں
 دوسرے اگر بے عمل بھی ہوں تو دیکھو اگر حکیم محمود خاں بد پرہیز ہوں تو کیا اُن
 سے نسخہ نہ لکھواؤ گے۔ ضرور لکھواؤ گے۔ سو تعلیم میں اُن کے عمل کو کیا دخل ہو
 ہاں تربیت اگر اُن سے نہ کر او تو گنجائش ہے مگر تعلیم علم کے لئے تو وہ کافی
 ہیں مثلاً اگر آپ ان سے رویہ الہیہ یا جبر و قدر کا مسئلہ پوچھئے تو اس میں
 ان کے عمل کو کیا دخل۔ اور اسی قبیل کا شبہ علماء کے متعلق بھی ہے کہ علماء
 میں اختلاف ہے ہم کس کی مانیں تو میں کہہ چکا ہوں کہ قواعد سے ایک کو
 ترجیح دیکر اُس کی مانو جیسے اگر مختلف وکلاء کے پاس جاؤ اور وہ مقدمہ
 میں مختلف رائیں دیں تو اخیر ایک کو ترجیح دو گے جب ہر امر میں یہی قاعدہ
 ہے تو دین میں ہی سارے شبہات کیوں کئے جاتے ہیں اور ان قواعد ترجیح
 کا اوپر بیان ہو چکا ہے غرض علماء چاہے بد عمل ہوں مگر اُن سے علم حاصل
 کرو۔ اسی طرح مشائخ میں یہ عیب نکالا جاتا ہے کہ پورے مولوی نہیں اور
 اس لئے شیوخ ایسے ڈھونڈتے ہیں جو پورے عالم بھی ہوں یعنی اُن کی
 درسی کتابیں کل ختم ہوں۔ صاحبو! جس طرح تعلیم علوم میں پورے باعمل
 ہونے کی ضرورت نہیں اسی طرح تربیت میں پورے ہونے کی ضرورت نہیں
 البتہ بقدر ضرورت علم ہونا ضرور ہو ایسا نہ ہو جیسے ایک فقیر کی نسبت لکھا
 ہے کہ اُس نے مجاہدہ کرنے کے لئے ایک نتھنے میں گو کی بتی دے رکھی تھی اور
 ایک آنکھ پر موم کی ٹکیا رکھ لی تھی کہ جب ایک آنکھ سے کام چلتا ہے تو
 دوسری کی کیا ضرورت اور ایک نتھنے سے پھولوں کی خوشبو سونگھتے ہیں
 تو دوسرے سے غلیظ سونگھ کر اُس کی مکافات ہونی چاہئے گویا اللہ میاں

کو بھی آپ نے رائے دی تھی کہ دو آنکھیں فضول بنائی ہیں۔ اتفاق سے کوئی صحبت یافتہ علماء کا اس کے پاس جا پہنچا اور اس کو اطلاع دی کہ تمہارا تو وضو نماز سب غارت ہے آخر وہ بہت رویا اور اپنی اصلاح کی۔ اس لئے علم بقدر ضرورت تو ہونا ضروری ہے مگر کمالِ علم کی ضرورت نہیں۔ بس علماء کے علم کو دیکھو عمل کو مت دیکھو اور مشائخ میں عمل کو دیکھو کابلِ علم کی تلاش کرو۔ البتہ اگر اتفاق سے کوئی ایسا مل جاوے کہ وہ عالم بھی ہو اور شیخ بھی سبحان اللہ اس کی تو وہ حالت ہے سے

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را بہ بوارباب معنی را
 (اس کی عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جاں کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جاں کو بوسے تازہ رکھتی ہے)
 تو پھر اسی ایک ہی سے تعلق رکھو اور اگر ایسا نہ ملے تو دو سے تعلق رکھو اور دو کچھ زیادہ نہیں دنیا کے لئے تو ہزاروں سے تعلق رکھتے ہو تو اگر دین کے لئے دو کے ناز اٹھا لو تو کیا تعجب ہے اس عمر بہ سے جو اصل مقصود ہی یعنی حق تعالیٰ وہ تو ایسا ہے کہ اگر اس کے لئے ہزار سے بھی تعلق رکھا جاوے اور ان کی ناز برداری کی جاوے تو کم ہے سے

کشند از برائے دے بارہا خورند از برائے گلے خارہا
 طلبگار باید صبور و حمول کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

(ایک لکھنے بہت سی تکلیفیں اٹھانی ہیں ایک پھول بیٹے بہت سے کانٹے کھانے ہیں طالب چاہے صبر کرے اور اللہ اور شہت بردار کرے اور اس میں کسی کیمیا گر کو اور اسی میں یہ بات بھی آگئی کہ اگر ایک سے ناکامی ہوئی تو دوسرے سے رجوع کرو جیسے کوئی مریض کہ معالجہ میں اس کی یہ حالت ہوتی ہے سے

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید باتن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید
 (طلب باز نہ رہوں گا جب تک میرا مقصد پورا نہ ہو جائے یا تو تن محبوب حقیقی کے پاس پہنچ جائے یا جان تن سے نکل جائے)

اسی کو کہتے ہیں سے

طلبگار باید صبور و حمول کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

(طلبنا رصبور و جمول چاہئے کہ ہم نے کیا کرکھول نہیں دیکھا)

عمر بھر اسی دھن میں رہو پھر ممکن نہیں کہ محروم رہو
عاشق کہ شد کہ یار بجالش نظر نہ کر دے خواجہ درد نیست و گرنہ طیب ہست
دایا کوئی نہیں کہ عاشق ہو اور محبوب بنے اس کے حال پر نظر نہ کیا ہو لے صاحب درد ہی نہیں درد طیب ہے

اور اسی دھن باقی رکھنے کے لئے فرماتے ہیں

اندریں راہ می تراش می خراش تا دم آخر می فارغ مباش
تا دم آخر می آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود
داس طریقی وصول الی اللہ ہمیشہ ادھیڑ بن میں لگے رہو اور آخر وقت تک ایک لحظہ بھی فارغ
مت رہو۔ آخر وقت تو کوئی گھڑی آخر ایس ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہر ازور نیک بن جائی

یعنی کوئی وقت ایسا ضرور ہوگا کہ مقصود تک رسائی ہوگی۔ اب میں ختم
کرتا ہوں اور ہر چند کہ میں نے کہا تھا کہ میں ان علماء باعمل کے نام نہ بتلاؤں
مگر پھر یہی رائے ہوئی کہ بتلا دوں لیکن اس لئے نہیں کہ خواہ مخواہ ان کے
معتقد ہی ہو جاؤ۔ میرے کہنے سے تو اس وقت معتقد ہو کہ میرے معتقد ہو
سو میں کہتا ہوں کہ آپ ہرگز میرے معتقد نہ ہوں میں خود قابل اعتقاد نہیں
صرف مسائل بتلانے والا ہوں اور یہ کہنا میرا تو اضعاف نہیں نہ اس میں
مجھے تو اضعاف کرنے کی ضرورت ہے جو چیز اپنے پاس ہے اس کو ظاہر کرتا
ہوں۔ میں بجز اللہ علم ضروری جانتا ہوں اس کے بتلانے کے لئے میں تیار ہوں۔ گو
وہ کامل نہیں ہے چنانچہ بہت سی باتیں مجھے معلوم بھی نہیں اور اگر مجھ سے
کوئی ایسی بات پوچھی جاوے گی اس کے متعلق میں یہ کہہ دوں گا اور کہہ دیتا
ہوں کہ میں نہیں جانتا۔ پس علم ضروری کا انکار نہیں اور قابل اعتقاد
ہونے کا دعویٰ نہیں اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ میرے کہنے سے ان بزرگوں
کے معتقد ہو جاؤ۔ خود جانچو۔ دیکھو سو اس غرض سے نام نہیں بتلانا بلکہ
محض اطلاع مقصود ہے سو وہ بزرگ یہ ہیں۔ ایک مولانا عبدالرحیم صاحب

اس زمانہ میں مرلی اور شیخ بنانے کے قابل کون حضرات ہیں

رائے پوری جو اسی جلسہ میں تشریف فرما ہیں۔ یہ تو تربیت کے لئے کافی ہیں۔ دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کہ وہ افادہ علم اور تربیت دونوں کے لئے کافی ہیں۔ تیسرے بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کہ وہ بھی تعلیم اور تربیت دونوں کے لئے کافی ہیں۔ اور نام اس وقت میں نے نہیں لئے۔ میں نے ایک تنبیہات و وصیت لکھی ہے اس میں چند بزرگوں کے نام لکھ دیئے ہیں آپ خود ان کا امتحان کر لیں۔ لیکن امتحان ایک دو دفعہ کے ملنے سے نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو اکثر لوگ خشک مزاج بتلاتے تھے کیونکہ یا تو کبھی ملے نہیں اور یا اگر ایک دو دفعہ ملے تو اتفاق سے ایسے وقت ملے کہ مولانا کسی دوسرے شغل یا احتساب میں مشغول ہوئے۔ بس اس ایک جلسہ میں دیکھ کر عمر بھر کے لئے ایک غلط حکم کر دیا اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص سنے کہ فلاں بیچ صاحب بڑے خوش خلق ہیں اور یہ سُن کر ان سے ملنے کو عدالت میں جاؤ اور اتفاق سے ایسے وقت پہنچے کہ صاحب بیچ دو آدمیوں کو جس دوام کا حکم سنا رہے ہوں اور دو کو پھانسی کا حکم سنا رہے ہوں تو یہ شخص یقیناً اس بیچ کو نہایت درجہ خوشخوار سمجھے گا لیکن عقلمند آدمی کہے گا کہ بھائی تم نے عدالت میں دیکھا پھر اتفاق سے اس وقت سنگین مقدمات پیش تھے ذرا ان کے بنگلہ پر جا کر تو دیکھو اسی طرح بزرگوں کے پاس ایک وقت جا کر دیکھا اور کہہ دیا کہ نہایت خشک ہیں۔ صاحبو! کم از کم ایک ایک ہفتہ تک رہ کر تو دیکھو۔ اور اگر پھر بھی سوائے اپنے کوئی پسند نہ آوے تو ہم اس کا علاج نہیں کر سکتے۔ شاید اس فہرست سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ اپنے ہی سارے بزرگوں کا نام دے دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ

ملی بھگت ہے۔ تو اول تو خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ ملی بھگت ہے یا کیا۔ دوسرے میں نے تو بیعت کرنا بھی چھوڑ دیا ہے پھر ملی بھگت کا احتمال رہا۔ صرف جو مجھ کو معلوم تھا بتلا دیا۔ ہاں یہ شبہ تو اب بھی رہا کہ بزرگوں کی تعریف کرنا درحقیقت اپنی تعریف ہے کہ ہم بھی بزرگ ہیں کہ بزرگوں کو پہچانتے ہیں سے

ماورح خورشید مداح خود است کہ دو چشم و نامر دست

د آفتاب کی تعریف کرنیوالا خود اپنی تعریف کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کی دونوں

آنکھیں اس سے روشن ہیں)

سو اس کا جواب یہ ہے کہ خیر یہی ہے آپ یوں ہی سمجھیں اس سے ہم کیونکر بچیں۔ دوسرے آپ کو کیا خبر ہے کہ میں نے خود پہچان کر ہی کہا ہے تاکہ وہ شبہ ہو ممکن ہے کسی بزرگ سے شکر ہی کہا ہو اور اُس کی بزرگی اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اءِ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ کے قاعدے سے محقق ہوئی ہو بہر حال آپ ان سب کو دیکھئے اور سب کا امتحان کیجئے سے

مانصیحت بجائے خود کر دیم روزگارے دریں بسر برویم
گر نیاید بگوشش رغبت کس بر رسولان بلاغ باشد و بس
(ہم نصیحت بجائے خود کی ہے اور ایک زمانہ اس میں گزارا ہے اگر کسی سننے کی

رغبت نہ تو رسول پر بس پہونچا دینا کوئی عمل کرے یا نہ کرے)

پس ہاں صحبت کے نافع ہونے کی بنا پر فرماتے ہیں کہ اپنے صحابہ رحمہ کو محروم نہ کیجئے اور اپنے نفس کو اُن کے ساتھ جمائیے۔ اب میں آیت کا خالی ترجمہ کر کے ختم کئے دیتا ہوں۔ ترجمہ یہ ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے کو ایسے لوگوں کے ساتھ جما کر بٹھلائے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں اور آپ کی آنکھیں اُن سے نہٹنے نہ پاویں (یعنی آنکھیں بھی اُدھر ہی متوجہ رہیں) اس سے

بھی میں ایک دوسرا مسئلہ استنباط کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ بزرگوں کی توجہ سے بھی نفع ہوتا ہے تو گویا اول جملہ میں تعلیم کا بھی اشارہ ہوا کہ پاس بیٹھنے سے احکام بھی حاصل ہوں گے اور دوسرے میں تربیت کا۔ آگے فرماتے ہیں تَرْيِدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (دنوی زندگی کے رونق کے خیال سے) اس کو بعض نے مستقل جملہ کہا ہے یعنی کیا آپ دنیا کی زینت چاہتے ہیں۔ مگر میں نے اس کو جملہ حالیہ سمجھا ہے اور لَا تَعُدُّوا فِي مَنفَىٰ كُوَيْلِ الْأَعْيُنِ وَلَا تَعُدُّوا فِي مَنفَىٰ كُوَيْلِ الْأَعْيُنِ اور عَيْنًا كَافِرًا کو بوجہ اقامت عین مقام ذات ذوالحال اور مقید کی نفی یہاں قید اور ذمی قید دونوں کے ارتفاع سے ہے یعنی جو عدوان بارادۂ زینت حیوۃ دنیا ہوتا وہ متروک ہے۔ اس طرح سے کہ عدوان ہے نہ ارادۂ زینت پس اس سے وقوع زینت کا لازم نہیں آتا۔ آگے دوسری نہیں ہے لَا تَطِيعُ مَنْ آغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا فَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطَاطًا یعنی ان کا کہنا نہ مانو جن کو ہم نے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور اس نے اپنی ہوائے نفسانی کا اتباع کیا اور اس کا کام حد سے نکلا ہوا ہے۔ یہاں سے ایک تیسری بات بھی معلوم ہوئی کہ مشورہ بھی ایسے شخص کا قبول کرے جس کی یہ حالت نہ ہو آغْفَلْنَا قَلْبَهُ الْإِسْرَامُ نے اس کے دل کو غافل کر دیا ہے) کیونکہ بے دین کے مشورہ میں بھی برکت نہیں ہوتی۔ چنانچہ رُو سار کفار کے اس مشورہ تخصیص مجلس کے قبول سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ممانعت فرمادی۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ اس میں تعلیم اور تربیت دونوں کا بذریعہ صحبت نافع ہونا بتلایا ہے اور شیوخ کا بھی علاج کر دیا ہے کہ آپ بھی بے پروائی نہ کریں سبحان اللہ کیا عجیب جامع جملہ ہے

اب میں ختم کر چکا۔ اور اتمامِ حجت کے لئے پھر کہتا ہوں کہ اپنے
 اور اپنے بچوں کے لئے صحبتِ نیک کا اہتمام کرو۔ اب ہر شخص جو
 چاہے اس صحبتِ صالح کے متعلق دستور العمل مقرر کر لے خواہ ہفتہ
 میں ایک دن یا مہینہ میں دو تین یا سال میں ایک ماہ یا کم و بیش۔
 خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ فہم سلیم اور توفیق عمل کی بخشش
 آمین شہد آمین

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی حنا مقانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

مواعظِ حسنہ کا بیش بہا ذخیرہ

جو معاشرہ کی اصلاح اور مسلمانوں کی دنیا و آخرت کی
 فلاح و بہبود کے لئے اکسیر ہیں

مواعظِ اشرفیہ

مجلد اعلیٰ بارہ حصے در چھ جلد
 قیمت: چار سو چاس روپے۔ علاوہ خرچہ ڈاک

دعواتِ عبدیت

مکمل مجلد ۹ حصے در چار جلد
 قیمت: تین سو پچھتر روپے۔ علاوہ خرچہ ڈاک

انگریزوں پر مکمل سنت کے موافق گنتی کا مسنون طریقہ ایک
 سے لیکر دس ہزار تک مع نقشہ جات کے سکھایا ہے۔
 اس کو دیکھ کر بہ آسانی گنتی آجاتی ہے۔ قیمت ۱۰/-

عقد انامل

صلفہ کا پتہ: - مکتبہ تمھانوی متخلص مسافر خانہ بندر روڈ کراچی

۱
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ رَيْتِهِ
بَلِّغُوا أَوْلَادَكُمْ

رواه البخاری

وعظ

مسمی بہ

تذکیر الآخرہ

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان عفی عنہ

مکتبہ تھانوی، دفتر الابقاء

متصل مسافر خانہ - بند روڈ - کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ

تذکرہ الآخرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَحْمَدُ لِلَّهِ تَحْمَدُهُ وَتَسْتَعِينُهُ وَتَسْتَغْفِرُهُ وَتُؤْمِنُ بِهِ وَتَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَتَعُوذُ
بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَتَشْهَدُ أَنَّ
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ
أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ

(خدا تعالیٰ نے فرمایا ہرگز یوں نہیں بلکہ تم جلدی یعنی دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑے

دیتے ہو) میں اس وقت جس مضمون کو بیان کرنا چاہتا ہوں وہ ایک

نہایت ضروری مضمون ہے اور مولوی شبیر احمد صاحب کی تقریر

”دار الآخرہ“ کا گویا تمہہ ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی تقریر میں

اعتقاد آخرت کا بیان کیا ہے میں آخرت کے متعلق عمل کا بیان

کرنا چاہتا ہوں جو آیت میں نے اوپر تلاوت کی ہے اس میں خداوند

تعالیٰ زجر و توبیح کے ساتھ فرماتا ہے کہ تم لوگ اس چیز کو پسند کرتے

ہو جو عاجلہ ہے اور آخرت کو چھوڑے دیتے ہو۔ جاہل اس کا یہ ہے کہ

جو لوگ دنیا کو لئے ہوئے ہیں اور دنیا میں مبتلا ہیں اور آخرت کو

چھوڑے بیٹھے ہیں ان کے لئے اس آیت میں تنبیہ ہے پہلا مضمون (مولوی شبیر احمد صاحب کا مضمون) علمی تھا اور یہ گویا عملی ہے اور چونکہ مقصود علم سے عمل ہی ہے اس لئے یہ میرا مضمون گویا اس مضمون کا متمم ہے اور ہر چند کہ بعض علوم ایسے ہیں جو قطع نظر عمل سے خود میں حیثیت العلم (علم کی حیثیت سے) بھی مقصود ہیں اور اسی لئے حکماء نے بھی اپنے فنون کے مثلاً طب ہی کے دو جز قرار دیئے ہیں علمی اور عملی اور تمام دنیا اس تقسیم کو مانتی ہے۔ اور یہ دونوں ہی مطلوب ہیں لیکن تاہم وہ علوم مقصود بھی نظر غائر میں کسی نہ کسی عمل سے من وجہ ضرورت تعلق رکھتے ہیں مثلاً خدا تعالیٰ کے ایک ہونے کا اعتقاد ایک مقصود ہو مگر عمل میں بھی اس کا ایسا خاص اثر ہے کہ جس درجہ کا یہ اعتقاد ہوتا ہے اسی درجہ تک اس عمل کا ثواب بڑھ جاتا ہے عارف و صحابہؓ کی عبادت کا فرق مراتب کا یہی راز ہے۔ عارف و صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین (ان سب پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو) کی عبادت خواہ مالی ہو یا بدنی اس کے مقابلہ میں کسی کی عبادت نہیں ہو سکتی صحابہؓ کی عبادت میں کیا بات زیادہ ہے؟ وہی علم و خلوص عارف کی دو رکعتیں ہماری دو لاکھ رکعتوں سے بہتر و افضل ہیں اس لئے کہ علم و اذعان اور خلوص اس میں اس قدر پایا جاتا ہے جو ہماری عبادت میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مرشدی نے فرمایا تھا کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بہتر و افضل ہیں حضرت نے یہ غلط نہیں کہا اور نہ اس میں مبالغہ ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو میرا صحابی آدھا مدغلہ خیرات کرے وہ اُحد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کرنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے اگر اس حدیث کی بنا پر آدھ سیر غلہ کے مقابلہ میں آدھ سیر سونا لیا جائے اور اس کی نسبت سے اُحد

پہاڑ کو دیکھیں تو نسبت معلوم ہوگی کہ کیا ہے۔ اور اگر یہ نسبت اس طرح لی جائے کہ بجائے آدھ سیر غلہ کے اُس کی قیمت لے کر چھ سونے کی قیمت سے موازنہ کیا جائے تو اور زیادہ نسبت حاصل ہو اور یہ ثواب کی زیادتی صرف علم معرفت کی زیادتی سے ہے اور اس سے اچھی طرح صحابہ کی عبادت اور ہماری عبادت کی نسبت معلوم ہو سکتی ہے۔ بعض لوگ شاید یہ کہیں کہ مولوی بھی عجیب آدمی ہیں کہیں اس حدیث کی علت محبت و خلوص کو بتلاتے ہیں اور کبھی علم و معرفت کو اور ایک ہی حاشیہ سے متعدد مواقع پر متعدد کام لیتے ہیں سو واضح ہو کہ خلوص و محبت کا بھی علم و معرفت ہی سے حاصل ہوتا ہے جو صحابہ میں پایا جاتا تھا۔ پس ایک ہی چیز ہے خواہ اس کو خلوص سے تعبیر کرو خواہ علم و معرفت سے خوب کہا ہے۔

عِبَادَاتُنَا شَتَّىٰ وَحَسُنَاكَ وَاحِدًا ۖ فَكُلُّ إِلَىٰ ذَاكَ الْجَمَالِ يَتَشَبَّهُ

(عنوانات مختلف میں معنون ایک ہی حسن ہو اور ہر عنوان جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے)

اسی علم و معرفت سے ان حضرات کو وہ ادراک عطا ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اول بار دیکھا تو باوجود اُس وقت تک وہ خلوص جو بعد صحبت میں ہوا نہ تھا مگر طلبِ حق کا جس قدر خلوص تھا اسی کا یہ اثر تھا کہ دیکھتے ہی بیساختہ بول اُٹھے هَذَا الْيَسَّ لِوَجْهِهِ كَذَابٍ (یہ چہرہ جوئے شخص کا نہیں ہو سکتا)

نور حق ظاہر ہو اندر ولی نیاک میں باشی اگر اہل دلی

(ولی کے اندر انوارِ الہی نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر تم اہل دل ہو تو اس کا ادراک رکھتے ہو۔)

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیشانی شعور

سَيِّمًا هُمْ فِي دُجُوهِهِمْ مِنْ أَشْرَارِ السُّجُودِ (ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں

میں نمایاں ہیں) تو جب وہ کامل خالص ہو گیا ہوگا تو کیا حال ہوا ہوگا

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند

(ایک چلو خاک آلودہ جب مجنوں بنا دیتی ہے اگر صاف ہو تو نہ معلوم کیا کر دے)

غرض صحابہؓ کو علم خالص تھا اسی وجہ سے ہماری سعادت کا ملہ بھی ہے کہ صحابہ کا اتباع کریں۔ ایک نظیر سے اس واقعہ کی کہ ہم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر کیوں چلیں اور ان کی زندگی ہماری رہنما کیوں ہے تحقیق نہایت دل نشین مثال سے ہو سکتی ہے۔ دنیا جانتی ہو کہ ریل کس طرح چلتی ہے ریل کے چلنے میں متحرک اولاً انجن ہی ہر گاڑی میں انجن نہیں ہوتا بلکہ اگر ہر گاڑی میں انجن ہوتا تو شاید ریل چلتی بھی نہیں بلکہ ساری گاڑیوں کے لئے ایک ہی انجن ہوتا ہے جو سب کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ترکیب یہ کہ حرکت اولیہ ایک چیز میں ہوتی ہے اور دوسری چیزوں کو مرتبط کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ریل گاڑی میں ہوتا ہے کہ انجن صرف متحرک اولاً ہوتا ہے اور ساری ریل گاڑی انجن سے مرتبط ہوتی ہے اکیلا انجن جو متحرک اولاً ہے ساری گاڑیوں کو کالک سے کلکتہ تک لیجاتا ہے۔ جب ایک انجن متحرک اولاً بہت سی گاڑیوں کو ہزار ہا کوس لیجاتا ہے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔ اگر ایک شخص صحابہؓ سے تعلق رکھنے والا خدا تعالیٰ تک پہنچ سکے جو شخص خدا تعالیٰ تک پہنچنا چاہے وہ صحابہؓ کے انجنوں سے مرتبط ہو جائے

بود مورے ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(ایک چیونٹی کو کعبہ میں پہنچنے کا ارادہ ہوا کبوتر کے پاؤں بکڑے اور ایک پہنچ گئی)

ایک چیونٹی تھی غریب و مفلوک الحال اُس نے حج کے جانے کا ارادہ کیا لیکن کوئی سامان اس کے پاس موجود نہ تھا اسی فکر میں حیران و پریشان تھی حجاج سے ترکیب پوچھی حاجیوں نے بتلایا جہاز میں اتنے دنوں سفر کرنا پڑتا ہے اور اونٹوں پر اتنے دن تک سفر ہوتا ہے تب

کہیں یہ ہزار ہا میل کا سفر ختم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں بڑی دقتیں ہیں ہزاروں میل کا سفر سیکڑوں روپیہ کا خرچ چور ڈاکو کا خوف جان کا خطرہ غرض بڑی بڑی تکلیفیں ہیں جن کو اٹھانے کے بعد کہیں حج نصیب ہوتا ہے بیچاری یہ سُن کر سخت پریشان و ہراساں ہوئی اسی ذوق و شوق اور غمگین حالت میں تھی کہ ناگہاں ایک رہبر نظر آیا جو مصداق تھا اس شعر کا

اے لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(یعنی آپ ایسے بابرکت ہیں کہ آپ کی طاقت ہی ہر سوال کا جواب ہے اور آپ ہر مشکل آسان ہو جاتی ہوں)

اور اس نے پوچھا کہ کہو کیسی حالت ہے بیچاری رنج و غم میں بیٹھی ہوئی تھی ایک درد مند کو پا کر کچھ تسکین حاصل ہوئی اور کہا کہ میری حالت کیا ہے حج کو جانا چاہتی ہوں دل میں شوق محبت بھرا ہوا ہے لیکن پہنچنے کے وسائل نہیں اس وجہ سے غمگین و پریشان ہوں۔ اگر کوئی تدبیر آپ بتلا سکیں تو اللہ بتلائیے اس شخص نے کہا کہ اچھا میں ایک طریقہ بتلاؤں اگر نخوت و تکبر نہ کرو کیونکہ نخوت و تکبر سے مقصد حاصل نہیں ہوتا اور آدمی ہمیشہ ناکام رہتا ہے اس نے کہا بہت بہتر میں ہر طرح راضی ہوں اتنے میں ایک کبوتر آگیا اور جنگل میں دانہ چلنے لگا وہ شخص جانتا تھا کہ یہ کبوتر حرم جانے والا ہے اس سے کہا اگر تم جانا چاہتے ہو تو اس کبوتر کے پاؤں پکڑ لو اور نخوت و غرور نہ کرو حرم میں پہنچ جاؤ گے۔

بود مورے ہو سے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(ایک چوٹی نے حج جانے کا ارادہ کیا حرم کے کبوتر کے پاؤں پکڑے اور حرم میں پہنچ گئی)

غرض اس سے یہ ہے کہ وابستگی و ارتباط میں نخوت و غرور اور تکبر نہ کرو وابستگی و ارتباط میں استنکاف کا ہونا کامیابی کی دلیل ہے اگر وابستگی

کے ساتھ استنکاف کرو گے تو ہرگز کامیاب نہ ہو گے اور رہ جاؤ گے مسلمانوں میں اس کی سخت ضرورت ہے کہ وہ مقتداؤں سے ارتباط اور تعلق پیدا کریں کیونکہ مسلمانوں میں اتباع سے عار پایا جاتا ہے اور وجہ استنکاف کی یہ ہے کہ وہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اپنے کو دولت مند اور صاحب عزت خیال کرتے ہیں اور عارف باللہ اکثر غریب و خستہ حال ہوتے ہیں اس لئے یہ خیال کر کے یہ لوگ چھوٹی حیثیت کے ہیں۔ غریب و مفلوک الحال ہیں میلے کچیلے اور بد حیثیت ہیں اور ہم بڑے دولت مند صاحب عزت ہمارا اور ان کا کیا جوڑ۔ ہم ان سے کیا تعلق اور ربط پیدا کریں افسوس اسی چھوٹے بڑے کے خیال نے شیطان کو راندہ درگاہ بنایا یہاں شیطان نے یہی تو کہا تھا کہ میں ایک چھوٹی حیثیت کے وجود کو جو مجھ سے ارذل اور کمتر ہے کیوں سجدہ کروں یہی نخوت و تکبر اس کی تباہی کا موجب بنا اور اسی نے اُس کو کھویا اور یہی ہم کو خراب کر رہا ہے۔ آج یہ مرض مسلمانوں میں کثرت سے ہے اور ہر شخص اس میں مبتلا پایا جاتا ہے میں اعتراض نہیں کہتا بلکہ شفقت کے لحاظ سے کہتا ہوں مسلمانو! اس خیال کو چھوڑو و ہماری ناکامیابی کی یہی وجہ ہے اور ہماری تباہی کا یہی موجب ہے۔ اس صورت پرستی نے ہم کو برباد کیا ہے اہل حقیقت صورت کی نسبت فرماتے ہیں

گر بصورت آدمی النساں بدے احمد و ابوہل ہم یکساں شدے
اینگہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم خلاف آدم اند

(اگر آدمی کی صورت کی وجہ سے انسان ہوتا تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوہل یکساں ہوتے

یہ کہ خلاف آدم کے تجھ کو نظر آتا ہے آدم نہیں ہیں آدم کے خلاف میں ہیں)

لباس کو چھوٹے بڑے ہونے کا معیار نہ بناؤ۔ لباس کو دیکھ کر چھوٹے بڑے ہونے کا احتمال نہ کرو مولوی صاحب دس روپیہ کے نوکر ہیں میلے کچیلے

اور ٹوٹے پھوٹے حال میں ہیں اس کی طرف نہ دیکھو لباس کے اچھے برے ہونے سے آدمی کا اچھا بُرا ہونا معلوم نہیں ہوتا اگر شریعت مجبور نہ کرتی تو اہل اللہ اور عارف باللہ پانچامہ بھی نہ پہنتے ان لوگوں کو جسم کی آرائش اور زینت سے کام کیا ہے

نبا شد اہل باطن درپے آرائش ظاہر بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستانِ ا

داہل اللہ آرائش ظاہری کے درپے نہیں رہتے ان کو ظاہری آرائش کی حاجت نہیں جیسا کہ

نقاش کو دیوار گلستان کی کچھ حاجت نہیں

ذوق شاعر نے کیا خوب کہا ہے

عریاں ہی دفن کرنا تھا زیر زمیں مجھے

ایک دوستوں نے اور لگا دی کفن کی شاخ

اس موقع پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک بادشاہ ذمی حشمت و شوکت تھے لیکن ان کے بھائی لنگی باندھے ہوئے پھر کرتے تھے۔ بادشاہ کو شرم آتی تھی کہ میں اتنا بڑا بادشاہ اور میرا بھائی صرف لنگی باندھے ہوئے پھرتا ہے۔ ان کو بلا کر بادشاہ نے کہا کہ بھائی مجھے شرم آتی ہے تم پانچامہ پہن لو انھوں نے کہا کہ ایک شرط سے کہ جب کرتا بھی ہو کہا کرتے بہت کہا کرتے کے ساتھ ٹوپی بھی ہو بادشاہ نے کہا ٹوپی بھی بہت کہا کہ جوتہ بھی ہونا چاہئے بادشاہ نے کہا جوتہ بھی بہت کہا کہ جب یہ سب چیزیں ہوں تو ایک سواری بھی ہونا چاہئے بادشاہ نے کہا کہ سواری بھی ہو انھوں نے کہا سواری گھوڑے کی اور اس کے لئے ایک اصطبل اور ساتیس بھی ہونا چاہئے۔ بادشاہ نے کہا یہ چیزیں بھی موجود ہیں پھر کہا ایک مکان رہنے کے واسطے بادشاہ نے کہا بڑے بڑے عالیشان مکان آپ کے واسطے موجود ہیں کہا کہ پھر ایک سلطنت بھی ہونی چاہئے بادشاہ نے کہا سلطنت بھی حاضر ہے شوق سے تخت پر بیٹھے اور حکمرانی کیجئے یہ سب پوچھ کر بادشاہ

سے کہنے لگے کہ میں پانچ ماہ ہی کیوں پہنوں جس میں اتنے جھگڑے ہوں اور ایسا بکھیڑا ہو۔ غرض جو لوگ عارف باللہ ہوتے ہیں انہیں ایسے تکلفات سے غرض نہیں ہوتی سادہ زندگی رکھتے ہیں اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور نہ ان کے قلب میں اس سامان کی وقعت ہوتی ہے۔ ایک بزرگ نے ایک بادشاہ سے دریافت کیا کہ اگر آپ کسی موقع پر راستہ بھول جائیں اور وہاں پیاس معلوم ہو اور تشنگی بیچپن کر رہی ہو اور ایک شخص پانی لے کر آوے اور کہے کہ میں یہ کٹورا پانی آدھی سلطنت کو فروخت کرتا ہوں تو آپ اسے خرید لیں گے بادشاہ نے کہا بلا شک میں آدھی سلطنت میں اس ایک کٹورہ پانی کو خرید لوں گا۔ بزرگ نے کہا اگر اسی طرح کبھی آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور کوئی شخص یہ کہو کہ میں نصف سلطنت کے معاوضہ میں پیشاب کا بند کھولتا ہوں تو آپ اس پر راضی ہو جائیں گے۔ کہا بیشک بزرگ نے فرمایا کہ آپ کی سلطنت کی کیا قیمت۔ ایک کٹورہ بھر پانی اور پیشاب ایسی قیمت کی چیز پر نخوت و غرور کرنا اور دوسروں کو حقیر و ذلیل خیال کرنا کہاں تک درست کہا جاسکتا ہے یہاں سے حالت معلوم ہوتی ہوگی آجکل کی ترقی کی۔ میں ترقی کو منع نہیں کرتا بلکہ ترقی کو پسند کرتا ہوں لیکن اسی طرح جس طرح کہ ایک نیک اور مسلمان کو ترقی حاصل کرنی چاہئے۔ ایسا نہیں کہ ترقی میں دین ہی کو بھول جائیں اور خدا تعالیٰ کا خیال بھی نہ آئے جو لوگ خدا تعالیٰ کو جان لیتے ہیں وہ دنیا سے زیادہ محبت کیا بالکل محبت نہیں رکھتے سے آنکس کہ تراشناخت جاں را چہ کند فرزند و عزیز و خانما را چہ کند (جس شخص کو آپ کی معرفت حاصل ہوگئی اس کو جان اور فرزند و عزیز اور اسباب کا پرواہ نہیں)

دنیا کا وجود ان کی نظروں میں کاہ سے زیادہ نہیں چھوٹے چھوٹے بچے مٹی کے گھروندے کھلونے بناتے ہیں عقلا۔ ان پر ہنستے ہوئے گذرتے ہیں

اور بچوں کو بلا کر دکھاتے ہیں کہ ان دیوان خانوں میں آؤ اور ان کو
دیکھو اسی طرح عرفاء اور اہل اللہ آپ کے بلند قصروں اور محلوں کو
دیکھ کر آپ کو دار آخرت کی ترغیب دیتے ہیں اور جب آپ کو ملتفت
نہیں پاتے تو وہ آپ پر مہنتے ہیں اور آپ کی حالت پر یہ کہتے ہوئے
افسوس کرتے ہیں سے

ولاتا کے دریں کاخ مجازی کنی مانند طفلاں خاکبازی
توئی آل دست پرور مرغ گستاخ کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرازاں آشیانہ بیگانہ گشتی چو دوننا چغدا میں ویرانہ گشتی

راے دل اس مجازی محل (دنیا) میں بچوں کی طرح خاک بازی کرتا رہے گا تو وہی ہاتھ کا
پلا ہوا پرندہ ہے کہ تیرا آشیاں اس محل سے باہر تھا کس لئے اپنے آشیانہ سے انجان ہٹ کر
آؤ کی مانند اس ویرانہ کا ہو رہا۔

پس اس سامان کو قبلہ و کعبہ مت بناؤ۔ اور ان علماء کو جو خستہ حالت
میں ہوں میلے کھیلے ہوں حقارت کی نظروں سے نہ دیکھو وہی لوگ خاصاً
خدا تعالیٰ اور کچھ لے جانے والے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا چھوڑ دو
اور تمام تعلقات کو ترک کر دو بلکہ غرض یہ ہے کہ دنیا میں اس قدر
منہماک نہ رہو کہ خدا تعالیٰ کو بھی بھول جاؤ بلکہ دنیا کو نظر حقارت
سے دیکھو اور خاصاً خدا تعالیٰ کی عزت کرو۔ اہل اللہ سلطنتوں اور
حکومتوں کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کو وبال جان خیال کرتے ہیں۔
قصہ مشہور ہے کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت
مبارک میں سلطان سنجر نے خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ ایک حصہ ملک
آپ کے خدام کے لئے آپ کو دیتا ہوں۔ آپ نے جواب میں لکھ بھیجا کہ

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب من ملک نیمروز یک جوئی خرم

(چتر سنجی کی طرح میرا منہ کالا ہو اگر میرے دل میں ملک سنج کا دوسو سہ بھی ہو اس لئے کہ
جب سے مجھ کو نیم شب کی سلطنت ملی ہے میری نظر میں نیروز کی سلطنت ایک جوئے برابر بھی نہیں ہے)

ایک عارف کا قول ہے کہ ۵

بفراغ دل زمانے نظرے بجا ہوتے بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ وزہائے وہوتے

(یعنی ایک ساعت ایک لمحہ محبوب کو اطمینان سے دیکھنا دن بھر کی دار و گیر شاہی سے بہتر ہے)

جس شکستگی کو حقارت سمجھتے ہو اس کی نسبت حدیث قدسی ہے اَنَا عِنْدَ
الْمُنْكَسَّرَةِ قُلُوبُهُمْ (میں شکستہ دل لوگوں کے ساتھ ہوں) یہی شکستگی بشرط وصول

ہے مولانا فرماتے ہیں ۵

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

ہر کجا دردے شفا آنجا رود ہر کجا رنجے دوا آنجا رود

(یعنی فہم و خاطر تیز کرنا حق تک پہنچنے کی راہ نہیں ہے بلکہ شکستگی کی ضرورت ہے۔ بجز شکستہ

لوگوں کے فضل خداوندی کسی کو قبول نہیں کرتا جس جگہ نیچاں ہوتا ہے وہاں پانی مرتا ہی چہا

مشکل پیش آتی ہے وہاں ہی جواب دیا جاتا ہے جس جگہ بیماری ہوتی ہے وہیں دوا کی ضرورت

پڑتی ہے جہاں بیماری ہوتی ہے وہاں ہی شفا پہنچتی ہے ۱۲)

ہم لوگوں کو طلب نہیں ہے اگر طلب ہوتی تو اتباع میں تذلل بھی گوارا

ہوتا اگر کوئی شخص کسی پر عاشق ہو جائے اور معشوقہ عاشق سے کہے کہ

تمام کپڑے اتار کر لنگوٹ بند ہو جاؤ تب وصل ہو گا۔ واللہ ایسا ہی

کرے گا۔ اس کو لنگوٹ بند ہونے میں کچھ بھی تامل نہ ہو گا۔ اور تمام شرم

حیا بالائے طاق رکھ دی جائے گی لیکن خدا تعالیٰ کے لئے ایسا نہیں ہے

عشق مولیٰ کے کم از لیے بود گونے گشتن بہرا و اولی بود

(محبوب حقیقی کا عشق بے لگاؤ کے عشق سے کیا کم ہو عشق خداوندی میں گیند کی طرح لڑھکن زیادہ اچھا ہے ۱۳)

ایک زندہ نظیر سے اس کو دیکھئے کیمیا گروں کی حالت سب کو معلوم ہو کہ کپڑا

ان کے بدن پر نہیں ہوتا میلے کچیلے اور غلیظ رہتے ہیں لیکن عام لوگوں کے علاوہ والیان ملک اور بادشاہ تک ان کے پیچھے ایک سٹرا ہوا حقہ لئے پھرا کرتے ہیں اگرچہ حقیقت میں وہ کیمیا گرنہ ہو۔ اللہ اکبر ایسی کیمیا کے لئے اپنے عیش و عشرت اپنی ذاتی عزت ووجاہت کو تباہ کر دیا لیکن جن کو صحیح کی کیمیا آتی ہے جو لوہے کو سونا بناتے ہیں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اگر ان کے پیچھے پھرو تو تعجب نہیں کیونکہ کیمیا گر حقیقت میں وہی ہیں حاصل یہ کہ اگر تم بھی صحابہ سے ارتباط حاصل کرو گے ان کا واسطہ ڈھونڈو گے تو یقیناً کامیاب ہو گے کیونکہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا صحیح راستہ بتلانے والے یہی ہیں جس طرح کہ چیونٹی کبوتر کے پاؤں میں لگ کر کعبہ مقدس پہنچ گئی تو ہم بھی اسی طرح صحابہ کے پاؤں میں لگ کر کس طرح اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچیں گے۔ پہنچیں گے اور ضرور پہنچیں گے اور صحابہ سے واسطہ پیدا کرنا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واسطہ حاصل کرنا ہے تو کامیابی یقینی ہے۔ غرض معرفت و علم ہی نے صحابہ کو یہ درجہ دیا ہے علم و معرفت بہت بڑا درجہ رکھتا ہے اگر علم و معرفت کوئی چیز نہیں ہے تو دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے لیکن اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا تعلق بھی عمل سے ہے بدون عمل وہ چنداں نافع نہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ طلباء میں علم کا ناز پیدا ہو گیا ہے اور وہ خیال کرنے لگے ہیں کہ یہ علم ہمارے لئے کافی ذخیرہ ہے اور ہم بحیثیت علم ایک بڑی حیثیت رکھتے ہیں عقائد تو ان کے درست ہوتے ہیں لیکن اعمال ان کے ٹھیک نہیں ہوتے غلطی یہ پڑی ہوئی ہے کہ وہ علوم و عقائد کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے میں ان کو بتلا ہوں کہ تم عقائد کے گھمنڈ میں عمل درست نہیں کرتے اور جو کچھ ہے عمل ہی ہے اگرچہ علم و معرفت کے بعد ہی سہی۔ قنوج میں ایک صاحب عامل بالحدیث سے ملاقات ہوئی

مجھ سے کہنے لگے کہ اجی حضرت ہم صرف نماز ہی کے چند مسئلوں میں حدیث پر عمل کرتے ہیں باقی معاملات میں حدیث کا نام بھی نہیں لیتے مثلاً میں عطر بیچتا ہوں اور اس میں تیل بھی ملاتا ہوں۔ غرض عطا ہم بہت کمزور ہیں۔ اسی طرح ہم حنفی ہیں ہمارے عقائد درست ہیں لیکن اعمال کی شکایت ہم میں بھی ہے حالانکہ عمل وہ چیز ہے کہ جس پر سب چیز موقوف ہو۔ ہر چیز کہ بعض علوم و معارف ایسے ہیں جن کا عمل سے چنداں تعلق نہیں ہے بلکہ خود وہ علوم ہی مقصود معلوم ہوتے ہیں لیکن قرآن شریف اور احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غایت بھی عمل سے خالی نہیں۔ مثلاً خداوند تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لَكِنَّا تَأْسُرُونَ عَلٰی مَا قَاتَلْتُمْ وَلَا تَفْهَمُونَ اِيْمَا تَا كُمْ (کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں) لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں اور یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (یہ بات) بتلا اس وجہ سے وہی ہکا جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تا کہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراد نہیں) اس آیت میں مسئلہ تقدیر کی تعلیم کی ہے یعنی جو کچھ مصیبت آفاقی یا انفسی پہنچتی ہے وہ ہم نے پہلے سے لکھ رکھی ہے یہ ایک تعلیم ہے لیکن اس علم میں بھی ایک عملی غایت موجود ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تقدیر کی تعلیم کیوں دی اس لئے کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے فوت ہو جائے اس پر مغموم مت ہو اور جو چیز مل جائے اس پر شاداں نہ ہو (مراد فرح کبر ہے) اس تعلیم میں ایک یہ بھی بڑی خوبی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بالکل طبیعت کے موافق بتلایا ہے۔ کیونکہ غم و رنج طبعی ہوتا ہے۔ اس تعلیم سے غم کے موقع پر طبعاً تسلی و تسکین حاصل ہو سکتی ہے اور حوادث میں وہ سکون کا باعث ہو جاتی ہے تمام عقلاء جمع ہو کر بھی ایسی تدبیر

نہیں بتلا سکتے۔ غرض مسئلہ تقدیر کی ایک غایت تسلی و تسکین صبر و سکون بھی ہے چنانچہ لَکَّیْلًا تَأْسُوْا (تاکہ تم اتراؤ نہیں) میں اس کی تصریح ہے اور یہ ایک ایسی غایت ہے جس کا فائدہ انظر من الشمس (سورہ سوزیادہ ظاہر) ہے۔ ایک مفروضہ واقعہ سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آجائے گی خیال کیجئے کہ دو شخص ایک ہی جگہ کے ہوں دونوں کی ہر طرح سے یکساں حالت ہو لیکن فرق صرف یہ ہو کہ ایک ان میں تقدیر کا قائل ہو اور دوسرا تقدیر کا قائل نہ ہو اور دونوں کے دو لڑکے بھی یکساں ہوں دونوں نے یکساں تعلیم پائی ہو اور دونوں کے والدین نے یکساں تعلیم دی ہو دونوں کے والدین کی اُمیدیں ان سے وابستہ ہوں اتفاق سے دونوں لڑکے بیمار ہوں یکساں دونوں کا مرض ہو اور معالج بھی دونوں کا ایک ہی ہو ڈاکٹر کی غلطی سے علاج ناکافی ہو اور دونوں مرجائیں دونوں کے والدین کو سخت رنج ہو گا لیکن دونوں کا فرق اس موقع پر تقدیر کے مسئلہ سے ہو گا جو شخص تقدیر کا قائل ہے اس کی زبان سے تو اس موقع پر بیساختہ یہ کلمہ جاری ہو گا لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا یعنی جو کچھ مصیبت آتی ہے وہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے فِعْدُ الْحٰكِمِمْ لَا یَخْلُوْغِنِ الْحٰكِمَةَ خدا تعالیٰ کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو ایک لڑکے کو مار ڈالا تھا اس میں بہتری ہی تھی خداوند تعالیٰ بلا کسی حکمت کے کوئی کام نہیں کرتا۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میری والد کے انتقال پر ایک بدوی نے مجھ سے کہا۔

اَصْبِرْ لکن بِكَ صَابِرِیْنِ فَاِنَّمَا صَبْرُ الرَّعِیَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّأْسِ
آپ صبر کیجئے آپ بڑے ہیں اور ہم چھوٹے ہیں آپ کی وجہ سے ہم بھی صبر کریں گے۔

خَيْرٌ مِنَ الْعَبَّاسِ اَجْرُكَ بَعْدَكَ . وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِنْكَ لِلْعَبَّاسِ

آپ کے والد کے مرنے سے کسی کا نقصان نہیں ہوا بلکہ آپ کو اور انکو دونوں کو فوائد پہنچے آپ کو ثواب ملے گا جو عباس سے بہتر ہے اور عباس کو اللہ میاں مل گئے جو تم سے خیر ہے جب کسی کا نقصان نہیں ہوا تو غم کیسا۔ یہ مقولہ ہے ایک بدوی کا جو تقدیر کا قائل تھا دیکھو اس سے کیسی تسلی ہو سکتی ہے۔ دوسرا شخص جو تقدیر کا قائل نہیں ہے کہتا ہوں کہ لڑکے کو ڈاکٹر کی بے تدبیری نے مار ڈالا اگر ڈاکٹر تدبیر سے علاج کرتا تو لڑکا کبھی نہ مرتا۔ میں ڈاکٹر پر دعویٰ کروں گا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب پر دعویٰ دائر کر دیا گیا اور بیچارے ڈاکٹر صاحب کو جیلخانہ ہو گیا لیکن وہ حسرت اب بھی موجود ہے کہ اگر علاج میں بے تدبیری نہ ہوتی تو لڑکا نہ مرتا اس سے معلوم ہو گا کہ تقدیر کا قائل ہونا کیا کام دیتا ہوں کہ غم کی عمر دو تین ہفتہ سے زیادہ نہیں ہوتی چنانچہ قائل تقدیر کا سکون غم کے ازالہ کا سبب بن گیا اور منکر تقدیر کا غم ہمیشہ باقی رہا۔ اسی طرح ہر علم اور ہر اعتقاد میں ایک غایت عمل کی ضرورت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خداوند تعالیٰ آخر شب میں آسمان اول پر نزول فرماتے ہیں اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ حرکت خداوند تعالیٰ کے لئے خلاف ہے لیکن اعتراض کی نوبت کیوں آتی ہے۔ غایت عمل پر نظر نہ ہونے سے اگر غایت عمل پر نظر ہوتی یہ اعتراض ہی پیدا نہ ہوتا بلکہ یہ سنتے ہی عزم ہوتا کہ اس وقت توجہ الی اللہ (اللہ تعالیٰ بظرف توجہ) میں زیادہ اہتمام چاہئے کہ وقت قرب و قبول کا ہے اس کا پتہ مثال سے ملے گا کوئی حاکم دورہ پر ہو اور کسی جگہ سے قریب آ جاوے اور لوگ آ کر کہیں کہ فلاں حاکم یہاں سے ۶ میل کے قریب آگئے ہیں اور عنقریب آنا چاہتے ہیں اگر اس جگہ کے ملازم کہنے لگیں کہ کل تو اتنی دور تھے آج اس قدر مسافت طے کر کے کیونکر آئے تو اس سے معلوم ہو گا کہ وہ لوگ کام نہیں کرتے اگر

وہ کام کرتے ہوتے تو قریب ہونے کی توجیہ نہ ڈھونڈتے بلکہ کام کی درستی کے اہتمام میں لگ جاتے اسی طرح حدیث میں خداوند تعالیٰ کے قرب کو اس لئے بتلایا جاتا ہے کہ قرب کے جان لینے سے تنبیہ ہوگی اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور بزبان حال کہیں گے

امروز شاہ شاہاں مہاشدہ است مارا جبریل با ملائک درباں شدہ است مارا

(آج پادشاہوں کا بادشاہ ہمارا مہمان ہے جبرائیل مع فرشتوں کے ہمارے دربان ہوئے ہیں)

مجھے حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حکایت یاد آئی حدیث پڑھی گئی تھی کہ جو شخص تازہ وضو سے دو رکعت نماز پڑھے اور ان رکعتوں میں حدیث النفس نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت ایسا ہو سکتا ہے کہ نماز میں خیال نہ آوے مولانا نے فرمایا کہ کبھی کر کے بھی دیکھا تھا یا ویسے ہی شبہ کرتے ہو غرض محض الفاظ کی توجیہ کی تحقیق بیکاری کی علامت ہو عمل کو مقصود سمجھنا چاہئے۔ اور اسی وجہ سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا امر کبھی نہیں پوچھا اور نہ کبھی اعتراض کیا۔ ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں کیا کیا باتیں ہوئی تھیں بزرگ نے کیا خوب جواب دیا ہے

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغبان بلبل چه گفت و گل چه شنید و صبا چه کرد

(اب کس کا دماغ ہے کہ باغبان سے پرچے کہ بل نے کیا کہا اور پھول نے کیا تا اور صبانے کیا کیا؟)

کسی اور نے کہا ہے

تو نہ دیدی گئے سلیمان را چه شناسی زبان مرغیاں را

(تو نے جب سلیمان علیہ السلام کو دیکھا نہیں تو پھر پرندوں کی بولیاں کیسے سمجھے گا؟)

عنقا شکار کس نشو و دام چیں کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

(جس طرح عنقا کو کوئی شکار نہیں کر سکتا جان پھیلانا اور کوشش کرنا لا حاصل ہو اسی طرح

ذاتِ بحت کی کنہ کا ادراک نہیں کر سکتا اس لئے فکر و سوچ بیکار ہے)

وجہ یہ کہ تمہاری عقلوں کا جس قدر احاطہ ہے اللہ میاں کا احاطہ اس سے بہت زیادہ ہے اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر محیط ہے) محاط محیط کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ پانی کے کیڑوں میں سے ایک کیڑا سر نکال کر دیکھے کہ بڑے بڑے سامان ہیں خدا تعالیٰ کی حکمتوں سے جہاں معمور ہے لیکن وہ سب کے اسرار کو کیا سمجھ سکتا ہے اسی طرح محققین کی وصیت ہے

حاریث مطرب ومی گو و رازد ہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا
(مطرب دے یعنی عشق و محبت کی باتیں کرو زمانہ کے بھید اور اسرار کی ٹوہ میں مت لگو کیو)

یہ عقیدہ نہ کسی نے حل کیا نہ کر سکے گا)

اور اس مرض سے بڑھ کر علوم غیر شرعیہ کی تحقیق ہے نصوص شرعیہ سے جیسا آجکل جب کوئی مسئلہ سائنس کا سنا اور اس کو قرآن مجید میں داخل کرنے کی کوشش کی بھلا قرآن مجید میں سائنس و فلسفہ کے مسائل ڈھونڈنا کو اکب وغیرہ کی تحقیقات کرنا لغویات نہیں تو کیا ہے قرآن مجید میں اس کے متعلق اگر کچھ آیا ہے تو وہ توحید پر استدلال کرنے کے لئے آیا ہے تو اس غرض سے تفصیل کی حاجت نہیں بہت اجمال بھی کافی ہے حتیٰ کہ بدوی نے استدلال کیا ہے الْبُعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبُعِيدِ وَالْأَثَرُ يَدُلُّ عَلَى الْمَسِيرِ فَالسَّمَاءُ ذَاتُ الْأَبْرَاجِ وَالْأَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ كَيْفَ لَا يَدُلُّ عَلَى اللَّطِيفِ الْخَبِيرِ یعنی مینگنی اونٹ کا پتہ دیتی ہے (اور قدم چھنے والے کا پتہ دیتا ہے تو آسمان برجوں والا اور زمین راستوں والی کس طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کا پتہ نہ دیں گے) یہ تمام چیزیں جو کائنات میں نظر آتی ہیں خدا تعالیٰ کے وجود پر کیسے دلیل نہ ہوں گی۔ قرآن مجید میں سائنس و فلسفہ کی تحقیقات دیکھنے کی مثال بعینہ ایسی ہی جیسی کوئی جوتی سینے کی ترکیب طب اکبر میں دیکھے قرآن مجید طب اکبر ہے جوتی سینے کی کتاب نہیں ہے قرآن مجید میں روحانی تربیت اور

اصلاح کے نسخے ملیں گے سائنس و فلسفہ کی لغویات سے اُسے کیا تعلق اگر بقدر ضرورت کسی سائنس کے مسئلہ سے توحید وغیرہ پر استدلال کیا گیا ہی تو اس میں کلام نہیں لیکن قرآن مجید کو سائنس کی کتاب سمجھ لینا سخت غلطی ہے۔ صحابہ کا خدا تعالیٰ کی ذات و صفات پر بحث نہ کرنا امور کائنات کے متعلق کچھ دریافت نہ کرنا اس امر کو بتلاتا ہے کہ یہ سب باتیں زائد از ضرورت ہیں ایک سچے مسلمان کو ایسی باتوں سے واسطہ کیا پس علوم وہی مقصود ہیں جن کی کوئی غایت عملی بھی ہو جیسا مسئلہ تقدیر و حدیث نزول الرب ہیں معلوم ہوا اسی طرح توحید کی غایت میں خداوند تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ فرمایا ہے قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ اللهُ الصَّمَدُ (کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے) اس سورۃ میں خدا تعالیٰ کی ذات و صفات بیان کی گئی ہے اس سے فائدہ یہ ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ کو ایسا سمجھو گے غیر خدا پر طمعاً و خوفاً نظر نہ ہوگی جس طرح حاکم کا مقرب رعایا سے نہیں ڈرتا اسی طرح توحید پرست غیر خدا سے نہیں ڈرے گا۔ اکبر شاہ سے جنگل میں ایک گنوار سے دوستی ہو گئی اکبر نے گنوار کو گھر بلایا کہ اگر تمہیں کچھ ضرورت پیش ہو تو ہمارے پاس آ گنوار کو ایک مرتبہ کچھ ضرورت پیش آئی اور وہ اکبر شاہ کے پاس آیا دیکھا کہ اکبر شاہ نماز پڑھ رہے ہیں نماز پڑھ کر دعا کی گنوار نے دیکھا کہ جب یہ خود خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں تو کیا میں نہیں مانگ سکتا اکبر شاہ سے کہا کہ تمہارے احسان کی ضرورت نہیں ہم خود اس سے مانگ لیں گے جو تم کو لاکھوں دیتا ہے وہ کیا مجھے نہ دینگا توحید کا یہ اثر ہوتا ہے کہ

موجود چہ بربائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برہمش
 اُمید و ہر اشش نباشد ز کس ہمیں ست بنیاد توحید بس

(یعنی موجود اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ زر بکیر یا خواہ اس کے سر پر تلوار رکھیں اُمید

اور خوف اس کو بجز خدا تعالیٰ کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے (۱۲)

اگر غور کیا جائے گا تو تمام مسائل اعتقاد یہ میں علاوہ غایت نجات کے اور بھی بہت سی غایات عملی نکلیں گی پس جب علم کا عمل سے یہ تعلق ہے تو ضرور ہے کہ مسئلہ اثبات آخرت کے ساتھ جس کا بیان مولوی شبیر احمد صاحب نے کیا ہے اس کے اہتمام عمل کا مضمون بھی بیان کیا جاوے اس لئے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے کہ یہ عمل کو بھی ضروری بتلا رہی ہو پس اس آیت (آیت مذکورۃ العنوان) میں حق تعالیٰ نے شکایت کی ہے محبت دنیا کی اور آخرت کو چھوڑ دینے کی اور جب دنیا سے مراد یہ ہے کہ دنیا کو دین پر ترجیح دی جاوے اور آخرت کا خیال مطلقاً نہ رہے تو بعضے مجہین دنیا اس کو مطلق کسب دنیا پر محمول کر کے اس تعلیم پر مضحکہ کرتے ہیں اور تعلیم کنندوں کی یہ مثال دیتے ہیں کہ ایک بادشاہ کے ہاں علماء کا دخل تھا بادشاہ ان کی مرضی پر چلتے تھے مولوی صاحبان نے کہا کہ بادشاہ سلامت یہ تمام فوج وغیرہ جو فضول جھگڑا لگا رکھا ہے اس سے فائدہ کیا بیکار مصارف ہیں مناسب ہے کہ تمام فوج موقوف کر دی جائے بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور تمام فوج کو موقوف کر دیا غنیم کو معلوم ہوا کہ فلاں بادشاہ نے فوج کو برخاست کر دیا ہے فوراً لشکر کشی کی اور سرحد کے قریب آپہنچا بادشاہ نے مولوی صاحب سے کہا کہ دشمن حملہ کر کے آپہنچا ہے مولوی صاحب نے کہا کہ ہم جا کر فیصلہ کئے دیتے ہیں چنانچہ گئے اور جا کر اس کو سمجھایا کہ یہ کام بہت بُرا ہے کسی کا ملک چھین لینا بڑے گناہ کا موجب ہے ایسا نہ چاہئے غنیم کہیں ایسی نصیحتوں سے باز رہ سکتا تھا ناکام واپس آئے اور بادشاہ سے کہا کہ صاحب وہ تو مانتا نہیں آپ ہی جانے دیجئے آپ کا ملک گیا اُس کا ایمان گیا۔ اسی طرح مولویوں کے کہنے پر چلے تو سارا گھر بار چھوڑ بیٹھے میں بقسم کہتا ہوں کہ اس الزام کی

وجہ صرف یہ ہے کہ علماء کی صحبت میں نہیں رہتے ان کے پاس رہنے کے لئے کچھ مدت تو نکالو زیادہ نہیں تو چالیس دن ہی سہی افسوس ہو اپنے جسمانی معالجہ کے لئے ملازمت سے بوضع تنخواہ رخصت لیتے ہیں گھر کا انتظام کرتے ہیں روپیہ خرچ کرتے ہیں جسمانی مرض کے لئے بیکار رہنا اور نقصان گوارا کرنا منظور ہے معالج ڈاکٹر کو سولہ روپیہ فیس کے دینے منظور لیکن روحانی مرض کے واسطے کچھ نہیں کرتے عربی و فارسی (مولوی) کے پاس روحانی امراض کے معالج کے لئے بہت قلیل مدت چالیس دن گزر رہی تو تمام اعتراضات و سوالات کے جواب ہو جائیں سب کام طلب اور ضرورت سے ہوتے ہیں چونکہ جسمانی امراض سے صحت مطلوب ہوتی ہے اُس کے لئے ہر قسم کے نقصان اور تکلیف گوارا کرتے ہیں اور روحانی مرض سے خود ہی شفا پانا مقصود نہیں ہوتا کاش وہ اس کے ازالہ کی بھی ایسی ہی تدبیریں کرتے کیا کسی محقق کے پاس چالیس دن رہ لینا بھی کوئی بڑا مشکل کام ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی صحبت ہی تمام تر شبہات کے رفع کے لئے کافی ہو جاوے گی زیادہ قیل و قال کی حاجت نہ ہوگی بقول ۵

اے لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(آپ ایسے بابرکت ہیں کہ آپ کی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہو بلاشبہ آپ ہر مشکل آسان ہو جاتی ہو)

اس کی دلیل یہی ہے کہ آزما کر دیکھ لو بقول مولانا ۵

آفتاب آمد دلیل آفتاب گردِ لیلیت باید از روئے رومتاب

(سورج کا نکلنا ہی آفتاب کی دلیل ہے اگر تجھ کو دلیل کی ضرورت ہے تو اس سے منمت ہو)

اور چالیس دن کی تخصیص جو میں نے عرض کی ماخذ اُس کا ایک حدیث ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ جو شخص چالیس روز اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری کرتے ہیں

(پرنسنگ محل)

(باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

لیکن یہ شرط ہے کہ مولویوں کے پاس رہنا کسی دنیوی غرض سے نہ ہو ورنہ ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔ جیسا ایک گنوار کا واقعہ ہے کہ ایک گنوار سے کسی مولوی نے کہا کہ اگر تو چالیس دن نماز پڑھ لے تو تجھ کو میں ایک بھینس دوں گنوار نے کہا بہت اچھا جب چالیس دن گزر گئے تو گنوار آیا اور کہا مولوی صاحب میں نے چالیس دن نماز پڑھ لی بھینس دو ایسے مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے تو بھینس دینے کو صرف اس واسطے کہا تھا کہ تجھ کو نماز کی عادت ہو جائے گنوار نے کہا کہ تو جاؤ ہم نے بھی بے وضو ہی ٹرکائی تھی۔ اگر مولوی صاحب کی خدمت میں رہیں تو روٹی کھانے کی غرض سے نہیں بلکہ روٹی اپنے اپنے گھر سے کھاویں تاکہ کچھ قد بھی ہو۔ ایک مفید عام رسالہ میں نے حضرت کے حکم سے چھپوایا تھا میں چاہتا تھا کہ مفت دوں لیکن حضرت نے حکم دیا کہ مفت نہیں بقیعت دینا کیونکہ مفت کی قدر نہیں ہوتی۔ غرض اخلاص و عقیدت اور فراغت کے ساتھ کام کرنا چاہئے تاکہ کچھ مفید نتیجہ نکل سکے۔ کیرانہ (ضلع مظفرنگر) میں ایک شخص کو ایک تحصیلدار صاحب نے پیش کیا اور کہا کہ ان کو بڑے شبہ ہیں اگر آپ کچھ فرمائیں تو ان کی تسکین ہو جائے میں نے کہا کہ یہ میری ساتھ چلیں اور چند روز وہاں رہیں شبہات خود بخود دور ہو جائیں گے عارف شیرازی اس چالیس دن کے لئے فرماتے ہیں

شنیدم رہروے در سرزمینے ہمیں گفت این معما باقرینے

کہ اے صوفی شراب انگہ شود صاف کہ در شیشہ بر انداز بعینے

(یعنی کوئی ساک اپنے ہم نشین سے یہ معما کہہ رہا تھا شراب اس وقت صاف ہوگی

جب چالیس دن شیشہ میں رہے)

پس چالیس دن تو شیشہ قلب میں محبت الہی کی شراب کو بساؤ تمہارے قلب کا اطمینان ہو جائے گا۔ اگر بڑوں کے پاس رہنے کی ہمت نہ ہو تو

۱
میں نے یہ شعر شمس کل (محمد عبدالمنان) نے میر شمس کل

خدا کے لئے تم چالیس روز میرے ہی پاس رہ کر اس سستے نسخہ سے فائدہ اٹھا کر دیکھ لو غرض صحبت ہی سے یہ شبہ بھی جاتا رہے گا کہ مولوی لوگ کسب دنیا سے منع کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ وہ جب دنیا سے روکتے ہیں جس کی مذمت اس آیت میں ہے اور آیت سے حدیث حُبِّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ (حُبِّ دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے) کی تصریح بھی ہو گئی۔ غرض ایک تو ہے کسب دنیا اور ایک ہے حُبِّ دنیا تو کسب دنیا تو جائز ہے اور حُبِّ دنیا ناجائز اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک تو پانسخانہ میں بضرورت طبیعت بیٹھنا اور ایک پانسخانہ کو پیارا سمجھ کر اس میں جی لگا کر بیٹھنا۔ اول صورت جائز دوسری ناجائز۔ اسی طرح دنیا کو کمانا تو جائز لیکن دنیا کو مرغوب و محبوب سمجھنا حرام۔ قرآن شریف میں ان ہی الفاظ سے تصریح کی گئی ہے لَعْنَةُ الْبَلِغِينَ الْعَاجِلَةِ وَتَذْمُودُنِ الْآخِرَةِ یعنی عاجلہ کو محبوب سمجھتے ہو اور آخرہ کو چھوڑے بیٹھتے ہو۔ اور اس خصوص میں ایک شبہ کا احتمال ہے یہ کہ بعض آدمی یہ سن کر کہ یہ آیت کفار کے متعلق ہے کہنے لگتے ہیں کہ کفار کے متعلق آیات سے ہم کو کیا تعلق ہو اسی طرح اگر وہ کسی ترجمہ قرآن میں دیکھ لیتے ہیں کہ یہ آیت مکی نہیں تو وہ خیال کر لیتے ہیں کہ غیر مکی آیت سے ہم کو کیا تعلق اس لئے اس موقع پر اس کے متعلق بھی کچھ بیان کر دینا ضروری ہے۔ خداوند تعالیٰ کو کسی کی ذات سے محبت و عداوت نہیں ہے بلکہ اس کی بنا اعمال خاصہ ہیں اور گو بعض احکام کا مورد اگرچہ خاص ہوتا ہے لیکن الفاظ کے عموم سے حکم ہوتا ہے اس لئے کفار کی شان میں جو بعض آیات اتری ہیں وہ اگرچہ باعتبار مورد کے خاص ہیں لیکن ان کا حکم عام ہے۔ پس جس عمل پر کفار کی شکایت ہے اگر وہ عمل ہم میں بھی ہے تو ہم کو بھی سبق حاصل کرنا چاہئے دوسرے اگر پھر بھی خاص ہی مانا جاوے تب اور

بھی زیادہ افسوس ہے ہم پر کہ ہم مسلمان ہیں اور یہ کافروں کی خصلتیں ہم میں پائی جاتیں پس ایسی حالت میں یہ شبہ کہ کفار کے متعلق آیات سے ہمیں کیا واسطہ کسی طرح گنجائش نہیں رکھتا بلکہ کفار کی شان میں جو آیات ہوں ان کا اثر ہم پر زیادہ ہونا چاہئے غرض کفار پر جو طعن و ملامت اور شکایت ہو وہ ان کی ذات کی وجہ سے ہے یا فعل کی وجہ سے یہ امر سب جانتے ہیں کہ ان کی شکایت ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ فعل کی وجہ سے ہو۔ اگر تم مسلمان ہو تو ان آیات کو دیکھ کر جو کفار کی شان میں ان کے فعل کی وجہ سے ہیں عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ جو خصائل کفار کے تھے وہ آج ہم میں پائے جاتے ہیں افسوس کس قدر بڑی بات ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شریف کو چمار کہہ دیا جائے اس کو بہت برا معلوم ہوگا لیکن اگر چمار کو چمار کہا جائے تو اس کو خیال بھی نہ ہوگا۔ اسی طرح کفار کو کافر کہہ کر خطاب کرنے سے جتنا اُنھیں خیال ہو سکتا ہے اس سے زیادہ ہمیں ہونا چاہئے چنانچہ مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (جس شخص نے قصداً نماز ترک کر دی تو وہ کافر ہو گیا) میں یہی بات سمجھنا چاہئے کہ تاویل بہ نسبت عدم تاویل کے اس خاص اعتبار سے زیادہ موجب ہے تغلیظ کو اور اس سے زجر و تویح اور بڑھ گئی ہے اور اشتداد کم نہیں ہوا ایک اور شبہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ترک آخرت پر جو ملامت ہے مراد اس سے ترک اعتقاد ہی ہو یعنی انکار اور ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے آخرت کے قائل ہیں پس خود لفظ ہی عام نہیں اور اس لئے اس کا مصداق ہم نہیں ہو سکتے جو اب اس کا یہ ہے کہ اول تو یہ قید بلا دلیل ہے دوسرے اگر تسلیم بھی کیا جاوے تو دوسری بعض آیات عموم میں محکم ہیں تیسرے ظاہر لفظ سے تو شبہ اطلاق کا ہے اور جس دل میں درد ہوتا ہے وہ تو محوڑے سے لفظی التباس سے بھی بچپن ہو جاتا ہے خفیف سا خفیف التباس بھی ان کی جان پر بنا دیتا ہے۔

ع عشق است و ہزار بدگمانی

(عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہوتی ہیں)

لیکن اس کے لئے طلب کی ضرورت ہوتی ہے معترض خالی الذہن طلب سے دور ہیں حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ ایک کنجر ۱۱ ان کے سامنے سے گذرا اور آواز لگائی اَلْخِيَارُ الْعَشْرَةُ بِدَانِيٍّ يَعْنِي دَسْ لَكْرِيَاں ایک دانگ میں یہ آواز سنتے ہی آپ کا ذہن "خيار" کے دوسرے معنی کی طرف منتقل ہوا یعنی خیر کی جمع آپ ایک بیخ مار کر بیہوش ہو گئے اور فرمانے لگے جب دس نیکیوں کی قیمت ایک دانگ ہے تو ہم بروں کی کیا قیمت ہو واقع میں کسی چیز کی فکر میں یہی حال ہوتا ہے خوب کہا ہے

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدامی شود از دور پندارم توئی

(میری چشم و جان میں تو ہی سما ہے جو کچھ دور سے ظاہر ہوتا ہے تجھ ہی کو گمان کرتا ہوں)

ایک اور واقعہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ پریشان پھر رہی تھے آپ نے ان کے بٹھلانے کے لئے ارشاد فرمایا اَجْلِسُوا (بیٹھ جاؤ) اس وقت ایک صحابی دروازہ پر تھے جس وقت آپ کی مبارک زبان سے اَجْلِسُوا (بیٹھ جاؤ) کا لفظ ان کے کان میں پہنچا اسی وقت دروازہ ہی پر بیٹھ گئے ہر چند کہ یہ حکم ان کے لئے نہ تھا لیکن شدت اطاعت غالب آگئی اور گوارا نہ ہوا کہ آپ ایک حکم فرمائیں خواہ کسی کو سہی اور اس کی تعمیل نہ کی جائے۔ مسلمانو! تم میں ذوق اور محبت نہیں طلب صادق تم میں نہیں پائی جاتی اگر محبت طلب ہوتی تو ہرگز ایسے شبہات و اعتراضات پیش نہ آتے۔ حق یہی ہے کہ اس آیت (مذکورۃ العنوان) میں خداوند تعالیٰ کا مقصود مطلقاً جب عاجلہ اور ترک آخرت پر شکایت کرنا ہے اور اس کے مختلف مراتب ہیں جس مرتبہ کی حسب دنیا ہوگی اسی درجہ ترک آخرت ہوگی اور ویسی

ہی ملامت ہوگی اگر حُب دنیا و ترک آخرتہ مرتبہ اعتقاد میں ہو یعنی آخرتہ کا انکار ہے تو ابد الابد تک جہنم میں رہے گا کیونکہ کفر ہے اور اگر آخرتہ کا اعتقاد تو ہے لیکن عمل نہیں تو فسق ہے اور عذاب محدود کا استحقاق غرض جس طرح عقیدہ ضروری ہے اسی طرح عمل بھی اور یہ عقیدہ مرجیہ کا ہے کہ عقیدہ درست ہونا چاہئے عمل کی ضرورت نہیں ہے عمل اور ایمان دونوں اپنے اپنے درجہ پر ہیں ہم چونکہ اہلسنت و جماعت ہیں اس لئے دونوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ہر چند کہ دوسرا مرتبہ اور اس کی شکایت اول درجہ پر نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا لیکن یہ مرتبہ بھی چھوٹا نہیں خاطر جمع نہ ہو جائے بلکہ اگر یہ صغیرہ بھی ہوتا تب بھی بے فکری کی چیز نہ ہوتا خیال کیجئے کہ چھوٹی ٹسی چنگاری کیا گل کھلاتی ہے صغیرہ گناہ پر بھی جرات کرنا بڑا زیان ہے اگر صغیرہ کوئی بڑی بات نہیں ہے تو جو صاحب یہاں سو جائیں وہ اپنے گھر جا کر چھت میں ذرا سی چنگاری آگ کی رکھ لیں کہ وہ تھوڑی دیر میں کیا اثر دکھاتی ہے۔ اسی طرح چھوٹا سا گناہ بھی تمام نیکیوں کو برباد کر سکتا ہے جس طرح کہ چھوٹی ٹسی چنگاری سارے گھر کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے اور دوسرا درجہ ترک آخرت کا اگرچہ معصیت ہے کفر نہیں اور معصیت کا درجہ کفر سے کم ہے لیکن اس پر عمل کرنا بھی تو سخت ظلم ہے اور کفر کے مقابلہ میں کم ہونے سے اس کا فی نفسہ صغیرہ ہونا لازم نہیں آتا مولانا کی ایک مثال مجھے یاد آئی فرماتے ہیں

آسماں نسبت بعرش آمد فروزہ لیک بس عالیت پیش خاک تو د

یعنی آسمان گو عرش سے چھوٹا ہے مگر زمین سے تو بڑا ہے اگر کوئی شے درجہ میں چھوٹی ہو تو یہ لازم نہیں کہ وہ فی نفسہ بھی چھوٹی ہو۔ اور بعض مدعی تو ہیں اعتقاداً ماننے کے مگر واقع میں وہ من حیثیت المذہب (دین کی حیثیت سے) نہیں مانتے بلکہ قومیت کی حفاظت کے لئے مانتے ہیں۔ مذہب چونکہ

ایک ایسی چیز ہے جو تمام افراد کو متحد بنا سکتا ہے اس وجہ سے اُس کو اختیار کر لیا ہے اگر ان کی یہ غرض کسی اور مذہب سے حاصل ہوتی تو وہ ہرگز مسلمان نہ ہوتے۔ ایک اخبار میں یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوا کہ اب چونکہ ترقی کا زمانہ ہے اس لئے وحشیانہ خیالات کو چھوڑ دینا چاہئے اور سب ایک ایسے نقطہ خیال پر قائم ہو کر ایک مذہب اختیار کر لینا چاہئے اور اس کی صورت یہ ہے کہ توحید کو اختیار کر کے اس کو اصل مذہب قرار دیں اور اعتقاد رسالت کو بھی چھوڑ دیں افسوس! مسلمان اور یہ رائے از مذہب من گبر و مسلمان گلہ دار (میرے مذہب سے گبر و مسلمان گلہ کرتے ہیں) ایک ایسے ہی شخص کے جواب میں میں نے کہا کہ خدا تعالیٰ کی توحید کو تو تسلیم کرتے ہو اور توحید یہی ہے کہ اُس کو ذات و صفات میں کامل اور متوحد خیال کیا جائے اور منجملہ کمالات کے صدق بھی ہو جھوٹ بولنا بڑا نقص ہے پس اعتقاد کذب منافی توحید ہوگا اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے محمد رسول اللہ۔ پس جو شخص رسالت کا منکر ہوگا وہ توحید ہی کا منکر ہوگا پس ثابت ہوا کہ توحید کا قائل ہوگا لازم ہے کہ رسالت کا بھی قائل ہو مگر ایسے قوم پرست رسالت ہی کا خاتمہ کئے دیتے ہیں اور ایسے لوگ اگرچہ بعض اوقات اسلام کی کچھ خدمت بھی کرتے ہیں لیکن خدمت ہمارے نزدیک اس لئے قابل قدر نہیں کہ ان کا مقصود خود خدمت مذہب نہیں ہے بلکہ محض ترقی قوم مقصود ہی اور اگر اسلام کو سچا سمجھ کر اس کی خدمت کی جاتی تو ان کے آثار سے اس کی جھلک معلوم ہوتی لیکن واقعات اس کے خلاف ہیں۔ چنانچہ عقائد اسلام پر جرح کی جاتی ہے اہل دین کو حقیر سمجھا جاتا ہے مسائل اسلام میں شبہات پیدا کئے جاتے ہیں۔ اگر حق سمجھ کر دین مذہب کی خدمت کی جاتی تو ان باتوں کی کہاں نوبت آتی ان کی غرض تو صرف قومیت کا بڑھانا

اور قومیت کو نشوونما بخشنا ہے جس طرح دوسری قومیں ترقی اور نشوونما حاصل کر رہی ہیں۔ ترقی کی دوڑ میں سب سے آخر میں مسلمان جاگے لیکن ایسے جاگے کہ سوتے ہی رہتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ غرض ترک آخرت کے مراتب مختلف ہیں اور اس کے اعتبار سے آجکل چند قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ (۱) پرانی وضع کے اُمراء جو عام قسم کی بُرائیوں میں مبتلا پائے جاتے ہیں اگرچہ آسائشی زندگی نے انہیں ایسا بنا دیا ہے کہ ان کی عملی زندگی بہت خراب ہے لیکن وہ بایں ہمہ جب علماء و صلحاء کو دیکھتے ہیں تو دل سے تعظیم بجالاتے ہیں اور جھک جاتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ اللہ والے ہیں ان کا ادب کرنا چاہئے ادب کرتے ہیں حتیٰ کہ محض درویش صورتوں تک سے ڈرتے ہیں خدمت کرتے ہیں اگرچہ وہ رہزن ہی کیوں نہ ہوں اور واقع میں یہ دنیا دار لوگ ان درویشوں سے ہزار درجے بہتر ہیں۔ میرے ایک عزیز بیان کرتے تھے کہ فلاں جگہ کے اُمراء تمام حنبلی ہیں اور فقرا دوزخی کیونکہ اُمراء تو فقرا سے دین کے لئے تعلق رکھتے ہیں اور فقرا اُمراء سے دنیا کا تعلق رکھتے ہیں۔ آیات حکایت کسی پیر مرد کی مشہور ہے کہ مرید نے پیر سے خواب بیان کیا دیکھتا ہوں کہ میری انگلیاں پانچانہ میں بھری ہوئی ہیں اور آپ کی انگلیاں شہد میں پیر جی نے کہا ہاں ٹھیک تو ہے اس میں شک ہی کیا ہے ہم ایسے ہی ہیں اور تو ایسا ہی ہے۔ مرید نے کہا ابھی خواب پورا نہیں ہوا یہ بھی دیکھا کہ میں تمہاری انگلیاں چاٹ رہا ہوں اور تم میری انگلیاں چاٹ رہے ہو پیر بہت خفا ہوئے۔ اس حکایت کا وہی حاصل ہے کہ مرید تو پیر سے دین حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ مشابہ شہد کے ہے اور پیر مرید سے دنیا حاصل کرنا چاہتا ہے کہ مشابہ پانچانہ کے ہے (۲) وہ لوگ ہیں جن کے دل میں اسلام کی وقعت و عظمت ہی نہیں۔ پہلی قسم کے لوگوں کا علاج

موت کو یاد کرنا ہے علم و اعتقاد تو تھا ہی عمل کی کمی تھی اس وجہ سے موت کی یاد ان کے لئے عبرت بخش ہوگی چنانچہ فرمایا گیا ہے اَكْتَرُوا ذِكْرَهَا ذِمَّ اللّٰذَاتِ مَوْتِ كُوَاكْرِيَا دِكْيَا كُرُو مَوْتِ كَيْ خِيَالِ اُوْر مِرَاقِبَةٍ سَيَّ بَهْتِ جَلْدِ اِصْلَاحِ هُو جَانِي كِي عِلَاوَه اَزِيں فَرْمَا يَا كِيَا هِي كِه اِكْرِيَسِ مَرْتَبَهٗ وُزَانَهٗ مَوْتِ كُو يَا دِكْيَا كُرِيَا تُو شَهَادَتِ كَا مَرْتَبَهٗ حَاصِلِ هُو۔ لِيكِن اِس كَا مَطْلَبِ يِه نَهِيں هِي كِه صَرَفِ مَوْتِ كَا نَامِ لِي لِيَا كُرُو بَلَكِه غَرَضِ يِه هِي كِه مَوْتِ كُو اِس طَرَحِ يَا دِكُرُو كِه گَنَا هُوں سِي بچَانِي كَا سَبَبِ بِنِ جَانِي۔ دُوسَرُوں كَلِ عِلَاجِ يِه هِي كِه وَه كِسِي مُحَقِّقِ كِي خَدْمَتِ مِيں رَهِيں خَدَا كِي لِيئِي مَسْلَمَانُو اَرْحَمِ كُرُو تَمَّ نَهَا بِيْتِ خَطَرِنَا كِ حَالَتِ مِيں هُو مَهْتَا رِي اِصْلَاحِ كِي سَخْتِ ضَرُورَتِ هِي۔ اَبِ مَعْلُومِ كَرْنَا چَاهِي كِه جِس طَرَحِ اَهْلِ دُنْيَا كِي يِه قِسْمِيں هِيں اِسِي طَرَحِ اَهْلِ دِيْنِ بَا عْتِبَارِ تَرْكِ اٰخِرَتِ كِي دُوقِسْمِ پَرِ هِيں اَهْلِ ظَاهَرِ وَاَهْلِ بَا طِنِ۔ ظَاهَرِ دِيْنِدَارُوں مِيں يِه كِي هِي كِه لَعْبُزِ اَعْمَالِ اٰخِرَتِ كِي جِن كِي تَرْكِ كُو وَضْعِ كِي خِلَافِ نَهِيں سِيجِيئِي اَنْهَوں نِي چھُوڑ كِي هِيں۔ اُوْر مَضْرَا تِ اٰخِرَتِ مِيں مِتَلَا هِيں مَثَلًا غِيْبَتِ كَرْنَا جُو بَلَائِي عَامِ هُونِي كِي سَبَبِ مَحَلِ تَقْوِي هِي نَهِيں سِيجِيَا جَاتَا جِي سَا بِي بِي تَمِيْزَهٗ كَا وَضُو تَهَا كِه فَسِقِ وَفُجُوْر سِي بِي نِي لُوْطَا تَهَا۔ اِس كَا عِلَاجِ يِه هِي كِه

قال را بگزار و مرد حال شو پیش مرد کامل پامال شو

(قال کو چھوڑ کر حال پیدا کرو یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ گے)

اور بدون اس کے تو اکثر حالت یہ رہتی ہے

واعظاں کیں جلوہ بر محراب منبر می کنند چوں بخلوت می رسند این کار دیگر می کنند
مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

(یہ واعظین جو محراب و منبر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں جب بخلوت میں پہنچتے ہیں اور دوسرا کام کرتے ہیں)

مجھ کو ایک اشکال ہے دانشمند مجلس سے پوچھ توبہ کی نصیحت کرنے والے خود توبہ کیوں نہیں کرتے)

یہ تو خرابی و اعظوں میں ہے ایک خرابی تارکین و عظمیٰ میں اس سے بڑھ کر ہو
وہ یہ کہ بعضے لوگ اس لئے خود و عظم نہیں کہتے کہ خود عامل نہیں اس میں
دو گناہ ہیں ایک تو خود عامل نہ ہونا اور عمل کرنے کی کوشش نہ کرنا دوسری
اور لوگوں کو بھی تبلیغ نہ کرنا بعض اہل علم و ولتمندوں کے پاس پڑے رہتے
ہیں اور لاپچی و طماع ہو جاتے ہیں یہ بری بات ہے جو لوگ اچھے ہوتے
ہیں وہ دو لتمندوں سے ہمیشہ متنفر رہتے ہیں **بِسْ الْفَقِيرِ عَلِيَّ بَابِ الْأَمِيرِ**
وَدَعَا الْأَمِيرِ عَلِيَّ بَابِ الْفَقِيرِ (فقیر امیر کے دروازہ پر جانے وہ بڑا ہے اور امیر جو فقیر
کے دروازہ پر ہو وہ اچھا ہے) اسی لئے وہ حق نہیں کہہ سکتا کیونکہ طمع ان کو مانع
ہوتی ہے طمع بگسل و ہرچہ خواہی بگو (لاہج کو چھوڑ دو جا ہو کہو) شاہ سلیم کا
واقعہ ہے کہ شاہبہاں ان کے پاس آئے تو انھوں نے پاؤں بھی نہ سمیٹے
جو کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ جب سے ہاتھ سمیٹا پاؤں پھیلا دیا۔ مولا شہید
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ لکھنؤ تشریف لے گئے لکھنؤ کے ایک شاہزادہ
حاضر ہوئے اور زمینی سلام کیا آپ نے انکو مٹھا دکھا دیا اس نے اشرافی
نذر دی آپ نے منہ چڑا دیا مولانا نے ایسا قصد کیا تھا کیوں؟ اس
لئے کہ اہل دنیا تنگ نہ کریں اور غیر مہذب سمجھ کر وہ پاس نہ آئیں تاکہ
دنیا داروں کے جھگڑوں سے نجات ہو یہ سب بے طمعی کے سبب تھا۔
پس جب مال کا علاج ایسے اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا ہی اولیاء اللہ
کی صحبت میں رہنے سے مال و دولت سے محبت دور ہو جاتی ہے اور غنا
باطنی حاصل ہوتا ہے یہ کمی تھی اہل ظاہر میں اس سے اہل باطن خوش
ہو رہے ہوں گے کہ ہم میں کوئی کمی نہیں اور نہ کوئی خرابی ہی لیکن ان کو
واضح رہنا چاہئے کہ لطیف غذا جب بگڑتی ہے تو سب سے ہی زیادہ
گندی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صوفیوں کا بگڑنا ہے ان میں جو بگڑتے ہیں
ان میں بد خلقی بد مزاجی وغیرہ ایسی بری باتیں پائی جاتی ہیں حالانکہ

درولیشوں میں ان امور کا پایا جانا نہایت ہی مستنکر ہے۔ حضرت قبلہ و کعبہ کی تعلیم بتلاتا ہوں حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ بعض درولیش اُمراء کی تحقیر کرتے ہیں یہ ہمیں پسند نہیں جب امیر تمہارے دروازہ پر آگیا تو حسب قول نِعْمَ الْأَمِيرُ عَلَىٰ بَابِ الْفَقِيرِ (امیر اچھا ہے فقیر کے دروازہ پر) وہ نعم الامیر میں داخل ہو گیا اس لئے اس سے اخلاق برتنا چاہئے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملتے اور سب کی تعظیم کرتے تھے نَزَلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ ہمارے لئے حکم ہے یعنی لوگوں کو ان کے مرتبوں کے موافق بٹھاؤ میرا خیال ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو بڑا بنائے جیسے امراء اس کو تم بھی بڑا سمجھو البتہ خوشامد و طمع سے دور رہو اور خوش اخلاقی برتو مگر افسوس ہی کہ جو خوش اخلاق بنے ہیں وہ امراء سے خود ملتے نہیں امراء کے گھروں پر جاتے نہیں تو ایسوں سے بھلا ان کی اصلاح کیونکر ہو پس نہ تو خود ان کے گھر جائیں اور نہ ان کو اپنے آنے سے روکیں بلکہ اگر وہ آئیں تو ان سے ملنے میں عذر نہ کریں کیونکہ ان کی اصلاح بھی تمہارا فرض ہی۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ بعض امراء اور دنیا دار علماء کی جو شکایت کیا کرتے ہیں وہ خود ہماری اصلاح کے لئے ہمارے پاس کیوں نہیں آتے یہ شکایت بیجا ہے انھیں غور کرنا چاہئے کہ پیاسا کنوئیں کے پاس آتا ہے کنوئیں پیاسوں کے پاس نہیں آیا کرتے علماء کو تمہاری ضرورت نہیں تم کو علماء کی ضرورت ہے تم ان کے پاس جاؤ کیا کبھی سول سرجن بھی بغیر بلائے اور فیس لئے تمہارے گھر آیا ہی اس خیال سے اگر میری رائے میں مولوی بھی اپنی فیس مقرر کر دیں تو اچھا ہے لیکن ابھی مولوی جلدی نہ کریں کہیں میری رائے ظاہر ہوتے ہی فیس لگا دیں بلکہ ابھی کچھ انتظار کریں ابھی اس کا موسم نہیں آیا ہے یہ عیب مذکور بد مزاجی کا تو دنیا دار درولیشوں میں ہے دوسرا عیب جو سچے صوفیوں میں تَجِبُونَ الْعَاجِلَةَ (یعنی دنیا عاجلہ کو اختیار کرتے ہیں) ہے وہ دقیق ہے وہ یہ کہ فراسا

کام کر لینے کے بعد اس امر کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی کیفیت پیدا ہو اور جب کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو پیر صاحب سے شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے ورد پڑھا سب کچھ کیا لیکن ابھی تک کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوئی یہ بھی حُتِ عاجلہ (دنیا کی محبت) میں داخل ہے کیونکہ کیفیت ثمرہ عاجلہ ہی جو موعود بھی نہیں اصل موعود و مقصود ثمرہ آخرت کا ہے کہ وہ نجات اور رضا ہی پس یہ بھی بڑی کمی ہے جس پر نظر ہی نہیں ہے اس کا علاج نقل کرتا ہوں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی آکر کہتا کہ حضرت اللہ کے نام سے کچھ فائدہ نہیں ہوا آپ جواب میں فرماتے کہ یہ فائدہ کیا کم ہے کہ اللہ کا نام لیتے ہو۔

گفت آل اللہ تو لبیک ماست وین نیاز و سوز و درد لبیک ماست

(تیرا اللہ کہنا ہمارا لبیک (میں حاضر ہوں) ہے اور تیرے دل میں یہ نیاز و سوز ہمارا قاصد ہے)

نیز حضرت نے فرمایا کہ تم کسی امیر کے گھر جاؤ جو تمہارا آنا پسند نہ کرے تو وہ کان پکڑ کر نکال دیگا پس جب مسجد میں جاتے ہو اور وہاں سے نہیں نکالے جاتے تو سمجھو کہ حاضری مقبول ہو چنانچہ غیر مقبولین کو حاضری کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ ایک واقعہ ہو کہ کسی امیر کے غلام نے نماز کے وقت مالک سے اجازت چاہی مالک نے کہا اچھا غلام مسجد میں چلے گئے اور مالک دروازہ پر بیٹھے رہے غلام کو بہت دیر ہو گئی اور مالک نے مجبور ہو کر پکار کر دریافت کیا کہ اتنی دیر سے کیا کر رہی ہو غلام نے کہا کہ باہر آنے نہیں دیتا مالک نے کہا کون باہر آنے نہیں دیتا؟ اس نے جواب دیا کہ وہ جو تم کو اندر نہیں آنے دیتا۔ ایک شخص نے ایک محقق سے کہا کہ اتنے دن ہوئے ذکر و شغل کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا جواب میں فرمایا کہ اگر نفع بھی نہ ہو تو کچھ پروا نہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ مالک کسی غلام سے کوئی کام لے اور وہ مالک سے کہے کہ کیا ملے گا؟ کیا غلام کا یہ جواب گستاخی نہ ہوگا۔ اسی طرح ہم خدا تعالیٰ کے غلام ہیں ہمیں کیا حق ہے کہ ہم اس سے کچھ معاوضہ مانگیں۔ بوستاں میں ایک حکایت لکھی ہو کہ ایک شخص عبادت کرتا تھا آواز آئی کہ

قبول نہیں ہوتی مگر وہ عبادت میں مشغول رہا ایک مرید نے پیر سے کہا کہ ایسی عبادت سے کیا فائدہ جو مقبول نہیں ہوتی پیر نے کہا اسے برخوردار سے

توانی ازاں دل بہ پر داختن کہ دانی کہ بے او تو اوں ساختن

(اس سے دل اٹھا سکتا ہے کہ جان لے کہ بغیر اس کے دوسرے سے موافقت کر سکتا ہے)

اگر دوسرا اور دروازہ ہوتا تو میں وہاں چلا جاتا دروازہ یہی ایک ہے اس سے

علیٰ علیہ ہو کر کہاں ٹھکانا ہے اس پر فوراً آواز آئی سے

قبول است گرچہ ہنر نیست است کہ جز ما پناہ دگر نیست است

(قبول ہے اگرچہ تیرا ہنر نہیں کیونکہ سوائے ہمارے تیرے لئے دوسری پناہ نہیں ہے - ۱۲)

کانپور میں ایک بزرگ تھے شاہ غلام رسول رسول نما وہ اپنی توجہ سے رسول مقبول

کی زیارت کر دیتے تھے ان کے علاوہ اور بھی ایسے لوگ گزرے ہیں وہ لکھنؤ اپنے

مرشد کے پاس گئے بیعت ہونے کے لئے مرشد نے استخارہ کے لئے فرمایا شاہ صاحب

وہاں سے تھوڑی دور بہٹ کر جا بیٹھے پھر حاضر ہو گئے مرشد نے کہا یہ کیسا استخارہ

تھا۔ کہا کہ میں نے بیعت ہونے کے لئے نفس سے کہا بیعت باک جانے کو کہتے ہیں

تو آزادی کو چھوڑ کر غلام بنتا ہے کیوں بیوقوف ہوا ہے نفس نے جواب دیا کہ

باک جانے کے بعد خدا تعالیٰ تو ملے گا میں نے کہا کہ کیا تیرا اجارہ ہے اگر نہ ملا

نفس نے کہا اگر نہ ملے گا تو بلا سے مگر اسے خبر تو ہوگی کہ ہم کو کسی نے طلب کیا تھا مگر

ہم نہ ملے سے

ہمینم بس کہ داند ماہر ویم کہ من نیز از خریداران اویم

(یہی مجھ کو کافی ہے کہ محبوب کو علم ہو جائے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں ہوں -)

مولوی صاحب نے فرمایا جزاک اللہ ایسا استخارہ کسی نے نہیں کیا۔ ہر کام میں

مقصود کام ہی ہونا چاہئے خواہ ثمر ملے یا نہ ملے ہر حالت میں راضی رہنا چاہئے اگر

ایسا نہ کیا گیا تو یحبون العاجلة (دنیا کو دوست رکھتے ہو) میں من وجہہ داخل ہوگی مسلمانو!

آخرت کے لئے عمل کرو ورنہ اس شکایت میں داخل ہو جاؤ گے۔ تمام شد

چلنے کا پتہ :- مکتبہ تھانوی متصل مسافر خانہ بندر روڈ - کراچی ۷

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ آدَائِهِ

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

وَعِظَ

مُسْتَبِيحًا

الْإِتِّفَاقِ

مِنْ جَمَلَةِ ارشادات

حَكِيمِ الْأُمَّةِ مَجِيدِ الْمَلَّةِ حَضْرَتِ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ الرَّاشِدِ فَعَلَى صَاحِبِ تَهَانُوِي

رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ

مُحَمَّدِ عَبْدِ الْمَنَّانِ عَفَّكَ

مَكْتَبَةُ تَهَانُوِي ۛ دَفْتَرُ الْإِيقَاعِ

مُتَّصِلِ مَسَافِرِ خَانَةِ بَنْدَرِ رُوڈِ - كِرَاجِي

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْاِتْفَاقُ

رَبَّنَا	اللّٰهُ	حَمْدٌ	عَبْدٌ	مَّا	مِنَ	مَحْمُودٍ	مِنْ	مُتَّعِينَ	اَشْتَات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر	میں مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ مفید ہے	کیوں ہوا	کس نے کہا	سامعین کی تحقیقی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	اربع الاول ۱۳۳۵ھ	گھنٹے ۲۰ منٹ ۲	بیٹھ کر	اتفاق کے اسباب کی تحقیق	تعمیر یافتہ حضرات کو	وہنا کے شروع میں مذکور ہو	محمد عبدالستار عمری جوئے لنگوی	۲۰۰	دیہاتیوں اور عوامی قصبہ آن اور کچھ اہل علم اور بعض شاگردوں کا مجموعہ تھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَوَلَدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ اَصَابِعُ فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ط ریشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے تو عنقریب اللہ تعالیٰ

ان کے لئے محبت پیدا کر دیں گے، یہ آیت سورہ مریم کی ہے۔ مجھ کو اس سے ایک ضروری مضمون کا بیان کرنا مقصود ہے اور خود اس کی ضرورت تو پہلے سے سب ہی کے نزدیک مسلم ہے۔ مگر بیان کی ضرورت ذہن میں ابھی آئی ہے میں گڈھی پختہ کیا تھا اس کے متصل حسن پور ہے وہاں بھی جانا ہوا اور

وہاں وعظ بھی ہوا تھا۔ عین بیان کے وقت اس مضمون کی ضرورت بھی ذہن میں آئی چنانچہ کچھ نا تمام سا بیان بھی کیا۔ ارادہ یہ تھا کہ اس مضمون کو کسی موقع پر مستقلاً بیان کروں گا۔ آج بیان کا ارادہ نہ تھا لیکن بعض احباب اور بعض اعراب تشریف لے آئے اور زبان حال سے ان کی فرمائش اور اشتیاق ظاہر ہوا۔ اس لئے دل چاہا کہ اس مضمون کو آج بیان کر دوں لیکن یہ سوچتا تھا کہ اس مضمون کو کسی آیت یا حدیث سے بیان کروں کوئی آیت یا حدیث ایسی سمجھ میں نہ آئی تھی کہ مضمون اس کا مدلول صریح ہو۔ جمعہ سے پہلے غسل وغیرہ کی تیاری میں پھر رہا تھا کہ اتفاقاً یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے قلب پر جاری ہو گئی لیکن اس خیال سے نہیں کہ اس مضمون سے اس کا تعلق ذہن میں آیا ہو اس طور سے کہ ہر مسلمان کو خالی وقت میں شوق میں کسی آیت یا حدیث کے بیان سے تکرار کرنے کی توفیق ہو ہی جاتی ہے عین تلاوت کے وقت تو کچھ خیال نہیں آیا بعد میں دفعۃً ذہن منتقل ہوا کہ یہ تو میرے مقصود پر صریح دال و ناطق ہی میں نے اس کو منجانب اللہ سمجھا اور اس کو اپنے مضمون مقصود کا متمسک بنا یا۔ رہا یہ کہ وہ مضمون کیا ہے سو وہ نفس ترجمہ سے ذہن میں نہ آویگا۔ مگر برکت کے لئے اول ترجمہ کسی قدر تفسیر کے ساتھ کئے دیتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دیں گے یعنی ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایک وعدہ فرماتے ہیں اور وعدہ بھی قریب کا۔ گو یہ آخرت کا وعدہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت بھی قریب ہی ہے مگر سَيَجْعَلُكَ س سے متبادر یہی ہے کہ دنیا کا وعدہ ہے۔ کیونکہ قرب متعارف دنیا ہی کو ہے چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کام جلدی ہو جائے گا تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بہت جلد ہو جائیگا۔ پس ہم کو پِنَاءً عَلَى الْقَوَائِدِ اللِّسَانِيَّةِ (زبان کے قواعد کا بنا پر)

یہ حق حاصل ہے جس شے کی نسبت حق تعالیٰ جلدی ہو جانے کا وعدہ فرمایا ہے
اُس کو دنیا کے وعدہ پر اور دنیا میں بھی بہت جلد حاصل ہو جانے پر محمول
کر لیں بہر حال ایمان اور عمل صالح پر وعدہ دُڈا کا جس کا نام محبت ہی
فرماتے ہیں یعنی ایمان اور عمل صالح والوں کی محبت اللہ تعالیٰ پیدا
کر دیں گے۔ اس مقام پر اہل علم اس کو یاد رکھیں کہ میں نے اس حاصل
ترجمہ میں دُڈ کو مصدر مبنی للمفعول یعنی مصدر مجہول لیا ہے۔ آگے چل کر یہ
بات کام آوے گی۔ یہ تو ترجمہ ہوا آیت کا۔ اس ترجمہ سے وہ مضمون
ذہن میں نہ آیا ہوگا۔ قبل اس کے کہ میں آیت سے اپنا مضمون مقصود
استنباط کروں اول اُس مضمون کی تعیین کر دوں اور اس سے بھی اول
سمجھنا چاہئے کہ وہ مسئلہ جس طرح قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے اسی
طرح وہ تمدن کا بھی مسئلہ ہے بلکہ تمدن پرستوں کے نزدیک تو تمامی مسائل
تمدن کا وہی اصل الاصول اور اس اور اساس ہی اور ان کا کوئی لکچر و
تقریر اس سے خالی نہیں ہوتا وہ مسئلہ کیا ہے اتفاق ساری دنیا اس
کی دعوت دیتی ہے خواہ اس کی حقیقت سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں لیکن اس
اتفاق ہے کہ اتفاق ضروری ہے اور تمدن کے تمام اصول اس پر موقوف
ہیں۔ کوئی اصل تمدن کی بغیر اس کے بار آور نہیں ہو سکتی۔ ہر چند کہ اب شہرت
کی وجہ سے یہ مسئلہ با وقعت نہیں رہا لیکن حقیقت کے اعتبار سے اب بھی
اُہمات مسائل سے ہے خصوصاً تمدن کو اس کے ساتھ بہت ہی بڑا علاقہ
بلکہ اس کا موقوف علیہ اور مبنی ہے۔ پس میں اس مسئلہ کو اس آیت سے
بیان کرنا چاہتا ہوں اور اس کے سننے کے بعد یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ
قرآن مجید ہی وہ شے ہے کہ ہم کو ہر موقع اور ہر شے میں اس کی ضرورت ہی
کوئی حالت ہماری ایسی نہیں کہ ہم کو اس کی ضرورت نہ ہو لیکن اس کے
یہ معنی نہیں کہ اگر کپڑا بننے کی ضرورت ہو یا مکان بنانے کی ضرورت ہو یا

کوئی مشین چلانے کی ضرورت ہو تو اس کا بھی طریقہ قرآن مجید میں مذکور ہے ہم اس کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ہم سب اس کو نبیہاہ سکتے ہیں اگرچہ بعض لوگوں نے اس کا بھی التزام کیا ہے چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے شجرہ نعمانیہ اس کا نام ہے۔ انھوں نے اپنے زمانہ سے لیکر نفع صورت تک کے حالات صرف سورہ روم کی اول آیات سے لکھے ہیں اور اس میں علم جفر و تکسیر وغیرہ سے کام لیا ہے حروف کے اعداد لیکر ان کے اندر کچھ قواعد جاری کئے ہیں۔ اصل میں تو واقعات انکو منکشف ہوئے ہیں انھوں نے خاص ذوق و سلیقہ سے ان آیات سے ان کو چسپاں کر دیا ہے اور یہ سب رموز ہیں پھر اس کی شرح بھی خود ہی لکھی ہے وہ بھی رموز میں ہے پھر کسی بزرگ نے اس کی شرح کی بھی شرح لکھی ہے لیکن وہ بھی رموز اور اشارات میں ہے باوجود اس قدر اخفاء کے پھر ڈر ہوا ہے کہ کوئی سمجھ کر ظاہر نہ کر ڈالے اس لئے ماتن اور شارح دونوں نے بے انتہا قسمیں دی ہیں کہ اگر کوئی ان کو سمجھ جاوے تو منہ پر نہ لاوے۔ بعضوں نے اور علوم بھی قرآن مجید سے نکلے ہیں اور اسی بنا پر بعض لوگوں نے کہا ہے

جَمِيعِ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لَا كُنْ تَقَاصُوعِنَّا أَفْهَامُ الرَّجَالِ

(قرآن پاک میں جملہ علوم ہیں لیکن لوگوں کی عقل و فہم وہاں تک پہنچنے سے عاجز ہیں)

مگر میں کہتا ہوں

وَمَنْ دَرَسَ حَبَّ الدِّيَارِ لَامَلَهَا وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْتَقُونَ نَدَاهِبَ

(کون شخص جو دیار محبوب کو ان کے اہل کے لئے قریب کر دی لوگوں کے عشق کو بارہ مختلف طرق ہیں)

ہر شخص کا مذاق جدا ہے۔ ہمارا مذاق تو اس کے خلاف ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر کتاب کا کمال اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی جس فن کی وہ کتاب ہے اس فن میں یکتا ہونا اور زواید سے خالی ہونا یہی

اس کی خوبی ہے۔ طب اکبر کی یہ خوبی نہیں ہے کہ اس میں غیر طب کے بھی مسائل ہوں مثلاً صرف و نحو کے مسائل اس میں مذکور ہوں اس کا کمال تو یہ ہے کہ اس میں طب کے مسائل خوبی سے درج ہوں۔ ہاں ان کے ضمن میں یا ان مسائل کی تنظیم کے لئے اگر دوسرے فن کے مسائل آجائیں تو مضائقہ نہیں جیسے نفیسی کی کلیات میں فلسفہ سے کام لیا گیا ہے۔ پس قرآن مجید ایک طب کی کتاب ہے۔ آپ کو یہ جملہ سنکر شاید شبہ ہوا ہو کہ قرآن مجید میں گل بنفشہ کا تو کہیں ذکر نہیں پھر اس کو طب کیسے کہہ دیا۔ صاحبو! میری مراد طب سے طب جسمانی نہیں ہے۔ طب روحانی ہے یہ طب وہ ہے جس کی نسبت فرماتے ہیں سے

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخواں

(تم کب تک حکمت یونانی کی کتابیں پڑھو گے حکمت ایمانی و معرفت کی بھی کتابیں پڑھو)

آگے دونوں طبوں کی غایت بیان فرماتے ہیں سے

صحت این حس بگوئید از طبیب صحت آل حس بگوئید از جلیب
صحت این حس ز معموری تن صحت آل حس ز تخریب بدن

(اس حس جسمانی کی درستی چاہتے ہو تو طبیب سے رجوع کرو اور اگر اس حس روحانی کی درستی

منظور ہے تو مرشد کابل سے رجوع کرو جس جسمانی کی صحت بدن کی درستی سے ہوتی ہے اور

حس روحانی کی صحت بدن کی تخریب سے ہوتی ہے ۱۲)

تو قرآن مجید اس طب کی کتاب ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ طب بدنی کی کتابوں میں تو امراض بدنیہ اور ان کے علاج اور تدبیریں لکھی ہیں جس کا ثمرہ صحت و بقا محدود دنیوی ہے اور قرآن مجید جس طب کی کتاب ہے اس میں امراض نفسانیہ اور ان کا علاج مذکور ہے اور اس کا ثمرہ ہلاکت ابدی سے نجات ہے۔ پس قرآن مجید میں صرف اس طب کے مسائل ہونا قرآن مجید کا یہی کمال ہے۔ اور دوسرے مسائل

ایسے ذہن سے اُس میں نکالنا یہ قرآن مجید کے لئے نقص کا باعث ہوگا باقی بزرگوں کے کلام میں جو غیر فن کے بعض اسرار کا تعلق قرآن مجید سے متوہم ہوتا ہے سو وہ مدلولات کی حیثیت سے نہیں بلکہ لطائف کے درجہ میں ہی آجکل بہت سے قرآن مجید کے دشمن دوست نما پیدا ہوئے ہیں جو قرآن مجید میں سے سائنس کے مسائل درجہ دلالت میں ثابت کرتے ہیں۔ یہ سخت دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ تو فخر کے طور پر کہتے ہیں کہ جو مسئلہ اہل یورپ اور سائنس دانوں نے آج سمجھا ہے وہ قرآن مجید میں تیرہ سو برس پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکل چکا ہے۔ لیکن فی الواقع سے دوستی بے خردیوں دشمنی ست حق تعالیٰ زین جنین خدمت غنی ست

(بے عقل کی دوستی دشمنی ہے۔ حق تعالیٰ ایسی خدمت سے بے پروا ہیں۔)

خدا تعالیٰ کو اور خدا تعالیٰ کے کلام کو اس خیر خواہی کی ضرورت نہیں یاد رکھو اس مسلک میں کئی طرح کی دشمنی ہے۔ اور مولوی لوگ ان مسائل کی تحقیق اور قرآن مجید کے ساتھ زبردستی چسپاں ہو سکنے کی تقریر سے بیخبر نہیں ہیں۔ چنانچہ میں حالانکہ ایک ادنیٰ طالب علم ہوں مگر خود میرے پاس اس کا بڑا دفتر ذہن میں موجود ہے لیکن ان ہی خرابیوں کے سبب قرآن مجید سے ان کو کبھی متعلق نہیں کیا جاتا بقول بزرگے سے

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

(راز کا فاش کرنا مصلحت کے خلاف ہے ورنہ تو مجلس عارفین میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ ذہنوں

ہمارے زمانہ کے یہ محققین تو یوں سمجھتے ہیں کہ ان مٹانوں کو خبر نہیں ہے۔ صاحبو ان مدعیوں کو تو ایک ہی خبر ہے کہ یہ مسائل قرآن مجید سے اسطرح نکلتے ہیں اور مٹانوں کو اس کی بھی خبر ہے اور اس میں جو مضرت ہی اس کی بھی خبر ہے۔ چنانچہ اہل نظر و تحقیق کے نزدیک ایک ایک خرابی جو اس کیلئے

لازم غیر منہاج ہے یہ ہے کہ جس فن کی وہ کتاب ہے وہ مسئلے اُس فن کے نہیں طب کی کتاب اگر کوئی لکھے اور اس میں ایک فصل تو لکھے امراضِ راس کی اور آگے اُس کے فَعَلًا فَعَلُوا کی بحث لکھے پھر دوسری فصل لکھے امراضِ بطن کی اور تیسری فصل میں یَفْعَلُ یَفْعَلَانِ کی بحث لکھ دے تو یہ کتاب کیا ہوگی۔ آدھی میزانِ الطب اور آدھی میزانِ الصرف اُس کو کہا جاوے گا۔ پھر اُس کو اگر اہلِ علم کے روبرو پیش کیا جاوے تو اُس کتاب کو کون پسند کرے گا تو کیا قرآن مجید کو آپ ایسا بنانا چاہتے ہیں کیا یہ قرآن مجید کے لئے نقص نہ ہوگا دوسرے جو مسائل قرآن مجید سے یہ لوگ استنباط کرتے ہیں اور جن کے اوپر بڑا فخر و ناز ہے وہ کوئی دقیق مسائل بھی نہیں۔ سب مہر و معاون شکم و دہن کے ہیں تو جن کے نزدیک شکم و دہن اور اُن کی خدمت بڑی چیز ہے ان کے نزدیک یہ مسائل بیشک ہہتم بالشان اور مایہ فخر و ناز ہوں گے۔ ہم تو ان کو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ اور اگر وہ ایسے مسائل ہوں جن میں شکم و دہان کی بھی امداد نہیں تو پھر تو بالکل ہی لغو ہوں گے کیونکہ نہ آخرت کے لئے مفید نہ دنیا کیلئے نافع حاصل یہ کہ وہ مسائل اگر کچھ کام کے ہیں تو دنیا ہی کے کام کے ہیں تو جن کے نزدیک دنیا بڑی چیز ہے وہ ان مسائل پر فخر کرے اور جن کو دنیا اُس کی اصلی حالت پر نظر آرہی ہو اور وہ اصلی حالت کیا ہے یہ ہے کہ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَّا سَقَى مِنْهَا كَافِرًا شَرَابَةً مَاءٍ یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کی برابر ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ پلاتے۔ پس ان کے نزدیک تو یہ مسائل بادِ در دست اور نقشِ بر آب (ہوا ہاتھ میں اور نقشِ آب پر) سے بھی کم ہیں ان تحقیقات کی اہل نظر کی نظروں میں ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص تمھانہ بھون کا جغرافیہ لکھے اور اس میں اس نے یہ تو لکھا ہے کہ فلاں جگہ جامع مسجد ہے اور

وہ ایسی ہے اور بازار اس قسم کا ہے اور فلاں موقع پر قاضی نجابت علی خاں کا مکان ہے لیکن کسی جگہ لونڈیوں نے کھینے کے لئے گارے سے پیر کوڑا بنایا تھا بھلے مانس نے اُس جغرافیہ میں وہ بھی لکھ دیا تو ظاہر ہے کہ جغرافیہ داں اور اہل علم اُس شخص پر کیسا کچھ ہنسیں گے اور کس قدر بیوقوف بنائیں گے سو اسی طرح اہل بصیرت بھی اس زمانہ کے محققین کی تحقیقات پر ہنستے ہیں واللہ دنیا کے مسائل قرآن مجید میں ہونا ایسے ہی ہیں بلکہ اس سے بھی کمتر جیسے اس جغرافیہ میں لڑکیوں کا ریت کا گھر۔ اور منشا اصلی ان تحقیقات کو قرآن میں داخل کرنے کا یہ ہے کہ یہ لوگ اہل یورپ کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر بلکہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ان کے موافق ہو تو مانتے ہیں ورنہ اُس میں پھیر پھار کرتے ہیں۔ پس جو مسائل ان لوگوں نے سمجھے ہیں قرآن مجید کو ان کی موافق بنانے کے لئے ان کو قرآن سے استنباط کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کے اقوال اور ان کی تحقیقات کو تو ان لوگوں نے اصل ٹھیرایا اور قرآن کو تابع۔ سو اس منشا کا فساد ظاہر ہے۔ سو بننا بھی فاسد۔ پھر اُس پر ان مسائل کا بوجہ دنیوی ہونے کے بے وقعت ہونا گویا مبنی کا فاسد ہونا ہی پھر قرآن مجید سے استنباط کرنا بننا الفاسد علی الفاسد (فاسد کی فاسد پر بنا ہی) چنانچہ ان کے بے وقعت ہونے کی مسلمان کے نزدیک یہ کافی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا کی تحقیر کر لے تو مین کرتے اور پھر ان حضرات کو اس پر فخر ہے ناز ہے۔ یاد رکھئے آپ کے نزدیک اس وقت دنیا قابل قدر وقعت ہے اور جب کُلٌّ مِّنْ عَلَیْہَا فَاِنِ رَجَعْنَ رَوْنَ زَمِیْنِ پرموجود ہیں سب فنا ہو جاویں گے (۱۷) کا ظہور ہو گا اور آپ جو اس وقت مَن چینیئم مَن چنانم (میں ایسا ہوں میں دیا ہوں) کر رہے ہیں آپ بھی اس مَن

(عربی من) میں داخل ہو جائیں گے اُس وقت معلوم ہوگا کہ ہم کس مہلات میں مبتلا ہیں آج جس سکہ کی قدر ہے کل وہاں اس کی کچھ قدر نہ ہوگی اور اس سکہ کی وہی مثال ہوگی کہ باپ نے اپنے لڑکے نادان کو ایک روپیہ جس پر عیب لگی ہوئی تھی دیا۔ لڑکا اُس کو لیکر باہر نکلا تو کسی ٹھاکے نے دیکھ لیا ٹھاکے کے پاس ایک شیشہ کا ٹکڑا تھا جو چمک دکام ظاہری میں اس روپیہ سے بڑھ کر تھا اُس لڑکے کو اُس نے دھوکہ دے کر وہ روپیہ لے لیا اور شیشہ کا ٹکڑا دیدیا۔ اب لڑکا خوش ہے کہ میرے پاس روپیہ ہی جب بازار پہنچے تو وہ میوہ فروش کو وہ روپیہ دیا اُس نے اٹھا کر پھینک دیا کہ یہ روپیہ یہاں نہیں چلتا۔ یہ مصنوعی اور ظاہری بازار میں چلتا ہے یہ تو واقعی اور سچا بازار ہے یہاں سچا سکہ چلے گا۔ اب یہ لڑکا تہی دست رہ گیا اُس وقت سمجھ میں آیا ہے

کہ بازار چند اٹک آگندہ تر تہیدست رادل پراگندہ تر

(بازار جس قدر بھرتا اور رونق پر آتا ہے تہی دست کا دل زیادہ پراگندہ ہوتا ہے ۱۲)

اُس وقت سوائے حسرت کے کچھ ہاتھ نہ آویگا۔ یہ سب قصہ موت کے ساتھ ہی نظر آجائے گا۔ یہ سائنس کے مسائل اور ان تحقیقات جدیدہ کا وہاں پتہ بھی نہ لگے گا وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَرَعُمُونَ (اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے غائب ہو گیا) الحاصل ایک خرابی تو قرآن شریف سے مسائل سائنس وغیرہ کی یہ ہوتی ہے دو تہری خرابی یہ ہے کہ سائنس کے مسائل ہمیشہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ پرانی سائنس آجکل گرد ہو رہی ہے۔ حال کی سائنس کی

عے استعداد قبول حق کی جو فطرۃ سب کو ملی ہے مع علم ناگواری طبع و نفس ۱۲ جامع سے رہن

دین من الجنة والناس ۱۲ جامع للعب دنیا و متاع دنیا جن کو لوگ خریدتے ہیں اور دولت ایمان بربادیا

بے رونق کر دیتے ہیں یا کم از کم اُس میں ناک اس دولت کو بچھلتے ہیں ۱۲ جامع

خود اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ جو محققین پیدا ہوں ان کی تحقیقات اس کے بالکل خلاف ہوں تو آج اگر کسی سائنس کے مسئلہ کو قرآن مجید کی تفسیر بنا دیا اور یہ ثابت کر دیا اور تسلیم کر لیا کہ یہ مدلول قرآنی ہی تو کل کو جبکہ ان مسائل کی غلطی ثابت ہو جاوے گی ایک ادنیٰ سا ملحد اس کو غلط ثابت کر کے پھر اس سے قرآن مجید کا نعوذ باللہ خلاف واقع کے ہونا دکھلا دیگا اور مخالفین کو یہ کہنے کی گنجائش ہو جاوے گی کہ تمہارے مذہب کی یہی کتاب جس میں ایسے خلاف واقع مسائل ہیں۔ پس یہ مسلک درحقیقت قرآن کی خیر خواہی نہیں بلکہ بدخواہی ہے۔ تیسری خرابی اور ہی اور اس کو میں بے غیرتی سے تعبیر کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ان مسائل کو مدلول قرآنی بناتے ہیں گویا اہل لورپ کو احسان جتلانے کی گنجائش دیتے ہو کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری بدولت آج قرآن مجید کے معنی معلوم ہوئے۔ اگر ہم ان مسائل کی تحقیق نہ کرتے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر اس وقت تک کسی کو قرآن مجید کا پتہ نہ لگتا اور تم کو غیرت دے دے کر وہ کہیں گے کہ کہاں گئے ابو بکرؓ کہاں گئے عمرؓ کہاں ہیں غزالیؒ اور کہاں ہیں ابن عباسؓ دیکھو ان حضرات میں سے کسی نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا۔ پھر سمجھایا کس نے یورپ کے دہریوں نے جرمن کے ملحدوں نے۔ افسوس جب ایسا ہوگا تو ڈوب مرنے کا وقت ہوگا۔ خدا کی قسم ہے ہمارے یہاں سب کچھ ہی اور دوسروں کے یہاں کچھ نہیں۔ کیوں ان کی کالہ لہیسی کی جاتی ہو اور کیوں قرآن مجید میں ان کی خاطر سے تحریف کی جاتی ہے

برہوت تاویل قرآن می کنی پست و کثر شد از تو معنی سنی

چوں ندارد جاں تو قندیلہا بہر بینش می کنی تاویلہا

کردہ تاویل لفظ بکر را خویش را تاویل کن نے ذکر را

دہوا پر قرآن میں تاویل کرتے ہو جس سے اس کے روش معنی پست و کج ہو جاتے ہیں

تمہارے اندر قرآن کے سمجھنے کا فہم ہی نہیں اس لئے تاویلات کرتے ہو قرآن کے سمجھنے کا فہم پیدا کرو اور تاویلات کو چھوڑو

خود تمہارے اندر سب کچھ ہے۔ تمہارے اندر وہ نور موجود ہے کہ اُس کے ہوتے ہوئے تم کو کسی کی حاجت نہیں۔ اُس نور کی طرف توجہ کرو دیکھو تو کیا کیا علوم کھلتے ہیں جن کے سامنے یہ علوم باویہ سب خرافات نظر آویں گے

یعنی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معیار و اوستا

(اپنے اندر بے کتاب اور بغیر معین و استاد کے انبیاء جیسے علوم پاؤ گے ۱۲)

اُس وقت تم کو معلوم ہو گا کہ وہ سب تحقیقات بچوں کا کھیل تھا۔ پس اے مہذبین کی جماعت اس کا ہرگز ہرگز وسوسہ بھی نہ لاؤ کہ قرآن مجید میں ساری چیزوں کو ٹھونسو ہاں ضمناً تبعاً کوئی مسئلہ اس حیثیت سے آجاوے کہ اُس کو بھی طب روحانی میں دخل ہو تو اور بات ہو چنانچہ اتنی سائنس قرآن مجید میں بھی موجود ہے جہاں ارشاد ہوا *اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ* یعنی بیشک آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے اول بدل میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں لیکر جو نفع دیتی ہیں لوگوں کو اور پانی میں جو اتار رہی اللہ نے آسمان سے پھر جلا دیا اس سے زمین کو اس کے مرنے (خشک ہونے) کے بعد اور پھیلا دیئے اُس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو گھرا ہوا ہے آسمان زمین کے درمیان میں (سب میں) دلیلیں ہیں اُن لوگوں کے واسطے جو عقل رکھتے ہیں۔ سو ان آیات سے ان چیزوں کی تحقیقات منظور نہیں کہ اس حیثیت سے اس کا طب روحانی

سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس سے مصنوع سے صانع پر استدلال کیا ہے کہ یہ سب مصنوع ممکن ہیں ان کے لئے کوئی محارث ضروری ہے اور اس حیثیت سے اس کا تعلق طب روحانی سے ظاہر ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہو

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ - ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ یعنی اور ہم نے بنایا آدمی کو سنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے اس کو رکھا نطفہ بنا کر مضبوط جگہ (عورت کے رحم) میں۔ پھر ہم نے بنایا اس نطفہ کو لو تھڑا۔ پھر ہم نے اس کو تھڑے کی بنائی ہوئی۔ پھر بنائی ہوئی کی ہڈیاں۔ پھر پہنا دیا ہڈیوں کو گوشت۔ پھر اسکو بنا کر کھڑا کیا ایک نئی صورت میں۔ تو یا برکت ہے اللہ جو سبک بہتر بنانے والا ہے۔ دیکھئے اس آیت میں سائنس انسانی کے تمام تقلبات و اطوار موجود ہیں مگر اس میں کاوش نہیں کی گئی اور نہ اس حیثیت سے بیان کیا کہ ماہیات بیان کی جائیں بلکہ مقصود قدرت پر استدلال ہے اور بیان بھی سیدھی طور سے ہی جس کو ساری دنیا سمجھ سکتی ہے اس لئے کہ قرآن مجید کے مخاطب تمام عالم کے افراد ہیں اور ان میں سب طرح کے ہیں۔ اکثر تو عوام ہیں اس لئے اس کے خطابات بھی ایسے ہیں کہ جس کو ہر عامی سمجھ سکتا ہے۔

عے سوال اس مقام پر شبہ ہوتا ہو کہ حدیث شریف میں ہے کہ لَا تَقْفِي عَجَابًا (اس قرآن) کے عجائبات ختم ہو جائیں گے، کیا ان عجائبات میں مسائل فلسفہ شامل نہیں ہو سکتے اور کیا ہر عامی کا سمجھنا اس حدیث کے معنی نہیں۔ جواب۔ عجائبات مراد علوم فلسفہ جیسے علم متعارف ہے جو کہ صحابہ میں کسی نے ان عجائب کی ایک فرد بھی نہیں سمجھی کیونکہ کسی صحابی نے قرآن مجید سے ان چیزوں کو بھی نہیں بیان کیا جو علم متعارف کے علاوہ تھیں۔ یہ ہیں کہ وہ دوسری دلائل صحیحہ کے بھی مدلول ہیں لیکن اہل فہم عالی کو قرآن مجید سے بھی مفہوم ہو جاتے ہیں جن کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے اَلْفَهْمُ اَوَّلُ مَعْرِفَةِ التَّوْحِيدِ (لیکن فہم جہاد ہی قرآن کے بارے میں معطایا گیا ہے) اور عامی کا سمجھنا ہر مفہوم کیلئے عام نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جسے ضروریات دین میں دخل ہے اس پر وجہ دلالت اور جو اس کے لئے مقدمات بنا کئے گئے ہیں ان کا مفہوم و مدلول عام فہم ہی

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ اَلَمْ يَسِّرْهُمُ نَعَمْ قَرَأْنِ اَسَانَ رَدِيَا ذُرِّيَّةً (اسکی دلیل ہے اور ضروریات دین کی تعریف اہل علم کے نزدیک معروف ہے) ۱۲ اشرف

غرض سائنس وغیرہ کے مسائل قرآن مجید میں اتنے ہی لئے گئے ہیں کہ جن کو نجات ابدی میں دخل ہے۔ پس میں نے جو دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید کی ہم کو ہر موقع میں ضرورت ہے اور ہر جگہ کام آتا ہے۔ اس ہر موقع سے مراد طبعیات اور ریاضیات و طرق معاش کے مواقع نہیں بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جن امور کو فلاح اخروی میں دخل ہے خواہ اس کا وقوع دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو اس میں ہم کو قرآن مجید کی ضرورت ہو اور جو محض دنیا ہی ہو یا کہ نہ دنیا ہو نہ آخرت کے متعلق ہو بلکہ لغو ہو قرآن مجید کو اس سے بحث نہیں۔ سو ان امور و نیویہ نافعہ فی الدین (دین میں نفع دین دہنے)

میں سے ایک اتفاق بھی ہے کہ وہ قرآن مجید میں مامور بہ ہو چنانچہ ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَلَا تَنَازَعُوا فِيهِ فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ يَعْنِي اے ایمان والو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو تم بزور و شست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھر جائے گی۔ دیکھئے اس آیت میں مسئلہ اتفاق کو بیان فرمایا ہے۔ اس پر بیشک ہم فخر کریں گے کہ قرآن مجید نے ہم کو کیسے عجیب و غریب مسئلہ کی تعلیم کی ہے اور جی کھول کر ہم اس کو مدلول و منصوص قرآنی کہیں گے۔ باقی اور علوم جو بزرگوں نے قرآن سے نکالے ہیں ان کو یہ کہیں گے کہ منطبق علی القرآن ہیں مدلول قرآن نہیں ہیں۔ یوں نہ کہیں گے کہ ثابت بالقرآن ہیں ہاں منطبق موافق کہیں گے۔ چنانچہ اوپر بھی اجمالاً عرض کیا گیا ہے اور مدلول اور منطبق میں بڑا فرق ہے۔ ایک مثال سو آپ کو اس کا فرق ظاہر ہوگا۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس حجام آیا اور اس نے کہا کہ خط بنو لیجئے۔ اس نے جواب دیا کہ بڑھنے دو۔ اتفاق سو جس وقت

عے یعنی اس کے تحصیل کے طرق قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ باقی جواز و عدم جواز کی حیثیت سے اس سے

بھی بحث ہے ۱۲ جامع

اُس نے یہ جواب دیا تھا لڑکے والوں کی طرف سے ڈوم بھی اُن کی لڑکی کی شادی کا خط لیکر آیا۔ وہ بھی اتفاق سے اس جواب سے اپنا مطلب نکال لے تو یہ جواب "بڑھنے دو" دونوں سوالوں کا ہو سکتا ہو اول سوال کا تو اس طرح کہ خط بڑھنے دو جب بڑھ جائے گا بنوائیں گے۔ دوسرے سوال کا اس طور پر کہ لڑکی ابھی چھوٹی ہے اُس کو بڑھنے دو پس پہلے معنی کو تو مدلول کہیں گے اور دوسرے کے مدعا پر اس کو صرف منطبق کہیں گے۔ قصد تو یہ تھا کہ نائی کو جواب دیں لیکن یہ کلام کی لطافت ہے کہ وہ ڈوم کا بھی جواب ہو گیا پس اس کو نکتہ اور لطیفہ کہہ سکتے ہیں اور تفسیر نہیں کہہ سکتے۔ یہاں سے ایک بات اور کام کی سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ صوفیہ کرام نے آیات کے متعلق کچھ بصورت تفسیر کے کہا ہے مثلاً اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ ظٰلِمٌ مِّنْ عِندِ رَبِّكَ اَخْتَارَ (اے روح نفس کے پاس جا اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے) کے متعلق لکھا ہے اِذْهَبْ اَيْهَا السُّدُوحُ اِلَى النَّفْسِ اِنَّهُ ظٰلِمٌ مِّنْ عِندِ رَبِّكَ اَخْتَارَ (اے روح نفس کے پاس جا اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے اور ذریعہ کر دو نفس کے بیل کو) تو ان تاویلوں کو دیکھ کر دو جماعتیں ہو گئی ہیں۔ ایک تو جو صوفیہ کی محبت سے خالی ہیں اور یَحْمَلُ النَّصُوصَ عَلٰی ظُلُوٰهِهَا (منصوص کو ظواہر پر محمول کرتے ہیں) کے پورے پابند ہیں انھوں نے تو ان تاویلات کا بالکل انکار کر دیا کہ کہاں فرعون کہاں نفس کہاں موسیٰ کہاں روح۔ یہ تو ایسا ہے کہ زمین بول کر آسماں مراد لے لیں۔ اور صوفیہ کو اس بنا پر ضال و محرف کہہ کر ان کے منکر ہو گئے۔ سو ان کو تو یہ ضرور ہوا کہ حضرات اہل اللہ کے برکات سے محروم ہوئے۔ دوسرے وہ تھے جو ان حضرات کی محبت میں غرق ہیں وہ یہ کہنے لگے کہ قرآن کا مدلول اور تفسیر یہی ہے علما و ظاہر نہیں سمجھے اس میں تو سارا قصہ باطن کا ہے۔ پھر اس بات میں ان غالبین کا یہاں تک غلو بڑھا کہ بعض جگہ تو انھوں نے قرآن مجید کی گت ہی بنا

دی۔ جیسے ایک حکایت ہے کہ ایک جلد ساز تھے جو شخص کتاب یا قرآن جلد بند ہوانے لاتا تھا۔ وہ اس میں کچھ اصلاح ضرور کر دیا کرتے تھے ایک شخص قرآن شریف جلد بند ہوانے کے لئے ان کے پاس لائے اور کہا کہ اس کی جلد باندھ دو مگر شرط یہ ہے کہ کچھ اصلاح نہ دیجیو۔ کہنے لگے کہ اب تو میں نے توبہ کر لی ہے۔ جب جلد تیار ہو گئی اس شخص نے پوچھا کہ کچھ اصلاح تو نہیں دی کہنے لگے کہ توبہ توبہ میں کیا اصلاح دیتا مگر دو تین جگہ تو صریح غلطی تھی اس کو صحیح کر دیا۔ ایک جگہ توبہ تھا عَصَىٰ اٰدَمُ تَوْبَةً صَرِيحًا غَلَطِيًّا ہے عصا تو موسیٰ کا تھا میں نے اس جگہ بجائے آدم کے موسیٰ بنا دیا ہے۔ اور ایک مقام پر خذْ مَوْسٰیٰ تَوْبَةً عِيسٰیٰ کا تھا وہاں عیسیٰ بنا دیا ہے۔ اور ایک جگہ وَقَدْ نَادٰۤاَنَا نُوْحًا (تحقیق پکارا ہم کو نوح نے) تھا تو نوح تو دانا تھا میں نے وہاں ناکاٹ کر اس طرح کر دیا ہے وَقَدْ نَادٰۤاَنَا نُوْحًا اور ایک مشترک اور عام غلطی تھی وہ یہ کہ جگہ جگہ فرعون۔ فارون۔ ہامان ابلیس کا نام تھا تو ایسے کفار ملعونوں کا قرآن میں کیا کام وہاں میں نے اپنا اور تمہارا نام لکھ دیا۔ کہا خدا تیرا ناس کرے تو نے میرا قرآن شریف ہی کھو دیا۔ تو وہ مصلح صاحب اسی مذاق کے ہوں گے واللہ یہ لوگ بالکل ہی برباد ہوئے خدا کی قسم ہے کہ قرآن کا یہ مدلول ہرگز ہرگز نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روزہ نماز سب اڑ گیا اس لئے کہ تمام نصوص کے مدلولات کو بلکہ تمام شریعت کو ان لوگوں نے بدل دیا۔ میرے ایک دوست رئیس پیران کلیر گئے تھے ایک طرف سے آواز آئی ابے او مرنے انہوں نے کچھ التفات نہ کیا پھر آواز آئی انہوں نے اس طرف دیکھا تو کہا ابے تجھ کو ہی بلاتے ہیں یہاں آئیے گئے کہ دیکھیں کیا کہتے ہیں کہنے لگے کہ دیکھ اللہ تعالیٰ نے جب روحوں کو پیدا کیا تو سب کو جمع کر کے حکم دیا کہ بناگ بوزہ مت چھوڑنا تو ہم تو قریب تھے ہم نے صحیح سنا اور مولوی لوگ دور تھے

انہوں نے بجائے بنگ بوزہ کے نماز روزہ سن لیا جاوے یہ نکتہ ہی مرشدوں کا یاد رکھنا تو ان تفسیروں کی بدولت یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے ایسے صوفیوں نے ناس کیا ہے دین کا خود بھی تباہ ہوئے اوروں کو بھی تباہ کیا سو یہ تو محض لغو و خرافات ہیں لیکن اس وقت کلام ہے صوفیہ محققین کی تاویلات و اشارات میں سو اس میں بعضے تو ان کے ہی منکر ہو گئے اور بعضے مفسرین کے منکر ہو گئے اب رہ گئے ہم بیچ میں کہ ہم قرآن کو کلام اللہ اور صوفیہ کو اہل اللہ جانتے ہیں تو دونوں کی افہام و حفاظت کے لئے ضرور ہوا کہ ان تاویلات کو ایسے معانی پر محمول کیا جاوے کہ کلام اللہ کی بھی تحریف نہ ہو اور اہل اللہ کا کلام بھی خلاف قواعد شرعیہ نہ ہو اس لئے ہم کہتے ہیں کہ صوفیہ کرام نے جو آیات کے معنی بیان کئے ہیں یہ فی الواقع تفسیر نہیں ہے اور نہ وہ حضرات مدلول ظاہری کے منکر ہیں ان کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ قرآن میں فرعون سے نفس اور موسیٰ سے روح اور بقرة سے نفس مراد ہے جو کچھ وہ فرما رہے ہیں یہ علم اعتبار کہلاتا ہی اور علم اعتبار یہ ہے کہ دوسرے کے حال پر اپنے حال کو قیاس کیا جاوے تو مطلب یہ ہے کہ فرعون و موسیٰ کے قصہ پر اپنے حال کو بھی قیاس کرو اس کی ایسی مثال ہے جیسے زید نے ایک کام عمر کی دیکھا دیکھی کیا اور اس میں اس کو نا کامی ہوئی تو اس موقع پر کہتے ہیں کہ کو اچلا تھا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا تو اس کلام میں کو سے مراد زید اور ہنس سے مراد عمر و یقیناً نہیں ہے کو سے کو مراد ہے اور ہنس سے ہنس ہی مراد ہے اور چال اس کا یہ ہے کہ دو موقع ایک حالت کے اندر متطابق ہیں ایک موقع پر جو نظر پڑی تو دوسرا موقع اس کو دیکھ کر یاد آ گیا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دیدی مثلاً یہاں زید و عمر اور ان کے قصے کو کو سے اور ہنس اور ان کے قصے سے تشبیہ دیدی پس

اذْهَبْ آيَتِهَا الشَّرْحُ الخ (دے دے حاتو) سے یہ مراد ہو کہ اے قاری جب تو
 قرآن پڑھے اور یہاں پہنچے تو اس قصہ سے یہ سبق لو کہ تمہارے اندر
 بھی ایک چیز فرعون کی مشابہ اور ایک چیز موسیٰ کے مشابہ ہے قصہ کو
 قصہ ہی کے طور پر مت پڑھو بلکہ قرآن شریف کے ہر ہر موقع سے اپنی
 حالت پر مطابق کرتے جاؤ اور اس سے نصیحت اور عبرت حاصل کرتے
 جاؤ یہ مطلب ہے صوفیہ کرام کا پس دونوں فرقے غلطی پر ہیں جو ان
 تاویلات کا بالکل انکار کرتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو ان کو تفسیر
 مدلول قرآنی قرار دیتے ہیں وہ تو بالکل گئے گزرے ہیں یہ تاویلات
 لطائف اور نکات کے درجہ میں ہیں تفسیر نہیں ہیں اور ان کو علوم قرآنیہ
 نہیں کہہ سکتے علوم قرآنیہ وہ ہی ہیں جس پر عبارة النص یا اشارة النص
 یا اقتضاء النص یا دلالة النص سے استدلال ہو سکے ورنہ وہ نکات و
 لطائف کا درجہ ہے جیسے کسی شخص نے آیت دَكَلَهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
 فَرْدًا (اور قیامت کے دن سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہوں گے) کے متعلق کہا تھا
 کہ قیامت آئندہ آنے والی ہے اس لئے قرآن مجید میں فرڈا کہا گیا فرڈا کہتے
 ہیں کل کے دن کو یہ ایک نکتہ ہے ورنہ فرڈا بمعنی کل فارسی ہے اور آیت
 میں فرڈا سے مراد میتھ فرڈا میتھ جدا ہے اہل لطافت نے کہیں کہیں ایسے
 نکتوں سے کام لیا ہے گو شرعاً بعض جگہ پسندیدہ نہیں ہے جیسے ایک
 جولاہا تھا اُس نے دو چار سورتیں پڑھ لی تھیں مگر ماں کا حق ادا نہ کرتا
 تھا اُس کی ماں کو لیکر ایک بزرگ کی خدمت میں آئی کہ دیکھئے حضرت
 یہ میرا حق ادا نہیں کرتا ان بزرگ نے فرمایا کہ بھائی تم ماں کا حق کیوں
 نہیں ادا کرتے کہا کہ حضرت قرآن میں تو ماں کا حق ہی نہیں آیا ان بزرگ
 نے پوچھا کہ تو نے کچھ قرآن پڑھا ہی کہنے لگا جی ہاں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ يَأْتِي
 اَنْ بزرگ نے فرمایا کہ تَبَّتْ تُو پڑھو اُس نے پڑھی جب مَا اَعْنِي عَنَّهُ

مَالُهُ وَمَا كَسَبَتْ رَأْسُ كَامَالٍ اور اس کا کمال اس کے کام نہ آئی، پر پہونچا تو فرمایا کہ دیکھ تو کہتا ہے کہ ماں کا کچھ حق نہیں قرآن میں تو یہ ہے کہ ما کا سب یعنی ماں کا سب ہے وہ ماں گیا اور اسی دن سے عہد کیا کہ ماں کی خدمت کیا کروں گا۔ اس لطیفہ سے یہ توفائدہ ہوا کہ وہ ماں کا حق ادا کرنے لگا لیکن ضرر بھی ہوا کہ ساری عمر اسی جہل میں مبتلا رہے گا ایسے ہی ایک شخص ایک مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ مولوی صاحب تم کہتے ہو کہ قرآن میں سب چیزوں کا ذکر ہے یہ تو بتلاؤ کہ قرآن میں باؤ مرہٹہ کا بھی ذکر ہے مولوی صاحب نے کہا ہاں ہے اور مذمت کے ساتھ ذکر ہے وَبَاؤُ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ (وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے) کہ باؤ اللہ کے غضب میں ہے یہ نکات ہیں بلکہ نکات بھی ان کو نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ نکتہ وہ ہے کہ جس سے تفسیر نہ بدلے یہاں تو تفسیری بدل جاتی ہے لطائف اور نکات بھی وہ ہی مقبول ہیں کہ انطباق بھی ہو جائے اور تفسیر نہ بدلے اس واسطے میں ان دونوں قصوں کے جواب کو ناپسند کرتا ہوں۔ پس اس تمام تر تقریر سے معلوم ہو گیا کہ نہ تو شیخ اکبر اور دیگر صوفیہ قدس اسرار ہم پر کچھ اعتراض ہو سکتا ہی اور مفسرین نے جو تفسیر اور مہلول قرآنی بیان کیا ہے نہ اس میں کچھ شبہ ہے ہاں اعتراض اہل غلو پر ہے جو ان کا یا ان کا انکار کرتے ہیں خواہ وہ اہل غلو برنگ جہلاء ہوں یا بہیت علماء ہوں۔ یہ مفصل گفتگو تھی بعض اشارات و لطائف قرآنیہ کے متعلق جو جملہ معترضہ کے طور پر آگئی۔ اب مضمون مقصود کی طرف عود کرتا ہوں کہ قرآن نے ہم کو اس مقام پر مسائل تمدن میں سے ایک مفید مسئلہ اتفاق کی بھی تعلیم بھی فرمائی پس وہ اس وجہ سے شریعت میں مامور ہے اور دنیا دین دونوں حیثیتوں سے ضروری ہے اور اصلاح دین بھی اس سے

ہوتی ہے اور اصلاح دنیا بھی جو لوگ دیندار ہیں اُن کی نظر تو اس کے منافع دین پر ہے اور جو دنیا دار ہیں اُن کی نظر اس کے منافع دنیا پر ہے خصوص ہمارے زمانہ کے ترقی خواہ بھائیوں کے نزدیک تو بڑا قبلہ و کعبہ دنیا ہی ہے حتیٰ کہ اُن کے نزدیک تو خالص دینی کام میں بھی دنیا ہی کی مصلحت پیش نظر رہتی ہے اور اس کی وقعت اسی مصلحت دنیوی کے سبب ہوتی ہے اور یہ مذاق اہل یورپ سے ماخوذ ہو چنانچہ ایک جرمنی ڈاکٹر نے نماز کے منافع لکھے ہیں کہ نماز ایسی اچھی ورزش ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی ورزش کی ضرورت نہیں اور صحت خوب قائم رہتی ہے اُس مچھلے مالس نے نماز کو اتنا ہی سمجھا آگے ذہن ہی نہیں گیا جیسے کسی مولوی صاحب نے ایک گنوار کو نصیحت کی کہ نماز پڑھا کر کہا بہت اچھا چند روز کے بعد مولوی صاحب سے کہا کہ مولوی جی نواج (نماز) بہت پھاندے (فائدے) کی تیج (چیز) ہے مجھے بانی (ریاح) کی بیماری تھی جب لموندھا (اوندھا) پڑوں جب ہی باوی لکڑی (نکلتی ہے) جیسے اُس گدھے نے نماز کا یہی فائدہ سمجھا تھا ایسے ہی اس جرمنی محقق نے نماز کا فائدہ اتنا ہی سمجھا مگر ہمارے ترقی یافتہ بھائی ایسی باتوں سے خوش ہوتے ہیں اور ریجھے جاتے ہیں اور اگر کوئی ہم سے پوچھے تو ہم تو یہ کہیں گے کہ اس جرمنی کی اس تحقیق کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کے پاس پانچ سو روپیہ کا دو شالہ ہو اور وہ اس کے منافع یہ بیان کرے کہ یہ دو شالہ بہت اچھی شے ہے سفر میں اگر کہیں سوختہ نہ ملے تو اس کو جلا کر چار پکا سکتے ہیں تو فی نفسہ یہ صحیح ہے کہ چار اس سے پاک سکتی ہے لیکن کیا اس شخص کو یہ نہ کہنا جاوے گا کہ اس نے اس دو شالہ کی قدر نہیں جانی۔ نماز کے فائدے ہم سے پوچھو اور ہم سے کیا ہم کیا چیز ہیں حق تعالیٰ سے پوچھو اور ہم سے

پوچھو میں نے اس لئے کہا کہ دیا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ درحقیقت حق تعالیٰ کا کہا ہوا ہے ہماری تو وہ مثال ہے سے

در پس آئینہ طوطی صفت تم داشتند آنچه استاد ازل گفت بگوئی گویم

(آئینہ کے پیچھے مجھے طوطی کی طرح رکھا ہر کچھ استاد ازل نے کہا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)

سو نماز کا فائدہ دَا سْتَجِدُّوْا قُرْبًا لِّعَنَى سَجْرَهٗ كَرُوْا وَاوْرَا اللّٰهَ كَ قَرِيْبٍ هُوَ جَاوُ
پس نماز کا اصلی مقصود قرب ہے مولانا فرماتے ہیں سے

قرب ترستی بہ بالا رفتن است بلکه قرب از قید ہستی رستن است

یعنی قرب اس کا نام نہیں ہے کہ نیچے سے اوپر کو چلے جاؤ بلکہ قرب یہ ہے کہ قید ہستی سے چھوٹ جاؤ اس لئے کہ اوپر جانا قرب جب ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا مکان اوپر ہوتا خدا تعالیٰ مکان سے پاک ہے پس اس کا قرب یہی ہے کہ اپنی ہستی کو خاک میں ملا دو اسی کو وصل کہتے ہیں بعض لوگ وصل کے خدا جانے کیا کیا معنی سمجھتے ہیں وصل کے معنی اہل فن سے پوچھئے شیخ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں سے

تعلق حجاب ست و بے حالی جو پیوندھا بگسی و اصلی

(تعلقات غیر اللہ حجاب اور لا حاصل ہیں جب ان تعلقات کو قطع کر لو گے تو تم واصل ہو گے ۴)

یعنی غیر کے ساتھ کے علاقے جب قطع کر دو گے واصل ہو جاؤ گے یہی تعلق حجاب ہے پس سجدہ کی غرض اپنی ہستی و تعلق کو مٹانا اور ہستی کا مٹانا یہ نہیں ہے کہ سنگھیا کھا کر مر رہو مطلب یہ ہے کہ دعویٰ اور انا نیت دماغ سے نکالو یہ سجدہ اس کا سامان ہے اس لئے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر تمام اعضاء انسان کے اندر اشرف چہرہ ہے اسی واسطے چہرہ پر مارنا حرام ہے حکم ہے کہ مجرم کے بھی چہرہ پر مت مارو قتل کرنا جائز اور چہرہ پر مارنا جائز اس لئے کہ چہرہ معظم ہے تو ایسے شریف عضو کو حکم ہے کہ اَرْدُوْا الشَّيْءَ (تمام چیزوں سے زیادہ رذیل) کے ساتھ ملصق کر دو یعنی

زمین کے ساتھ جو بہت سے وجوہ سے اور نیز باعتبار چیز کے پست ترین مخلوق ہے تو یہ کا ہے کی تعلیم ہے اسی کی تعلیم ہے کہ اپنے کو مٹا دو اور ہستی کو کھو دو کہ یہ تمہاری ہستی تمہارا حجاب بن رہی ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں

میاں عاشق و معشوق ہیچ حال نیست تو خود حجاب خودی حافظ از میاں بر خیز

(عاشق و معشوق کے درمیان کوئی حال نہیں تیری خودی خود حجاب ہو رہی ہو حافظ خودی کو درمیان سے اٹھا۔)

پس نماز کی یہ حکمت ہے مگر جرمنی صاحب نے چونکہ ورزش اس کی حکمت بیان کی ہے تو ہمارے بھائی اس تحقیق پر غشیں ہیں یاد رکھو شارع نے یہ حکمت نماز کی کہیں نہیں بیان کی اور جو چیز شریعت میں نہیں ہے وہ سب ہیچ ہے گو اس جرمنی کی زبان سے اتنا لکنا بھی غنیمت ہے۔ لیکن اسے بھائیو تم کو کیا ہو گیا کہ *وَاسْتَجِدُّوا قُرْبَ الرَّسُولِ* (سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو جاؤ) کی ہوتے ہوئے ایک جرمنی کا فرکی تحقیقات کو پسند ہی نہیں بلکہ اس پر ناز کرتے ہو کیوں خواہ مخواہ گداگری کرتے ہو تمہارے یہاں سب کچھ ہے آپ لوگوں کی وہ مثال ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں

یک سد پر نان ترا بر فرق سر تو بھی جوئی لب نان در بدر
تا بز انوے میان قعر آب وز عطش و ز جوع گشتی خراب

(تیرے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا موجود ہے تو ایک ٹکڑے روٹی کے لئے در بدر مارا پھرتا ہو)

تو زانو تک نہر میں کھڑا ہوا ہے اور پیاس اور بھوک سے خراب ہو رہا ہے۔)

اے صاحبو آپ کے یہاں ساری دولتیں موجود ہیں کیوں فقیروں سے مانگتے ہو کیوں جرمنیوں کی کا سہ لیسے کرتے ہو۔ الحاصل اتفاق بھی ایسی ہی شے ہے کہ اہل یورپ کو اللہ دنیا (دنیا کیلئے) مطلوب ہے اور ہم کو اللہ (دین کیلئے) مطلوب ہے مگر اس کا ایک ضروری مسئلہ متفق علیہا ہونا تو ثابت ہوا اب اس آیت میں غور کیجئے کہ اس میں سے اس مسئلہ کے متعلق کیا تحقیق

ہے اس کے لئے ایک چھوٹی سی تمہید کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ساری دنیا اتفاق اتفاق پکار رہی ہے مگر اس کے جو اسباب ہیں ان سے بالکل ناواقفیت ہے بالکل اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص چھت پر جانا چاہتا ہے مگر زینہ سے نہیں جاتا اوچاک کر جانا چاہتا ہے اور ایک جست لگاتا ہے اور گر پڑتا ہے اسی طرح پھر جست لگاتا ہے اور پھر گرتا ہے تو یہ شخص چھت پر کیوں نہیں پہنچا اس لئے کہ جو طریق ہے جانے کا اس نے نہیں کیا اس نے اس پر عمل نہیں کیا ہے

أَطْلَبُوا الْأَهْذَاقَ مِنْ أَسْبَابِهَا وَأَدْخَلُوا الْأَنْبِيَاءَ مِنْ أَبْوَابِهَا

(روزی کو اس کے اسباب سے طلب کرو اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہو)

اس واسطے شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کہ مطلقاً اسباب چھوڑ دو بلکہ اس کا حکم کیا ہے کہ جس شے کے جو اسباب پیدا کئے گئے ہیں اس کو ان ہی سے طلب کرو اس پر بعض لوگ خوش ہوئے ہوں گے کہ اس سے تو وہی بات ثابت ہوئی جو اہل دنیا کا مطلب ہے یعنی تدبیر پرستی چنانچہ اسی بنا پر لوگ اہل اللہ پر مینتے ہیں اور ان کو احادیث کی پلٹن اور گرائی کا سبب اور قوم پر بار قرار دیتے ہیں ایک شخص بزم خود مفسر قرآن ہیں اور لوگ ان کے ترجمہ پر فریفتہ ہیں اس لئے کہ محاورہ کے موافق ہے صاحبو! محاورہ کے موافق تو ہے لیکن قرآن کے موافق نہیں ہے ایسے ہی محاورہ کا شوق ہے تو چہار درویش اور حاکم طائی کی عبارت بہت ہی با محاورہ ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ وہ تو قرآن نہیں ہی میں کہتا ہوں کہ وہ ترجمہ بھی بہت مقامات میں قرآن نہیں اس لئے کہ ایسے ایسے مسائل نکالے ہیں کہ وہ قرآن کا مدلول نہیں ہے چنانچہ آیت وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر حق جائز کے مت کھاؤ) کی تفسیر میں حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ جو بعض لوگ دنیا کے

تمام دھندے چھوڑ چھاڑ کر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہتے ہیں ان کو کیا حق حاصل ہے کہ قوم کی آمدنی کھائیں جب کچھ حق نہیں تو باطل ہی اور باطل ہے تو اس آیت سے حرام ہے لوگ استدلال پر فریفتہ ہیں مرے جانتے ہیں میں اس استدلال کی حقیقت کھولتا ہوں کہ یہ جو باطل جس کا ترجمہ ناحق ہے اس ناحق میں جو حق ہے اس سے کیا مراد ہے حق واجب یا جائز اگر حق واجب مراد ہے تو ہم مفسر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ تم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک کتاب تصنیف کر دی اور سرکار سے ہزار روپیہ انعام کے لئے کیا سرکار پر یہ حق واجب ہے اور ان مفسر صاحب کو کوئی ہدیہ روپیہ دئے تو اس کے قبول کرنے کا ان کو کیا حق حاصل ہو خوب یاد رکھو کہ اس ناحق میں حق سے مراد حق جائز ہے پس ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بدون حق جائز کے مت کھاؤ پس جس شے کا لینا جائز نہ ہو وہ مت کھاؤ اور اگر محبت کی کوئی کچھ دے تو یہ ناجائز نہیں مفسر صاحب نے حق سے مراد حق واجب لیکر اپنے اوپر بھی سینکڑوں اعتراض لے لئے غرض یہ حضرات اہل توکل کی تحقیر اسی اسباب پر کرتے ہیں تو شاید میرے اس کہنے سے کہ اسباب و مسببات کو حاصل کرو ان معترضین کو اپنی تائید کا شبہ ہوا ہو گا خوب سمجھ لو کہ ترک اسباب میں تفصیل ہی جو عنقریب آتی ہے اس کے نہ جاننے ہی سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ متوکلین نے پھر اسباب کو کیوں چھوڑا جبکہ تم کہتے ہو کہ شریعت نے ترک اسباب کی اجازت نہیں دی سو خوب سمجھ لو کہ یہ اعتراض نا تمام علم سے پیدا ہوا ہے جیسے ایک حکیم جی تھے ان کے ایک صاحبزادہ بھی تھے مگر تھے عقل کے کورے ان کو حکیم صاحب نے طب پڑھائی اور مطب میں بھی وہ ساتھ رہتے تھے حکیم جی ایک مریض کو دیکھنے گئے نبض دیکھ کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے نارنگی کھائی ہے جس سے تمہاری حالت کل کے

اعتبار سے بگڑی ہوئی ہے مریض نے اقرار کیا صاحبزادہ صاحب کو حیرت ہوئی کہ ابا جان نے یہ کیسے پہچانا کہ نارنگی کھائی ہے جب وہاں سے آئے تو پوچھا حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی قرآن اور علامات اور نبض سے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ کسی باروشے کا استعمال کیا ہے چار پانی کے نیچے نارنگی کے پھلکے پڑے تھے اس سے اس کی تعیین بھی ہو گئی۔ اب صاحبزادہ صاحب کو ایک قاعدہ ہاتھ آ گیا کہ جو چیز چار پانی کے نیچے پڑی ہوئی ہوتی ہے مریض اسی کو کھا کر بیمار ہو جاتا ہے بڑے حکیم نے تو رحلت فرمائی اب چھوٹے حکیم جی کا دور دورہ ہوا ایک مریض کی شامت آئی ان کو بلایا اس کو دیکھنے گئے نبض دیکھی چار پانی کے نیچے جھانکے وہاں نمہ پڑا ہوا تھا کہنے لگے کہ ہم کو معلوم ہو گیا کہ تمہاری جو یہ حالت ہے اس کا ایک خاص سبب ہے وہ یہ کہ تم نے نمہ کھایا ہی سب لوگ ہنس پڑے کہ نمہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے اور حکیم جی کو نکلوا دیا سچ ہے نیم ملاً خطرہ ایمان نیم حکیم خطرہ جان۔ پس ایسے ہی ہماری معترضین ہیں کہ جب سنا کہ شریعت نے ترک اسباب سے منع کیا ہی علم تو تھا نہیں تمام اسباب کو اس میں داخل کر کے متوکلیں اور تارکین اسباب پر ایک اعتراض جرطو دیا خوب سمجھ لو کہ اسباب کی تین قسمیں ہیں اسباب قطعہ ظنیہ و ہمییہ سبب قطعہ کسی شے کا تو وہ ہے کہ عادت وہ اس شے کا موقوف علیہ ہے اگر وہ سب نہ ہو تو اس شے کا تحقیق بھی نہو جیسے کھانا کھانا پیٹ بھرنے کے لئے پانی پینا سیرابی کے واسطے سو رہنا آرام کے واسطے ان اسباب کو چھوڑنا تو حرام ہے اگر کوئی چھوڑ دے اور اسی میں مر رہے تو حرام موت مرے گا حتیٰ کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اہل توکل بھی خلوت میں ایسی جگہ نہ بیٹھے جہاں کسی کا نہ گذر ہو اور نہ کسی کو اس کے حال کی اطلاع ہو دوسرے اسباب و ہمییہ ہیں وہ یہ ہیں کہ مسدب کے

ان پر مرتب ہونے کا بہت بعید احتمال ہو جیسے کوئی خیالات پکاوے کہ میں تحصیلدار ہو جاؤں گا پھر ڈپٹی کلکٹر ہوں گا بہت سی میری اولاد ہو جائیگی جب زیادہ مال ہو گا تمام ضلع منظر نگار کو خریدوں گا غرض جہاں جہاں تک ذہن پہنچایا اسی طرح تجارت میں بعید بعید صورتیں سوچے اور ان کے اسباب میں مشغول ہو ایسے اسباب وہمیہ واجب الترتیب ہیں اس کو دنیا کے اندر رکھپ جانا کہتے ہیں۔ تیسرے اسباب ظنیہ میں کہ مسبب ان پر غالباً مرتب ہو جاتا ہے اور کبھی بلا ان اسباب کے بھی وہ مسبب حاصل ہو جاتا ہے جیسے تجارت سے۔ ضرورت کے موافق روپیہ ملنا زراعت سے غلہ حاصل ہونا کہ مسبب ان پر اکثر تو مرتب ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا اور کبھی بلا ان اسباب کے بھی مسبب حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو لوگ ان اسباب میں مشغول نہیں ہیں ان کو بھی یہ چیزیں ملتی ہیں پس ان اسباب ظنیہ کے ترک کو اصطلاح میں توکل کہتے ہیں اور اس میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے جائز نہیں اور قوی النفس کے لئے جائز بلکہ مستحسن و مستحب ہے لیکن اس نیت سے توکل جائز نہیں کہ یہ بھی ایک طریق ہے روپیہ ملنے کا جیسے ایک شخص کی حکایت ہے کہ مولوی صاحب سے وعظ میں سن لیا کہ جو خدا تعالیٰ پر توکل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور رزق پہنچاتے ہیں اور یہ بھی اُس نے سنا تھا کہ ایسی جگہ بیٹھنا جائز نہیں جہاں کسی کا گزر نہ ہو جنگل میں جا کر ایک کنوے کے قریب آپ جا بیٹھے اور منتظر رہے کہ اب میرے واسطے خوان لگ کر آوے گا چنانچہ دو تین روز گزر گئے اتفاق سے ادھر سے کسی کا گزر بھی نہ ہوا کئی روز کے بعد ایک مسافر آیا سمجھا کہ مجھے بھی کچھ دیکھا اُس مسافر نے اُس کی طرف تو پشت کی اور (حسب عادت) راستہ کی طرف منہ کیا کہ آتے جاتے کو دیکھیں گے اور روٹی کھا کر چلا گیا اس کی اُس کو

بھی نہ ہوئی اسی طرح ایک اور آیا وہ بھی اسی طرح بیٹھ کر اور کھا کر چلا گیا
اُس نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو بڑی رسم نکلی ہے تیسرا آیا تو آپ فرماتے
ہیں اھون اھون (صورت ہے جو حکایت ہے کھنکارنے کی) اُس نے
جو مڑ کر دیکھا کہ ایک آدمی فاقہ سے ضعیف نحیف ہو کر پڑا ہے اُس کو
رحم آیا اُس نے بلا کر اُس کو روٹی کھلائی خوش خوش مولوی صاحب
کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب تو کل برحق مگر آپ نے تعلیم
میں کسر رکھی اتنی بات رکھ لی یہ نہ کہا کہ کھنکارنا بھی پڑتا ہے۔ تو بعض
آدمی ہاتھ پاؤں توڑ کر اس لئے بھی بیٹھ جاتے ہیں کہ میاں بے فکری سے
کھانے کو ملے گا چین سے رہیں گے کچھ کرنا نہ پڑیگا تو کوئی قابل قدر نہیں
خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی اس کی کوئی قدر نہیں کمال نہیں حضرت سلطان
ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حکایت لکھی ہے کہ جب بلخ کی
سلطنت چھوڑ کر نکلے ہیں تو اول ہی دن ایک جنگل میں پہنچے وہاں شام
ہو گئی ایک مقام پر لیٹ رہے بھوکے پیاسے تھے اور قریب ہی ایک
اور درویش بھی رہتا تھا شب کے وقت اُن کے واسطے غیب سے ایک
خوان آیا کہ کھانوں کی خوشبو سے تمام جنگل مہک اُٹھا اور اُس درویش
کے واسطے دو روٹی جو کی آیا کرتی تھیں حسب معمول وہی آئی وہ درویش یہ
دیکھ کر جل گیا اور حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ مجھے تو یہاں پڑے
ہوئے اتنے سال ہو گئے میرے واسطے تو یہی جو کی روٹی ہے آج تک ترقی
نہوئی اور یہ آج ہی آیا اس کے واسطے ایسے کھانے بھیجے ہاتھ کے ذریعہ
سے ندا آئی کہ یاد کر تو کون تھا اور اس کو دیکھ یہ کون ہے تو ایک گھس کھدا
تھا اس قابل بھی نہ تھا پہلے صبح سے شام تک مصیبت بھرتا تھا ایسے مشقت
اُس سے زیادہ ملتا ہے غنیمت نہیں سمجھتا اگر پسند نہیں فلاں درخت کے
نیچے تیرا کھڑا جالی رکھا ہے نکل اور گھاس کھو دنا شروع کر عرض تو کل

میں تو نے کون کہاں کیا کہاں تو اس شخص کا ہے کہ سلطنت اور حشم خدم کو ہمارے واسطے اس نے چھوڑ دیا بہر حال اگر تجھ کو سیدھی ہی طرح کھانا ہی کھا ورنہ کھر پہ جالی تیرا کھا ہے جا اور سنبھال سٹکر لڑ گیا اور بہت توبہ استغفار کی پس روٹیوں کے واسطے گوشہ اختیار کرنا تو کُل نہیں شیخ شیرازی فرماتے ہیں سے

نان از برائے کنج عبادت گرفته اند صاحبِ دلان نہ کنج عبادت برائے نان

(روٹی اہل اللہ نے گوشہ عبادت کے لئے ہی ہو نہ گوشہ عبادت روٹی کے لئے پکڑا ہے ۱۲)

یعنی روٹی اس واسطے لیتے ہیں کہ اللہ اللہ کریں نہ کہ اللہ اللہ اس لئے کریں کہ روٹی ملے یہ تدارع اور مکاری ہے کہ جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں سے

گہہ گہے آہے دروغ میزنی از برائے مسکہ دوغ میزنی
خلق را گیرم کہ بفریبی تمام در غلط اندازی تاہر خاص و عام
کار با با خلق آری جملہ راست با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کار با اور راست باید داشتن راہیت اخلاص و صدق افراشتن

دو کبھی کبھی جھوٹی آہ کھینچتا ہے گویا مکھن حاصل کرنے کے لئے چھا چھو بلوتا ہے۔ میں نے فرض کیا اگر تو نے ساری مخلوق کو دھوکہ دے ہی دیا مگر خدا تعالیٰ کو کہاں دھوکہ دے سکتا ہے مخلوق کے ساتھ تیرے سب کام درست ہیں خداوند تعالیٰ کے ساتھ مکر و حیلہ کب جائز ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ سب کام درست رکھنا چاہئیں اور اخلاص اور سچائی کا علم بلند

کرنا چاہئے ۱۲)

خلاصہ یہ ہے کہ جس ترک اسباب کی شریعت میں ممانعت ہو وہ اسباب قطعہ ہیں ان کا چھوڑنا حرام ہے اور اسباب وہمیه کا ترک خود مامور بہ ہے اور اسباب ظنیه میں یہ تفصیل ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ اور یہ سب تفصیل مسببات دنیویہ کے متعلق ہے اور جو مسببات دینیہ ہیں چونکہ وہ مطلقاً

محمود و مطلوب ہیں ان کے اسباب ہر درجے میں محمود ہوں گے بشرطیکہ کسی ضروری امر میں خلل نہ ہو پس اتفاق جو ایک شے ہے اس کے لئے بھی کوئی سبب ضرور ہے اور چونکہ وہ محمود ہے اس کے اسباب بھی قابل اہتمام ہوں گے سو اس سبب کی ہمارے عقلا نے تحقیق نہیں کی بلکہ جو اس کے اسباب نہیں ہیں ان کو سبب قرار دیا اسی لئے اتفاق متحقق نہیں ہوتا پس یہ امر مجتہد فیہ اور قابل تفحص ہوا کہ سبب اتفاق کا کیا ہے تاکہ اس کو اختیار کرنے سے اتفاق پیدا ہو سو اس کی تفحص میں ہم کو بفضلہ تعالیٰ در یوزہ گری کیفیت نہیں ہمارے پاس تو قرآن ہے اس میں اس کے متعلق ارشاد ہوا الَّذِي

أَيْدَاكَ بِبَصَرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَاللَّفْتُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
یعنی خدا تعالیٰ کی وہ شان ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس نے اپنی ماہر اور مومنین کے ساتھ آپ کو قوت دی اور ان کے دلوں میں باہم اُلفت ڈال دی اگر آپ روئے زمین کا تمام مال خرچ کرتے تو آپ ان کے قلوب میں اُلفت نہ ڈال سکتے لیکن اللہ ہی نے ان کے درمیان اُلفت ڈال دی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ دیکھئے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مدبر عاقل حکیم دور اندیش ہوں کہ جن کی عقل کے قابل ہونے پر تمام جہان کا اتفاق اور تدبیر یہ کہ تمام روئے زمین کے خزانے اتفاق کے لئے خرچ کریں اور نتیجہ کیا ہو گا اَلْفَتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (آپ ان کے دلوں میں باہم اُلفت نہ ڈال سکتے) اس سے کیا پتہ لگتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسباب ظاہرہ جیسے کوئی فنڈ اسلامی بنانا لکچر دینا۔ رسالوں میں مضامین اتفاق کے شائع کرنا اس سے اتفاق پیدا نہیں ہوتا وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ (لیکن اللہ ہی نے ان کے درمیان اُلفت ڈال دی) سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہر اتفاق کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دلوں میں اُلفت

پیدا کر دیتے ہیں۔ آپ مجھ کو چاہیں میں آپ کو چاہوں ہر ایک دوسرے کے نزدیک محبوب ہو۔ اب یہ بات رہی کہ وہ اُلفت اور محبت خدا تعالیٰ سے پیدا کر دیتے ہیں اس کا سبب کیا ہے۔ یہ بھی حق تعالیٰ ہی سے پوچھو۔ چنانچہ اس محبت پیدا کرنے کے واسطے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے جو میں نے اول تلاوت کی ہے اور تبرگاً و تذکیراً پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ ذُرِّيَّةً لِيَعْنِي إِيْمَانٌ أَوْ عَمَلٌ صَالِحٌ سے حق تعالیٰ ان لوگوں کی محبت بمعنی محبوبیت پیدا کر دیتے ہیں اب اہل علم کی سمجھ میں آیا ہوگا کہ میں نے وُد کو مصدر بنی للمفعول مجہول کیوں لیا۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عمل صالح کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہے کہ اس کے اختیار کرنے والے قلوب میں محبوب ہو جاتے ہیں۔ پس جبکہ ایک جماعت کی جماعت ایمان اور عمل صالح اختیار کریں گے تو ان میں ایسا اتفاق پیدا ہوگا کہ کبھی نہ جائے گا لَا يَذَّالُ وَلَا يَمَيِّزُ (نہ زائل کیا جائے گا نہ زائل ہوگا) ہو جائے گا پس اصلی سبب اتفاق کا ایمان اور عمل صالح ٹھہرا۔ اب فرمائیے کہ دنیا میں کتنے عاقل ہیں جنہوں نے یہ راز سمجھا ہو۔ ہاں اتفاق اتفاق سب گاتے ہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اتفاق کا نام بھی نہ لو نگر ایمان اور عمل صالح اختیار کر لیجئے اتفاق آپ کی لونڈی ہے دست بستہ وہ آپ کے سامنے آکر کھڑی ہو جائے گی آپ کو اس کی ضرورت نہیں کہ آپ لکچر دیں یا مضمون لکھیں اور پھر اتفاق بھی ایسا ہوگا کہ مرنے تک اور مرنے کے بعد جنت میں بھی نہ جائے گا اور دعوے سے کہا جاتا ہے کہ یہ بھی ہے وہ محبت جو قائم رہنے والی ہے باقی محبتیں سب زائل ہونے والے ہیں۔ میں اس کا نمونہ دکھلاتا ہوں۔ دیکھئے پیر سے جو محبت ہوتی ہے وہ کیسی ہوتی ہے کہ کبھی نہیں جاتی اگر کسی امر سے محبت ہو گئی ہے تو وہ جب

ہی تک ہے جب تک اُس کے چہرے پر ڈاڑھی نہ آ جاوے یا جھریاں نہ
پڑیں سے

ایں از عشق است آنکہ در مردا بود ایں فساد از خوردن گندم بود
عشق با مردہ نباشد پاندار عشق را با حی و قیوم دار
عشق ہائے کز پیے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے نبود

گندم کے فساد کو لوگوں میں جو عشق ہے وہ عشق نہیں مردہ کے ساتھ عشق کو پانداری نہیں عشق
حق تعالیٰ کا جو حی و قیوم ہیں اختیار کرو جو عشق رنگ و روپ پر ہوتا ہے آخر کار ننگ و افسوس
ہوتا ہے اس لئے خدائے حی و قیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی رہے گا۔

عاشقی با مردگاں پائندہ نیست زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

یہ شخص جو مردوں میں ہے گندم کھانے کے فساد سے جو مردہ کے ساتھ عشق کو پانداری نہیں ہے

اور پیر کے ساتھ جو عشق ہے اس کی کیفیت سنئے کہ پیر صاحب پر تو روز بروز
بڑھا پاتا جاتا ہے اور ان کا ان پر عشق بڑھتا جاتا ہے سے

خود قوی ترے شود خمر کہن خاصہ آل خمرے کہ باشد من لک

دہرائی شراب میں خود تیزی بڑھتی ہے خاص کر وہ شراب جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوئی

آخر پیر میں کیا شے ہے کہ اس سے ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ اگر وہ جان بھی

مانگے اس سے بھی انکار نہیں۔ اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب وہی

ایمان اور عمل صالح ہے چونکہ اس ایمان اور عمل صالح سے یہ اعتقاد ہو کہ

یہ حق تعالیٰ کا مقرب ہے اس لئے طبعاً اس کی محبت ہوتی ہے حتیٰ کہ

بعض اوقات پیر اس سے ناخوش بھی ہوتا ہے مارتا بھی ہو کبھی کبھی نکال

بھی دیتا ہے اور طرح طرح کی خدمتیں لیتا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ

بچھے جاتے ہیں مرے جاتے ہیں۔ یہ نمونہ آنکھوں سے دیکھ لیجئے اب موجود ہے

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک مرید بیان کرتے تھے کہ

حضرت ایک مرتبہ حرم میں تشریف رکھتے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ

دوسرے کو مار رہا ہے۔ ہم لوگ سمجھتے تھے یہ کوئی نوکر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ پیر مرید ہیں اور فرمایا دیکھو پیر ایسے ہوتے ہیں۔ کبھی ہم نے بھی تم لوگوں کو مارا ہے واقعی حضرت کو اس قدر رحمت اور شفقت تھی کہ کہیں نہ دیکھی نہ سنی ہے

ہم نے اُلفت کی نگاہیں کھیں جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم میں نے حضرت کو دیکھا ہے کہ اپنے مریدوں کے ساتھ وہ برتاؤ فرماتے تھے جیسا کہ لوگ اپنے پیروں کے ساتھ کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سی فیض زیادہ ہوا خیر یہ تو حضرت کی خاص حالت تھی مگر مقصود اس وقت مجکو ان حضرت پیر کے قصہ سے استدلال کرنا ہے کہ وہ مرید بڑی خوشی سے پٹ رہا تھا جو بدون محبت کامل کے اپنے اختیار سے کوئی انسان اسکو گوارا نہیں کر سکتا اور اس محبت کا نشانہ صرف یہی امر ہے کہ اس کو اللہ والا و بلفظ دیگر کامل لایمان کامل العمل سمجھتے ہیں حضرت فرماتے تھے کہ ایک مولوی صاحب فرماتے تھے کہ خدا جانے یہ فقیر کیا گھول کر پلا دیتی ہیں ہم طالب علموں کو کھلاتے ہیں پہناتے ہیں سبق پڑھاتے ہیں کتاب اپنی پاس سے دیتی ہیں ان کے تمام ناز و نخرے اٹھاتے ہیں اور جب پڑھ لکھ کر چلے جاتے ہیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور ان فقیروں کے پاس جو آتا ہر منہ سے بولتے تاک نہیں وہ خانقاہ میں پڑے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہے کبھی شاہ صاحب ہنس پڑے تو عید آگئی جیسے کسی عورت کو اس کا خاوند منہ نہ لگاتا تھا۔ ایک روز اس نے گاجر کھا کر پیندی عورت کے مار دی تو اس نے اپنی ماں کو کسی کے ہاتھ کھلا کر بھیجا کہ کھانی تھی گاجر ماری تھی پیندی آتاں سے کہنا کہ کچھ کچھ سہاگ بہوڑا ہے (آیا ہے) ایسے ہی یہ مرید صاحب بھی پیر صاحب کے منہ سے بھولے نہیں سماتے برسوں کے بعد اگر کچھ بتلا دیا تو بہت ہی خوش ہیں حالانکہ پیر صاحب پر کون سی محنت پڑنی ذرا زبان ہلا دی۔ ساری محنت مرید ہی کرتا ہی پھر حالت

یہ ہے کہ نہ اس کے کھانے کی خبر نہ پینے کی خبر اور خدمتیں کرو وہ علیحدہ اور اگر
 پیر صاحب کے یہاں بھینس بھی ہے تو سانی کرو چارہ لاؤ بھینس کو چسراؤ
 دودھ نکالو اور جب چاہیں بھینس کی وجہ سے مرید کو نکال دیں جب چاہیں
 مار لیں مگر وہ ہے کہ ملتا ہی نہیں زندگی تک تو یہ حال رہتا ہی اور جب
 پیر صاحب مر گئے بیوی بچوں کو چھوڑا ان کی قبر کا مجاور ہو گیا غرض خدا جانے
 کیا پلا دیتے ہیں کہ سریش ہو کر لپٹ جاتا ہے۔ حضرت ان کے پاس ایک
 مقناطیس ہے وہ اس سے جذب کرتے ہیں وہ کیا ہے وہی خرافاتعالیٰ
 کی اطاعت شیخ شیرازی فرماتے ہیں سے

تو ہم گردن از حکم داور میچ کہ گردن نہ پیچد حکم تو ہیچ

(تو بھی حق تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر کہ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ پھیرے ۱۷۶)

مولانا رومی فرماتے ہیں سے

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور اس نے تقویٰ اختیار کیا تو اس سے جن و انسان اور

جو چیز اس کو دیکھتی ہے ڈرتی ہے)

یہ خوف اور محبت کا جمع ہونا بھی نہایت عجیب و غریب ہے۔ دیکھئے اس
 قسم کے نمونے موجود ہیں کہ مدار محبوبیت کا ایمان اور عمل صالح ہی ہے۔
 اب مجھے اپنے اس دعوے پر دلائل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جبکہ میں
 مشاہدہ کر رہا ہوں تو دلیل کی اب کیا ضرورت رہی۔ مگر تبرعاً اس کی وجہ
 بھی بتاتا ہوں کہ ایمان و عمل صالح کی وجہ سے محبت کیوں ہوتی ہی اہل
 وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت ہی یہ رکھ دی ہے جیسے
 بعض دوائیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں ایسے ہی یہ بھی ہے لیکن یہ زمانہ
 ہے تحقیقات کا اس لئے اس پر اکتفا نہ کیا جاویگا اس لئے میں اس کی
 دو وجہ بیان کرتا ہوں ایک تو راز ظاہری اور ایک باطنی۔ باطنی کو

اول بیان کرتا ہوں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے تو حق تعالیٰ اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جبریل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ میں پکار دو کہ فلاں بندہ سے ہم کو محبت ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پھر حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی پکار دو اگر کوئی کہے کہ ہم کو کسی کی نسبت بھی اعلان نہیں۔ سنئے بات یہ ہے کہ فرشتوں کا اعلان قلوب میں ہوتا ہے اور وہ یہی کہ اس کی محبت قلوب میں پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ زمین میں یہ اعلان کیا جاتا ہے فَيُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ (پس رکھ دیا جاتا ہے اس کے لئے مقبولیت زمین میں) پس وہ سب کی نظروں میں مقبول ہوتا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استشہاد میں یہ آیت پڑھی إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ دَرَجًاۃً (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دیں گے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت پڑھنا صریح دال ہے اس پر کہ وَوَجِبَ یہاں پر مصدر مبنی للمفعول ہے اور میرا اس مضمون کو اس آیت سے استنباط کرنا صحیح ہے دوسرا راز باطنی یہ ہے کہ محل محبت کا قلب ہے اور قلوب حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جب وہ قلوب میں کسی کی محبت پیدا کرنا چاہیں گے بالاضطرار اس کے سامنے جھک جانا ہی پڑے گا۔ اس کے سامنے پھر کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ ٹیڑھا چلے۔ ایک مقام پر ایک بزرگ سے کوئی شخص اُلجھا دونوں طرف خشک خشک جواب ہوئے ان بزرگ کے پاس سے وہ شخص پچاس قدم بھی نہ گیا ہوگا کہ دل میں ایک چوٹ سی لگی اور قدم آگے نہ بڑھا اور واپس آکر ہاتھ جوڑے کہ خدا کے واسطے میرا قصور معاف کر دو۔ اور یہ کہا کہ خدا جانے مجھ کو کیا ہو گیا کہ میں قدم آگے بڑھاتا تھا اور پیچھے کو ہٹتا تھا وہ بات کیا تھی یہ نہیں کہ اُن بزرگ نے کچھ تصرف کیا ہو بلکہ اس پر ایک سرکاری

پیادہ مسلط ہو گیا اور کشاں کشاں اس کو پکڑ لایا بغرض ان بزرگ نے جب
 قصور معاف کیا اُس وقت وہ گیا اس سے معلوم ہوا کہ قلب میں کوئی بات
 خدا تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں غرض راز باطنی تو اس کا یہ ہی اور راز ظاہری
 یہ ہے کہ محبت کے تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ نوال۔ کمال۔ جمال۔ کبھی نوال
 یعنی عطا و احسان سبب محبت کا ہوتا ہے۔ چنانچہ محسن سے اسی بنا پر
 محبت ہوتی ہو اور عطا ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی خطا معاف کر دی
 جاوے یا کسی کا کام کر دیا جاوے۔ کسی کی بیہودگی پر درگزر کی جاوے۔
 کبھی کمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے خواہ علمی ہو یا عملی یا اخلاقی مثلاً اہل علم
 سے محبت اسی واسطے ہوتی ہے کہ ان میں کمال علم ہے اگرچہ اس کے علم
 سے اپنے کو بھی نفع نہ ہو اور جیسے حاتم کی سخاوت سن کر اس کی طرف ایک
 میدان ہوتا ہے اور جیسے رستم سے اسی واسطے محبت ہے کہ اس میں شجاعت
 کا کمال ہے۔ مجھ کو یاد ہے کہ بچپن میں اردو شاہنامہ دیکھا کرتا تھا جب
 کسی لڑائی کا قصہ آتا تو جی سے تمنا ہوتی تھی کہ خدا کرے یہ لکھا ہو کہ رستم
 جیت گیا۔ حالانکہ اگر وہ جیت گیا یا ہار جاوے تو ہم کو کیا نفع ہو مگر اُس کے
 کمال کی وجہ سے کان اس بات کو نہیں سن سکتے تھے کہ ہار گیا۔ تو اس کی
 وجہ یہی ہے کہ اس کے اندر شجاعت کا کمال تھا۔ اس زمانہ میں جو بہت
 سے واقعات لڑائی کے ہوئے تو مسلمانوں کے غلبہ کو سن کر مسلمانوں کا دل
 تو خوش ہوتا ہی تھا مگر بہت سے ہنود کو بھی دیکھا کہ وہ ان کے غلبہ کو
 سن کر خوش ہوتے تھے۔ اس کا سبب بھی وہ ہی محبت ہے ترکوں سے
 بسبب ان کے کمال شجاعت کے اور اس کے علاوہ ایک سبب ترکوں سے
 محبت کا ان کی منطوقیت بھی تھی کہ یہ بھی کمال میں داخل ہی اس لئے کمال
 یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے اور جب اس پر ظلم ہو تو مستقل رہے۔ تیسرا سبب
 محبت کا جمال ہوتا ہے جیسے کوئی حسین جمیل ہے اُس سے بالطبع محبت

ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گورے چٹے کو جمیل نہیں کہتے یہ تو پوست پرستوں کا مذہب ہے کہ ان کے یہاں محبت جمال صورت ہی سے ہے۔ عقلا کے نزدیک اصلی جمال یہ ہے کہ اخلاق تناسب و اعتدال ہو اور اسی سے کشش ہوتی ہے قلوب کو اگر اس کے ساتھ صورت بھی کچھ اچھی ہو تو بہت ہی کچھ کشش ہوتی ہے یہ ہیں طبعی اسباب محبت کے اب دیکھئے مطیعانِ شریعت میں یہ امور کس درجہ کے ہوتے ہیں کیونکہ خود تعلیم شریعت ہی ان کی جامع ہے چنانچہ نوال کی تو یہ کیفیت ہے کہ ایثار۔ جود۔ کرم۔ عطا انسان ہی کے ساتھ نہیں بلکہ جانوروں تک کے ساتھ کرنے کا حکم فرمایا ہے جو ہمدردی شریعت نے تعلیم کی ہے کیا کوئی اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اس پر ممکن ہو کہ کوئی ایسا شخص جو سانپ وغیرہ کو بھی نہیں مارتا یہ کہے کہ شریعت نے تو موذی جانوروں کے مارنے کا حکم دیا ہے یہ کیا ہمدردی ہے اور ہم تو موذی جانوروں کو بھی نہیں ستاتے۔ صاحبو! ہر شے کا ایک مصرف ہو رحم اور ہمدردی کا بھی موقع ہے اگر اس موقع پر کی جائے گی تو مارح کے قابل ہوگی ورنہ ہمدردی نہوگی دیکھو پیار محبت بہت اچھی شے ہو مگر کس کے ساتھ اپنے بچوں کے ساتھ بیوی کے ساتھ اگر کوئی بیہودہ معمول کر لے کہ جب گھر آیا کرے اماں جان کو پیار کیا کرے تو اس کو سب مسخرہ اور بیوقوف اور بے ادب کہیں گے۔ اسی طرح مثلاً باپ کو بر خوردار نور چشم کہنے لگے تو معیوب ہوگا۔ غرض ہر شے کے اندر اعتدال ہونا چاہئے ورنہ پھر وہ اپنی حد سے نکل کر اپنی ضد میں جا پہنچتی ہے بقول اہل تحقیق **الشئی اذا**
خارج عن حدِّه لحق نصیْدٌ (جبکہ کوئی چیز اپنی حد سے نکل جاتی ہے تو اپنی ضد میں جا پہنچتی ہے)
 مثلاً ترجمہ ہی ہے اس میں اگر اعتدال نہ ہو مثلاً چوہوں کو نہیں مارا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے آدمیوں کو مارا کیونکہ وہ آدمیوں کو تکلیف

دیں گے کیا اچھا رحم ہو کہ جو ہوں پر تو رحم کیا اور اپنی بنی نوع کا نقصان کیا۔ اسلام نے اخلاق کی تعدیل کی ہے۔ یہ تو نوال میں گفتگو تھی۔ اب کمال کو لیجئے۔ بڑا کمال علم ہے شریعت میں اس کے حاصل کرنے کی بہت ہی تاکید ہے۔ سخاوت اور شجاعت بھی کمال ہیں شریعت نے ان دونوں کا بھی ایسا اہتمام کیا ہے کہ کوئی اس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا۔ اب رہ گیا جمال تو اس کا مدار ہے اخلاق پر اس لئے کہ اخلاق جمیلہ میں جو کشش ہے حسن صورت میں اس قدر نہیں ہے اگر کسی میں اخلاق جمیل ہوں اگرچہ ترکیب اعضاء کے قاعدے سے عرفا وہ حسین نہ ہو مگر اس کے اندر ایک دلربائی چہرہ پر حلاوت اور نور ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے حسینوں میں وہ بات نہیں ہوتی۔ بازاری عورتیں اپنے کو بہت بناتی ہیں مگر چونکہ اخلاق ذمیرہ ان کے اندر ہوتے ہیں اس لئے چہرہ پر کھٹکا بستی ہے بھولا پن نہیں ہوتا۔ بخلاف عقیف عورتوں کے کہ کسی ہی میلی کچیلی کالی کولی ہوں مگر ان کے اوپر ایک نور اور کشش ہوتی ہے سوا اعمال صالحہ میں یہ خاصیت بھی ہے کہ جمال بڑھ جاتا ہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سَيَمَاهِبَةٌ فِي دُجُوْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ (ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں میں نمایاں ہیں) مولانا فرماتے ہیں

نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک ہیں باشی اگر اہل ولی

(انوار الہی ولی میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اگر تو اہل دل ہو تو اس کا ادراک کر سکتا ہے ۱۷)

کسی نے خوب ترجمہ کیا ہے

مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہی پیشانی شعور

اور اگر کسی کا ذہن اتنا عمیق نہ ہو اور غایت بلا ہتہ سے وہ حسن متعارف ہی میں جمال کو منحصر سمجھتا ہو تب بھی ظاہر ہے کہ محبوبیت کاملہ کے لئے اس کا مدار ہونا مشروط ہوگا اس حسین صورت کے حسین السیرت ہونے پر جس سے

پھر اصل مداریتہ ایمان و عمل صالح ہی کے لئے ثابت رہی ورنہ اگر اسکی سیرت اچھی نہ ہوتی تو بعض کو اس سے محبت ہی نہ ہوگی اور اگر کسی کو ہوگی کامل نہ ہوگی یعنی ضعیف ہوگی یا جلدی زائل ہو جاوے گی یعنی جب یہ حسن جاتا رہے گا تو محبوبیت بھی جاتی رہے گی اور حسن سیرت پر جو محبوبیت ہوگی وہ مدت العمر باقی رہے گی علاوہ اس کے اگر اس سے بھی قطع نظر کی جاوے تب بھی محبوبیت کے لئے مجموعہ اسباب کا جمع ہونا ضروری نہیں اگر مومن عاقل صالحات میں جمال بھی نہ ہو تب بھی دوسرے اسباب تو قوت کیساتھ موجود ہیں وہ بھی محبوبیت کے لئے کافی ہیں اور اگر کسی کافر میں محبوبیت پائی جاوے تو اگر وہ اخلاق اسلامی میں سے کسی خلق کے پائے جانے سے ہے تب تو اس کا سبب وہی عمل صالح ٹھیرا جاتی یہ بات کہ پھر مومن کی کیا تخصیص ہوتی اس کی تحقیق یہ ہے کہ وہ خلق بھی غیر مومن میں اس کمال کے ساتھ ہرگز نہ پایا جاوے گا جیسا مومن میں کیونکہ مومن میں اس کا مقتضی مضبوط ہوگا یعنی ابتغاء مرضات حق (رضیات الہی کو چاہنا) جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا بخلاف کافر کے کہ اس کا جو منشا ہوگا وہ متبدل ہوگا اور اس کے تبدل سے وہ خلق متبدل ہو سکتا ہے پس کمال محبوبیت مومن ہی میں رہی اور اگر اخلاق کے علاوہ اور کوئی امر ہے جیسے حسن صورت وغیرہ تو وہ عام محبوبیت کا سبب نہ ہوگا چنانچہ مسلم و مشہور ہے معشوق من است آنکہ بہ نزدیک تو زشت ست (وہ میرا معشوق ہے جو تیرے نزدیک بڑا ہی بخلاف اسباب تعلیم فرمودہ شریعت کے کہ اس میں یہ اثر عام ہی البتہ جس کے مارکات ہی ٹھیک نہ رہے ہوں یا اس کی کوئی غرض فوت ہوتی ہو اس کا اعتبار ہی نہیں یہ مضمون آئندہ مقصوداً بھی آتا ہے اور لیجئے ایک سبب محبت کا خوش معاملگی و خوبی معاشرت ہے جو مفہوم کلی کمال میں داخل ہو سکتی ہے شریعت نے اس کی یہاں تک تعلیم کی ہے کہ دور دور تک کے

احتمالات تک پر نظر فرمائی ہے کہ کسی کے ہاں میں بلا اجازت متصرف نہ کرو کسی کے خلوت خانہ میں بلا اجازت نہ جاؤ اگر جاؤ تو اجازت لیکر جاؤ اور اس کا طریقہ کیسا اچھا تعلیم فرمایا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر کہو کہ السلام علیکم اَدْخُلْ یعنی میں آؤں تین بار کہنے پر اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے آؤ کو اڑ مت کھٹ کھٹاؤ ممکن ہے کہ اس وقت ملنے سے کچھ عذر ہو سوتا ہو یا جی نہ چاہتا ہو اس کو معذور سمجھ کر واپس چلے آؤ اور اگر اندر سے یہ کہہ دیا جاوے کہ اس وقت واپس جاؤ تو واپس چلے آؤ بر امت مانو چنانچہ ارشاد ہے هُوَ اَذْكِي لَكُمْ کہ یہ زیادہ صفائی کی بات ہے شاہ عبدالقادر صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی اس میں ملاقات صاف رہتی ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے وہ عوالی میں رہتے تھے بعض عوالی کئی کئی میل کے فاصلہ پر تھے اور السلام علیکم انا اَدْخُلْ (میں آؤں) تین بار فرمایا جب تینوں مرتبہ جواب نہ آیا تو آپ واپس تشریف لے جانے لگے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے کہ یا رسول اللہ آپ کہاں چلے فرمایا کہ تین مرتبہ کے بعد انتظار کرنا نہ چاہئے سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تو برابر سنتا رہا مگر اس لئے نہیں بولا کہ اچھا ہے یہ دعائیہ کلمات جو اس زبان مبارک سے نکل رہے ہیں جتنے مل جائیں غنیمت ہیں افسوس ہے کہ آجکل بجائے السلام علیکم کے جو تمام دعاؤں اور ادب کو جامع ہی آداب کو نشانات نکلا ہے آداب کے معنی تو میرے نزدیک یہ ہیں کہ آ پاؤں داب یہ ادب ہوا کہ دوسرے کو حکم پاؤں دابنے کا کر رہے ہیں بعض لوگ بندگی کرتے ہیں۔ میں جب کانپور اول اول گیا تو وہاں مسلمانوں میں بھی اس لفظ بندگی کا رواج دیکھا ہے اب جو کوئی مجھ سے ملنے آتا ہی تو وہ بندگی کہتا ہے مجھے غصہ آیا کہا کہ میں کیا ہندو ہوں جو بندگی مجھ کو

کہتے ہیں وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہاں کا رواج ہی یہ ہے۔ یا درکھویہ سب خرافات ہیں السلام علیکم سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے تمام دُعاؤں کو جامع ہے لیکن خدا تعالیٰ کو ان لوگوں کو اس کی برکات سے محروم کرنا ہے اس لئے ان کو توفیق ہی اس کی نہیں ہوتی غرض حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر لائے دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود اپنے اوپر اس قانون کو جاری کیا اور پھر کمال اخلاق یہ ہے کہ شکایت حکایت نہیں یہاں تو کوئی ادنیٰ آدمی بھی ہو تو کہنے لگتا ہے کہ تم بڑے مغرور ہو ہم پکارتے چلاتے رہے سنا ہی نہیں۔ اور اس باب میں شرع نے یہاں تک رعایت کی ہے کہ ارشاد ہوا لَا يَتَنَاجَى اِثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ یعنی اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آپس میں سرگوشی نہ کریں اس لئے کہ اس کا دل دکھے گا کہ بس میں ہی غیر تھا مجھ سے چھپانا منظور تھا کہاں ہیں تمدن کے مدعی میں بقسم کہتا ہوں کہ شریعت نے تمدن کی اس قدر رعایت کی ہے کہ اتنی کوئی کرتا تو کیا اس کے دقائق اور اس کے علل سمجھنے کے لئے بھی بڑے دماغ کی ضرورت ہو افسوس شریعت جیسے دلبر رعنا کو لوگ ڈائن سمجھتے ہیں اسے شریعت تو وہ محبوب ہے کہ جیسا کسی نے کہا ہے

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے فگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(سرے قدم تک جس جگہ دیکھتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوبیت کی ہو)

جس ادا کو دیکھو دل کھینچتا ہے۔ اے صاحبو! اپنے گھر کی دولت چھوڑ کر کیوں دوسروں سے پھوٹی کورٹیاں مانگتے ہو تمہاری معاشرت تمہارے کھانے پینے تمہارے اخلاق تمہاری سیاست و انتظام شریعت نے کسی بات کو بھی تو نہیں چھوڑا افسوس ہے کہ اور ہزار افسوس ہی کہ ایسی محبوبہ کو چھوڑ کر چڑھیوں پر گرتے ہو کیونکہ شریعت کے سامنے تمہاری جارید کو بالکل ہی نسبت

ہے اور طرفہ یہ کہ شریعت میں دین کی راحت تو ہے ہی دنیا کی بھی پوری آسائش ہے اور اسی طرح اس تہذیب مخترع میں دین کا تو جو کچھ بھی ضرر ہو خود دنیا کی بھی کلفتیں ہیں چنانچہ مقابلہ اور امتحان ہی کے طور پر دیکھ لو مثلاً آجکل ہمارے ترقی یافتہ بھائی آزادی کا بہت دم بھرتے ہیں اور شریعت کو قید بتلاتے ہیں ہم تو اس کا برعکس دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ مقید ہیں اور ہم آزاد ہیں ایک صاحب کانپور میں کوٹ پتلون بوٹ سوٹ سے کسے کسائے میری پاس آئے وہ بیٹھنا چاہتے تھے کرسی پر تو وہ سہولت سے بیٹھ جاتے لیکن ہم غریبوں کے پاس کرسی کہاں ہمارے لئے تو چٹائی پر بیٹھنا فخر ہے اب وہ کھڑے ہیں لیکن کھڑے کھڑے بات کیسے کریں ہاتھ میں ایک چھڑی بھی تھی چھڑی پر سہارا دیکر اور تاک لگا کر بھد سے گر پڑے مجھے بڑی ہنسی آئی بتلائیے یہ تہذیب ہے یا تعذیب یہ آزادی ہے یا قید ہے بیٹھنا تو مصیبت تھا ہی اور اٹھنا اور بھی زیادہ مصیبت ہوا اور اگر چلتے چلتے گر پڑیں تو بس وہاں ہی پڑے رہتے ہوں گے اور لیجئے اگر جنگل میں کھانے کا وقت آ جاوے تو ہم تو دانہ بھی چبا سکتے ہیں اور روٹی ہو وہ بھی آدمیوں کی طرح بیٹھ کر کھا سکتے ہیں اور ان کے لئے میز ہو کرسی ہو کاناٹا ہو چھڑی ہو جب یہ کھانا تناول فرمائیں کپڑوں میں ہماری یہ حالت ہے کہ پاجامہ نہوننگی باندھ لیں گے اچکن نہ ہو کرتہ کافی ہے عمامہ نہ ہو ٹوپی ہی سہی پھر ٹوپی بھی خواہ کسی کپڑے کی ہو بجز حدود شرعیہ کے کوئی قید نہیں اگر وہ بھی نہ ہو تو ننگے سر رہیں گے اور پھر اچکن اگر باناٹ کا ہو تو اس کی قید نہیں کہ پاجامہ کشمیرہ کا ہو لٹھے کا ہو گاڑھے گزی کا ہو کسی شے کا ہو نہوننگی بھی کفایت کرتی ہی اٹکو یہ مصیبت ہے کہ اگر پتلون کسی خاص کپڑے کا ہو تو کوٹ بھی اس کے مناسب ہو ٹیٹس بھی اس کے مناسب ہو ورنہ فیشن کے خلاف ہے کیوں صاحبو یہ آزادی تو بڑی بھاری قید ہے میں ان کی آزادی کی حقیقت عرض کرتا

ہوں کہ یہ لوگ صرف خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آزاد ہیں باقی نہ کھانے میں آزاد نہ پینے میں آزاد نہ پہننے میں آزاد ہر بات میں مقید ہیں اگر آزاد ہیں تو خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آزاد ہیں تو خاک پڑے ایسی آزادی پر اور بھارت میں جائے ایسی مطلق العنانی اور مبارک

رہے ہم کو یہ قید اگر ہم مقید ہیں تو ہماری قید کی تو حالت یہ ہے
 اسیرش نخواستہ رہائی زبند شکارش بخوید خلاص از کند
 قیدی قید سے رہائی کا خواہشمند ہیں ہونا یہ شکار حال سے خدا ہی کا طالب نہیں ہوتا۔

اور یہ وہ قید ہے

گرد و صد زخم آری بگسٹم غیر زلف آن نگار مقبلم

اگر وہ صد زخمی ہوں تو تو دل سوائے اپنے محبوب کی بندش کے یعنی سوائے

اپنے محبوب کے کسی کا ہاتھ برداشت نہیں کر سکتا۔

اور ساری ایسی قید ہے کہ اگر کسی کے بعد محبوب کسی کو بلا ہو اور وہ اپنے لطف و کرم سے اس کا ہاتھ زور سے پھٹا کر عاشق کو اپنے پاس بٹھلا لے اور اس کو چھوڑے تو اُس عاشق کی اس وقت کیا حالت ہوگی اُس کی تو نسبت میں یہ حالت تھی کہ کھارتا تھا ہے

گرچہ زور فتاوم بدین مید شرمم کہ شاید دست من مار دگر جان من گیر

اگرچہ میں زور پڑا ہوں اس امید میں خوش ہوں کہ کبھی تو میرا ہاتھ دوبارہ میرا محبوب پڑے گا

بھلا اب کیا حال ہو گا بلکہ اگر وہ محبوب یہ کہے کہ اگر تم کو زور سے ہاتھ پھرنے

میں تکلیف ہو تو تمہارا ہاتھ چھوڑ دوں تو وہ عاشق یہ کہے گا کہ میرا ہاتھ کیا

جان بھی چھوڑو اور یہ کہے گا کہ

اشوب نصیب دشمن کہ شود بدگفت نیست سر و دستاں سلامت کہ نہ خنجر آزمائی

اگر دشمن کو نصیب نہ ہو تو کبھی وہ دشمن کی سلامت نہ ہوگی اور خنجر آزمائی

• جن کو خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسرار

اور یہ آزادی بس خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آزادی ہے
 ورنہ یہ لوگ سہرا پا مقید ہیں۔ دیکھا آپ نے کہ اسلام نے ہم کو کسی آسائش کی
 معاشرت سکھائی ہے اور حقوق کی کہاں تک رعایت کی ہے اور لیجئے اسلام
 کی تعلیم ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو اور یہ جڑ ہے محبوبیت باہم و اگر کی
 چنانچہ ارشاد ہے اَلْمُسْلِمُ مِّنْ سَلَمًا مُّسْلِمُونَ مِنْ لَسَانِهِ وَ يَدِهِ مُسْلِمَان
 وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں یعنی کسی کو اس سے
 ضرر و اذیت نہ پہنچے یہ تو کلیہ ہے پھر اس کی جزئیات کی عملی اور علمی طور
 سے ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ انتہا کو پہنچا دیا ہے چنانچہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی
 بھائی مسلمان سوتا ہو اور تم کو اٹھنے اور کہیں جانے کی ضرورت ہو تو
 آہستہ سے اٹھو اور آہستہ سے جوتے پہنو آہستہ سے کواڑ کھولو اگر بات
 کرو آہستہ سے کرو یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھا دیا جیسا
 نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کَلِيمَةُ الْبَرَاءَةِ (شب برات)
 کے قصہ میں مذکور ہے وقت کم ہے ورنہ ایک ایک جزئی کے متعلق میں
 قصے بیان کر دیتا میں نے ایک کتاب آداب المعاشرت لکھی ہے اس میں
 یہ دکھلا دیا ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ دینے کی شارع نے کتنی رعایت
 کی ہے آجکل جو دیندار کہلاتے ہیں وہ دینداری کو ان چند باتوں میں
 منحصر سمجھتے ہیں کہ پانچے ٹخنے سے اوپر کر لئے ڈاڑھی بڑھالی نماز پڑھ لی
 بس دیندار ہو گئے باقی نہ اخلاق کو جزو دین سمجھتے ہیں نہ معاشرت کا
 دین سے کچھ تعلق جانتے ہیں نہ معاملات ان کے شریعت کے موافق
 ہیں کسی کو۔ تا لیا کسی کی غیبت کر لی کسی کو حقیر سمجھ لیا کسی کی آبروریزی
 کر لی اور پھر دیندار کے دیندار اس کی وہ مثال ہے جو مولانا یا اور کوئی
 مصلح فرماتے ہیں

عے ملنے کا پتہ - مکتبہ تقانوی مسافر خانہ بندر روڈ - کراچی ۷

از بروں گور کا فر پر حلال و اندرون قبر خدائے عزوجل
از بروں طعنه زنی بر بایزید و درونت ننگ می دارد دینید
(باہر سے کافر کی طرح مزین اور اندر خدائے عزوجل کا عذاب ہو رہا ہے
باہر سے تو بایزید بسطامی جیسے پر طعنه زنی کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت سے
شیطان بھی شرماتا ہے ۱۲)

ایسے دینداروں کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ بس دیندار ایسے ہی ہوتے
ہیں اور شریعت کی یہی تعلیم ہے صاحبو! یاد رکھو کہ دین نام صرف
ظاہر ہی کے درست کرنے کا نہیں گونا گوار کی اصلاح بھی دین میں مامور
ہے مگر صرف اس سے پورا دیندار نہیں ہوتا پورا دیندار وہ ہے جو
شریعت کے ہر حکم پر عمل کرے ظاہر کے متعلق بھی اور باطن کے متعلق
بھی حسین اس کو کہیں گے جو سر سے پاؤں تک حسین ہو اور اگر سب
اعضار خوبصورت ہوں اور آنکھیں پھوٹی ہوئی ہوں تو وہ حسین نہیں
ہے پس جس کے اندر ایک بات بھی دین کے خلاف ہو گو وہ ہم سے
اچھا ہے لیکن اس کو نمونہ دین کیوں سمجھتے ہو۔ اور دیکھئے شریعت
کی تعلیم ہے کہ سفارش سے بھی کسی کو تکلیف نہ دو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے بریرہؓ سے حضرت مغیثؓ کی سفارش کی جو اول ان کے شوہر تھے
اور انھوں نے خیار عتق کی بنا پر تفریق کر لی تھی ان سے نکاح کرنے
کے لئے فرمایا وہ پوچھتی ہیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں یا سفارش آپ نے
فرمایا سفارش کہنے لگیں مجھ کو منظور نہیں آپ ناخوش نہیں ہوئے اس
سے ثابت ہوا کہ سفارش وہی ہے جس میں کسی پر زور نہ ڈالا جاوے
تو اتنی تکلیف بھی کسی کو گوارا نہیں کی گئی اسی طرح دین کے اندر
صفائی کا حکم ہے دیکھئے اگر معاملات کو صاف رکھیں تو ممکن نہیں کہ
دلوں پر فرق آوے بہر حال شریعت کا جو حکم معاملہ و معاشرت و

اخلاق کے متعلق لیجئے اُس کی تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔ الحاصل جو اسباب محبت کے ہیں نوال جمال کمال شریعت نے اُن کی با بلخ وجہ (کابل طریقہ سے) تعلیم فرمائی ہے پس جو شخص شریعت پر عمل کریگا جو کہ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ دَعْوِ كُنَّ نَبِيًّا، کا مار لول ہے وہ بالطبع محبوب ہو جائے گا اور اپنی قوم میں تو محبوب ہو ہی گا غیر قوموں میں بھی اس کا اعتبار ہوگا اس سے بعض اعمال صالحہ کا دوستی میں دخل ہونا۔ سمجھ میں آگیا ہوگا جو کہ باب معاملہ و معاشرت و اخلاق سے ہے اب یہ بات رہ گئی کہ ایمان اور نماز روزہ کو کیا دخل ہے محبوبیت میں سو اُس کی نسبت سنو کہ قاعدہ عقلمند ہے کہ کوئی کام ہو اول اُس کا قلب میں ارادہ پیدا ہوتا ہے پھر اس کا جوارح سے تلویق ہوتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ کسی امر پر نباہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ اُس کا تقاضا شدید قلب میں راسخ ہو جائے اور اُس کے اضرار و موانع قلب سے مرتفع ہو جائیں ورنہ ارادہ ہوگا مگر غیر راسخ جب راسخ نہیں تو اکثر ارادہ بھی نہ ہوگا تو عمل بھی نہ ہوگا پس ثابت ہوا کہ مداومت و استقامت بدون تقاضائے قلب کے نہیں ہوتا پس اس قاعدہ کے موافق اخلاق و معاملات و معاشرت کی درستی بھی جس کا دخیل ہونا محبوبیت میں مسلم ہو چکا ہے جب ہی نہیں سکتی ہے کہ ان چیزوں کا قلب میں تقاضا و رسوخ ہو اور وہ تقاضا و رسوخ بغیر ایمان اور روزہ نماز کے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ تمام قواعد متعلقہ بصدق و معاملات اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ہم کو تعلیم فرمائی ہیں تو جب تک تصدیق اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلب میں راسخ نہ ہوگی تو ان تعلیمات پر استقامت نہ ہوگی یہ تو ایمان کا دخل ہے اور روزہ نماز کو یہ دخل ہے کہ یہ کیفیت قلبی تقاضے کی موقوف ہے

قلب کی صفائی پر اور قلب کی صفائی بغیر روزہ نماز نہیں ہوتی روزہ سے تو اس طرح کہ اُس سے قوت بہیمیہ کا انکسار ہوتا ہے اور نماز سے تو واضح پیدا ہوتی ہے تکبر ٹوٹتا ہے اور تکبر و بہیمیہ ہی اصل ہے بہت سے لخلق ذمیہ کی پس صوم و صلوة سے اس کی اصلاح ہوگی اور اس کی اصلاح سے معاملات وغیرہ درست ہوں گے جو مدار ہے محبوبیت کا اور سبب کا سبب ہے پس نماز و روزہ سبب ہو محبوبیت کا مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ایمان اور صوم و صلوة کا موضوع لہ (جس کیلئے وضع کئے گئے ہیں) صرف یہی ہے اصلی موضوع لہ تو اُن کا قرب الہی ہے لیکن یہ محبوبیت بھی اوسپر خاصہ لازم کے طور پر مرتب ہو جاتی ہے چونکہ یہاں بیان تھا محبوبیت و مودت کا اس لئے اس کا بھی اس میں دخل بیان کر دیا گیا۔ اب سوال رہ گئے ایک سوال تو یہ ہے کہ ہم بعضے دینداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ شریعت کے پورے پابند ہیں اور ساری دنیا کو نصیحت کرتے ہیں لیکن سب سے ان کی لڑائی رہتی ہے لوگ اُن کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے وہاں محبوبیت کا ترتیب کیوں نہیں ہوتا جواب اس کا یہ ہے

سخن شناس نہ دلبر اخطا اینجا است

(اسے دوست کی یہی ہے کہ تو سخن فہم نہیں ہے)

یہ سوال آپ کا کم فہمی سے پیدا ہوا ہے۔ صاحبو! نصیحت کا بھی شارع نے قانون مقرر کیا ہے جب کوئی شخص اُس قانون کے خلاف کریگا تو اُس نے کمال ایمان و عمل صالح ہی میں خلل ڈالا۔ اس لئے لامحالہ وہ ایمان و عمل صالح کے اس ثمرہ مودت و محبوبیت سے ضرور محروم رہوگا اس سے وہ شبہ جاتا رہا اور وہ قانون یہ ہے کہ نصیحت خیر خواہی اور محبت اور ہمدردی سے ہونا نصیحت کا اس میں شائبہ نہ ہو تو جو شخص اس قانون کے موافق عمل کریگا اُس کی کسی سے مخالفت ہو ہی نہیں سکتی

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجلس وعظ میں ایک شخص کو دیکھا کہ اُس کا پا جامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہے کوئی اور مولوی حنا ہوتے تو بلا کر ملامت کرتے بڑا بھلا کہتے پچ یہ ہے کہ ہم لوگ نام کے مولوی ہیں اور نر سے الفاظ پرست ہیں حالانکہ الفاظ یاد کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک حال نہ ہو۔ مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں سے

قال را بگذار مردِ حال شو پیش مردِ کالمے پامال شو

(قال کو چھوڑ دو حال پیدا کر کسی کامل شخص کے سامنے پامال ہو جاؤ تو صاحب حال بن جاؤ گے)

پس اگر کوئی نرا مولوی ہوتا تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرنا) کی آیات و احادیث پر اس طرح عمل کرتے کہ بلا کر اس کو بڑا بھلا کہتے اب عداوت و نفرت جانبین میں ہوتی اور اُس کو دیکھ کر بیشک یہ شبہ پیدا ہوتا کہ تم تو کہتے ہو کہ شریعت پر عمل کرنے سے محبوب ہو جاتا ہے اور اُس پر لوگ پروانوں کی طرح گرتے ہیں لیکن ہم تو دیکھتے ہیں کہ بجائے دوستی کے اور اُلٹی عداوت اور نفرت ہو گئی۔ لیکن شاہ صاحب نے یہ نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے وہ ٹھہر گیا بعد فراغت کے فرمایا کہ بھائی اپنا عیب آدمی کو معلوم نہیں ہوتا مجھے اپنے اندر ایک عیب کا شبہ ہے وہ یہ کہ میرا پا جامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک جاتا ہے اور اس پر ایسی ایسی وعیدیں آئی ہیں تو آپ ذرا دیکھ لیں کہ واقعی میرا شبہ صحیح ہے یا نہیں وہ شخص پانی پانی ہو گیا اور عرض کیا کہ حضور آپ کا پا جامہ کیوں لٹکتا میرا البتہ لٹک رہا ہے اور اسی وقت اس کو جا کر درست کر لیا۔ اور ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی پس اگر محبت اور حکمت عملی سے کہا جاوے تو ممکن نہیں ہے کہ کوئی بڑا مانے اسی واسطے امر بالمعروف اور وعظ عام کی ہر شخص کو اجازت نہیں ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
 عَنِ الْمُنْكَرِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ چاہئے کہ ایک جماعت تم میں سے ایسی ہو کہ جو خیر کی
 طرف داعی ہوں اور نیک بات کا حکم کریں اور بُری بات سے
 منع کریں دیکھتے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب امر بالمعروف (اچھی باتوں کا حکم کرنا)
 کرو بلکہ یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہونا چاہئے کہ
 اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف کا ہر شخص اہل نہیں
 ہے ہر شخص کو اجازت نہیں ہے کہ وہ وعظ عام اور خطاب عام کرے
 البتہ جن پر پوری قدرت ہے جیسے اپنے اہل و عیال وہاں اصلاح
 کا ہر شخص مکلف ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ
 نَارًا ۵۱ (۱۷ ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ) غرض
 ہر کام تار بیر سے ہوتا ہے میرا معمول ہے جب میں کہیں سفر میں ہوتا
 ہوں مجھ سے فرمائش ہوتی ہے کہ وعظ میں فلاں بات کا ذکر کرنا
 میں صاف انکار کر دیتا ہوں بعضے ایسے بھولے بھالے ہوتے ہیں کہ
 منبر پر بیٹھ کر وہی سبق گاتے ہیں جو ان کو پڑھایا جاتا ہی لوگوں کو
 معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کہلایا ہوا کہہ رہے ہیں اس سے اثر ضعیف
 ہو جاتا ہے اور لوگوں کو ناگوار بھی ہوتا ہے میں ایسی فرمائش پر
 ہرگز عمل نہیں کرتا حتیٰ کہ نواب صاحب ڈھا کہ نے مجھ کو بلایا تھا
 میں نے پہلے یہ شرط کر لی تھی کہ آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ آپ
 مجھ سے کسی خاص بات کے وعظ میں بیان کرنے کی فرمائش کریں
 چنانچہ انھوں نے موافق شرط کے کسی بات کی فرمائش نہیں کی میں نے
 وعظ میں جو چاہا بیان کیا کسی نے بھی بُرا نہیں مانا میں نے اس کا
 تجربہ کیا ہے کہ فرمائشی وعظ کا اور رنگ ہوتا ہے اور خود کہتے ہیں
 اور بات ہوتی ہے پس شریعت کا قانون ہے کہ نصیحت و تذکرہ

میں آداب و احتساب کی رعایت کرو اور اگر کوئی باوجود آداب کے رعایت کرنے کے برامانے اس پر شبہ واقع نہیں ہو سکتا اس لئے کہ صرف آدمی کو مٹھائی کڑوی معلوم ہو ہی گی اس لئے کہ اس کا مزاج ہی خراب ہے امر بالمعروف کی خاصیت میں کچھ خرابی نہیں اس کا خاصہ تو یہ ہے کہ ممنون ہونا چاہئے ہمارے امراض اس شخص نے معلوم کرائے ایک اعتراض تو یہ تھا جس کا جواب ہو گیا دوسرا سوال ہے کہ بعض دیندار بھی نہیں ہوتے اور پھر بھی وہ محبوب ہوتے ہیں تو پھر محبوبیت صرف دینداری کا خاصہ کیا ہوا میں اس کا راز بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب کوئی محبوب ہو اور وہ دیندار نہ ہو تو یہ دیکھو کہ علت اس کی محبوبیت کی کیا ہے سو علت اس کی اکثر تو وہی شے نکلے گی جس کا شریعت نے حکم کیا ہے مثلاً کوئی کافر سخی ہے یا عادل ہے تو اس سے اس کی سخاوت اور عدل کی وجہ سے محبت ہوتی ہے اور سخاوت اور عدل دونوں کی شریعت نے تعلیم کی ہے کفر کے ساتھ مل کر بھی انھوں نے اپنا اثر دکھلایا ہے جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گربا شاردانم چوں کند یعنی شراب کا گھونٹ مٹی میں مل کر جب مست بنا دیتا ہے تو خالص شراب تو کیا کچھ نہ کرے گی۔ اسی طرح اعمال شرعیہ کفر کی نجاست کی آلودگی کے ساتھ بھی جب اپنا کام کر رہے ہیں اگر ایمان کے ساتھ ملیں گے تو دیکھو کیا رنگ لاتے ہیں۔ ایک جواب تو یہ ہوا دوسرا جواب یہ ہے کہ محبوبیت مطلقہ یعنی من کل الوجوہ (ہر اعتبار سے) میں گفتگو ہے ہر شخص کے نزدیک محبوب بنا دے یہ بجز مومن کامل کے کسی کو نصیب نہیں اگر کوئی کافر کسی خلق حسن کے ساتھ متصف ہے تو وہ بعض کے نزدیک محبوب ہے اور بعض کے نزدیک نہیں بلکہ کفر یا بعض اخلاق ذمیمہ کی وجہ سے مبغوض ہی

اب شبہ جاتا رہا اور اگر حسن وغیرہ علت ہو تو اس کا جواب اوپر آچکا ہے اب ایک اعتراض اور باقی رہا وہ یہ ہے کہ ایک مومن جو شریعت کا پورا پابند ہے اس کا کسی سے مقدمہ ہو اور اس میں وہ مومن ہی حق پر ہے تب بھی فریق مقابل اس کو نظر غیظ سے دیکھتا ہے نظر محبت سے ہرگز نہیں دیکھتا اب وہ خاصہ کہاں گیا جواب اس کا یہ ہے کہ ہر شے کی خاصیت کے ظاہر ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی معارض نہ ہو اگر معارض ہو تو یوں کہیں گے کہ شے اپنے اثر سے مختلف ہوگئی تو یہاں یہ معارض ہے کہ اس کو اس کے زعم میں ضرر پہنچ رہا ہے اس لئے یہ شخص اگر نظر غیظ سے دیکھے تو ہمارے دعوے کے کچھ منافی نہیں ہے ہاں عام طور سے دیکھو کہ دوسرے لوگ کس نظر سے دیکھتے ہیں سو یقینی بات ہے کہ ایسے موقع پر عام طور پر سب یہی چاہا کرتے ہیں کہ خدا کرے یہ جیت جاوے اسی طرح اگر غیر مومن اگر مطلوب ہو تو سب کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی فتح ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفر سبب مودۃ کا ہے یہاں اس کی مطلوبیت اس کی مبعوضیت کے معارض ہو رہی ہے دراصل وہ مبعوض ہی ہے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ محبوبیت اعمالِ صالحہ اور ایمان میں منحصر ہے اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوئی کہ جو اتفاق اور محبوبیت و موقت کو اس راہ سے طلب نہیں کرتے۔

ترسم کہ ترسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو میر وی بترکتا است

(میں ڈرتا ہوں اے اعرابی تو کعبہ نہ پہنچے گا اس لئے جو راستہ تو نے چنا اختیار

کیا ہے وہ ترکستان کا ہے)

چنانچہ جو لوگ اتفاق اتفاق پکار رہے ہیں اور شریعت کے

کے خلاف کر رہے ہیں اُن کو آج تک تو کامیابی ہوئی نہیں اگر کوئی کہے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض جگہ ان میں اتفاق ہے صاحبو وہ اتفاق نہیں اس لئے کہ آپ کو واضح ہو گیا ہے کہ اتفاق ہوتا ہی باہمی اُلفت سے اور اُن میں اُلفت نہیں وہ عارضی اتفاق کی صورت ہے بہت جلدی زائل ہوتا ہے کیونکہ منشاء اس اتفاق کا اتحاد اغراض ہے جب تک اغراض متحد ہوتے ہیں وہ اتفاق کا ڈھانچہ قائم رہتا ہے اور جب اغراض میں اختلاف ہوتا ہی فوراً وہ اتفاق ٹوٹ جاتا ہے بخلاف مومن کے اتفاق کے اس لئے کہ اس کی غرض اور مطلوب ہمیشہ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہے اور اس میں تزامم محتمل ہی نہیں اس لئے اُس کا اتفاق قائم رہتا ہے دو مومن اگر جنوب و شمال میں بھی ہیں اور ان میں کوئی سابقہ تعلقات بھی نہیں اُن میں بھی اتفاق ہے پس عقلی طور سے ثابت ہو گیا کہ اتفاق اگر ہے تو مومنین میں ہے اور اگر باقی رہ سکتا ہو تو انہی کا اتفاق باقی رہ سکتا ہے اور اسی پر قیاس کر لیجئے اس کی ضد کو کہ بغض اور عداوت جب ہوگا خلاف شریعت کے کرنے سے ہوگا اور بغض اگر قائم رہنے والا ہے تو وہ ان میں ہی ہے جو ایمان یا عمل صالح میں خلل ڈالتے ہیں پھر بھی مومنین میں جتنا بھی ایمان ہے اسی مقدار کے موافق ان میں مودت و محبت لازم ہے پس اگر آپ محبوب بننا چاہتے ہیں اور اپنے آپس میں اتفاق قائم رکھنا چاہتے ہیں تو خدا تعالیٰ

عے اس کا ظہور جب کسی غیر قوم سے مخالفت ہو۔ ۱۲ جامع

(باقی اللہ انشاء اللہ تعالیٰ) (پیرنسنگ محل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیجئے ، ورنہ مبغوضیت کے لئے تیار ہو جائیے۔ لیکن خدا کے لئے ایمان اور عمل صالح کو اس نیت سے نہ کیجئے کہ ہم محبوب بنیں ، بلکہ قصد تو اطاعت کا حق کا ہونا چاہئے۔

ہاں اس پر یہ ٹرہ بھی مرتب ہو جاتا ہے جیسے جب خانہ کعبہ کا ارادہ ہو تو ببئی کی سیر کا ارادہ نہ کرو۔ نیت تو ہونا چاہئے حج کی ہاں راستہ میں ببئی بھی آوے گی اور سیر بھی کر لو گے۔

اور یہاں سے یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ بعض لوگ جو نماز کی حکمت یا حج کی حکمت یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ نماز سے صفائی حاصل ہوتی ہے ، اور جماعت کی حکمت یہ کہتے ہیں کہ پانچ وقت جب محلہ کے مسلمان ملیں گے تو آپس میں اتفاق ہوگا اور جمعہ میں شہر کے مسلمانوں میں اتفاق ہوگا۔ اور حج میں تمام عالم کے مسلمانوں میں اتحاد ہوگا میری تفسیر کا اُن کی تفسیر سے متحد ہونے کا شبہ نہ کیا جاوے کہ وہ بھی ان اعمالِ صالحہ کو مورثِ اتفاق بتلاتے ہیں اور یہی میں نے کہا۔ سو اُن کی اور میری تقریر میں بہت بڑا فرق ہے۔

ان کی غرض تو یہ ہے کہ مقاصدِ اصلیہ ان احکام کے یہی اتحاد و اتفاق ہیں اور میرا مقصود یہ ہے کہ موضوعِ اصلی تو ان طاعات کا قربِ الہی ہے اور خدا تعالیٰ کا راضی کرنا۔ ہاں جو ٹرہ اُن پر بلا قصد مرتب ہو جاتا ہے وہ یہ بھی ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ گو ان کے لئے یہ اعمال موضوع نہیں۔ پس میری تفسیر کو ان کی تقریر کے ہم رنگ ہرگز نہ سمجھا جاوے۔

محمد عبدالمنان خٹک نے یہ دستک لکھی ہے کہ میں بھی اس مکتبہ تحفانوی متعلق مسائل و فتاویٰ لکھتا ہوں اور اس سے شکر ہے۔

الحاصل اتفاق کا اتباع شریعت میں اور نا اتفاقی کا شریعت کے خلاف کرنے میں منحصر ہونا ثابت ہو گیا۔ اور جس طرح سے اس تقریر سے اتفاق کے اسباب معلوم ہو گئے جن کا حاصل اطاعت حق ہے اسی طرح اس سے نا اتفاقی کے بھی اسباب معلوم ہو گئے ہونگے۔ کہ معصیت حق ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ توفیق عمل کی عطا فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملتہ مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مواعظ حسنہ کا بیش بہا ذخیرہ

جو معاشرہ کی اصلاح اور مسلمانوں کی دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے لئے اکسیر ہیں

مواعظ اشرفیہ

مجلد اعلیٰ بارہ حصے در چھ جلد
قیمت: چار سو چالیس روپے۔ علاوہ خرچہ ڈاک

دعوات عبدیت

مکمل مجلد ۹ حصے در چار جلد
قیمت: تین سو پچھتر روپے۔ علاوہ خرچہ ڈاک

فضائل والا حکام المشہور والایام تمام مہینوں میں مسلمانوں کو جو عمل کرنے چاہئیں صحیح احادیث سے سب سے جمع کر کے

اس کتاب کے تمام مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔ قیمت چھ روپے علاوہ خرچہ ڈاک۔

انگریزوں پر مکمل سنت کے موافق گنتی کا مسنون طریقہ ایک

سے لیکر دس ہزار تک مع نقشہ جات کے سکھایا ہے۔

اس کو دیکھ کر یہ آسانی گنتی آجاتی ہے۔ قیمت سہرا علاوہ خرچہ ڈاک

عقدانامل

ملنے کا پتہ:- مکتبہ تھانوی متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَلْعَوَانُ لَوْلَايَةٌ

رواه البخاري

وعظمت مسمى به

حَقِيقَةُ إِحْسَانٍ

منجمله ارشادات

حكيم الامة مجدد الملة حضرت مولانا محمد راشد فعلی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان

”مکتبہ تھانوی“، دفتر الایقار

متصل مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۷۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَعَظْمِ سَيِّدِي بِهِ

”مواظب الشرفیہ“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حامداً و مُصَلِّياً و مُسَلِّماً. آمَّا بَعْدُ وَاضِحٌ هُوَ كَمَا حَضَرَتْ زُبْدَةُ الْعَارِفِينَ عَمْدَةُ
الواعظین مقتدانا مرشدنا مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جو جو وعظ کا بیوہ
میں قلمبند ہوئے ہیں منجملہ ان کے یہ ایک بہت بڑا معرکہ کا وعظ ہے جو اکثر
دینی اور دنیوی نصائح و منافع پر مشتمل ہے۔ اور اس کا نام ”مواظب الشرفیہ“
قرار پایا ہے۔ جو جو صاحب اس سے منتفع ہوں اس میں تمام سعی کر نیوالوں کے لئے
دعا سے خیر فرماتے رہیں۔

وَعَظْمِ شَرِّهِمُ اشرف العلماء سراج الواعظین حضرت مولانا حاجی حَافِظ
شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۷ ربيع الاول ۱۳۳۰ھ روز جمعہ دو گھنٹہ
بیس منٹ تک بمقام جامع مسجد کانپور فرمایا۔ دعا مانگ کر اس خطبہ ماثورہ کو پڑھ کر
وعظ شروع فرمایا:-

وَعَظْمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَ
نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِ وَرِأْفِسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ
يَهْدِيهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا
اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَ

رَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ.

أَمَّا بَعْدُ - فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ.

یہ ایک حدیث شریف کا ٹکڑا ہے اور جواب ہے ایک سوال کا جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر کیا تھا۔ جس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک موجود تھے۔ ناگاہ ہم پر ایک ایسا شخص ظاہر ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت کالے تھے، اس پر سفر کا نشان تو معلوم نہیں ہوتا تھا اور ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھڑ کر بادب بیٹھ گیا۔ اور پوچھنے لگا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلہ وسلم اس لام کس کو کہتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعمال اسلامیہ کو ذکر فرمایا۔ کہ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ جانتا، اور محمد کے رسول اللہ ہونے کی تصدیق کرنا، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، رمضان شریف کے روزے رکھنا، اور استطاعت ہونے پر بیت اللہ کا حج ادا کرنا۔

یہ سُنکر اس شخص نے آپ کی تصدیق کی کہ آپ سچ ارشاد فرماتے ہیں۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس شخص نے سوال کیا کہ ایمان کس کو کہتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقائد اسلامیہ کو ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنا اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔ رقیامت کے دن پر ایمان لانا اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لانا۔ اس شخص نے اس کو بھی سُنکر کہا کہ سچ ارشاد فرماتے ہیں۔

پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح سے عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر

نہیں دیکھتے ہو تم اس کو پس وہ تحقیق تم کو دیکھتا ہے“

اس سوال کے علاوہ اس شخص نے اور اور سوال بھی کئے تھے جو پوری حدیث میں مذکور ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کے جواب بخوبی ارشاد فرمائے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے چلے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے عمر تم جانتے بھی ہو کہ یہ سوال کرنے والے کون تھے، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ ورسولہ أعلم اللہ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے والے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فَإِنَّهُ جِبْرِئِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ۔ یعنی یہ سوال کرنیوالے جبرئیل علیہ السلام تھے، تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تم کو تمہارا دین سکھلا دیں“

وجہ اس آنے کی یہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا تھا۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ امور دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو پیش آئیں یا واقع ہوں ان کا پوچھنا تو ضروری ہے اس سے ممانعت نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ محض فرضی صورتیں نکال نکال کر احتیاطاً پوچھ رکھنا اگرچہ ابھی نہ ہوئی ہوں، جیسے اب بھی ایک تو عام لوگ ہیں ان کو تو یہ چاہئے کہ جب کوئی امر پیش آوے اس وقت دریافت کر لیں یا ایسا کوئی امر جس کا واقع ہونا غالب ہو وہ دریافت کر لیں۔ یہ نہیں کہ فرضی بعید الوقوع صورتیں دریافت کر کے پریشان کریں۔ البتہ طلباء جن کا کام ہے مسائل کی تحقیق کرنا وہ اگر دریافت کریں تو مضائقہ نہیں اور بعض لوگوں کی جو یہ عادت ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ مولویوں کو دق کرنے کے لئے ایسی باتیں پوچھا کرتے ہیں جن کی کوئی صورت نہیں۔ یہ سب بیکار و فضول ہے۔ صحابہؓ کو جو سوال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا تھا اس کی کئی وجہیں ہیں۔

اول تو یہ کہ ایسی فرضی باتیں دریافت کرنا خلاف ادب تھا۔ دوسری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری بات خود ہی بیان فرمادیا کرتے تھے، آپ کا ارشاد ہے

لے ادب کی وجہ سے صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے اس طرح کہنا کرتے تھے ۱۰

اِسْمَاعِيْلُتُ مُعَلِّمًا (مجھ کو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے) یہ تو آپ کا فرض منصبی ہی تھا، اور خود آپ اعلیٰ درجہ کی شفقت رکھتے تھے۔ ضرورتوں کو سمجھتے تھے آپ بغیر بتلا دیا کرتے تھے۔ ایسی حالت میں سوالات کرتے رہنے کی ضرورت ہی کیا تھی جس طرح اگر کوئی طیب حاذق شفیق ہو اس نے نبض دیکھ لی۔ ضروری امور دریافت کر کے تشخیص کر لی نسخہ لکھ دیا، پرہیز بتلا دیا۔ سارے ضروری امور سے خود ہی غایت شفقت کے باعث سے آگاہ کر دیا تو پھر ایسے شخص سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔

تیسری یہ بھی مصلحت ہو سکتی ہے کہ بعض منافقین گھر گھر کر صورتیں پوچھا کرتے تھے اور غرض اس سے محض وق کرنا ہوتا تھا اس لئے مسلمانوں کو بھی منع کر دیا گیا تاکہ منافقین کو آڑ نہ ملے۔ چنانچہ خود مجھ سے ایک شخص نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ دو شخص چلے جاتے تھے اور ان کے ہمراہ ایک عورت تھی، ایک شخص اس کا خاوند تھا دوسرا اس کا بھائی۔ اتفاق سے چوروں نے دونوں کو قتل کر ڈالا سرتن سے جدا ہو گیا۔ وہ رونے لگی۔ اتفاق سے ایک درویش کامل کا اُدھر سے گذر ہوا۔ وہ واقعہ دریافت کرنے کے بعد اس عورت سے کہا کہ دونوں کے سر دھڑ سے لگا دے۔ اس نے خاوند کے دھڑ کے ساتھ بھائی کا سر اور خاوند کا سر بھائی کے دھڑ کے ساتھ لگا دیا۔ انھوں نے دعا کی دونوں زندہ ہو گئے۔ تو بتلاؤ کہ وہ عورت کس کو ملے گی؟ میں نے کہہ دیا کہ جناب مجھے نہیں معلوم۔ ایسی باتوں کے پوچھنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ یہ جواب نہ دے سکیں گے تو ہم کہیں گے کہ ہم نے ایسی بات پوچھی کہ اس کا جواب عالم سے بھی نہیں آیا یا ہم ایسے بڑے ہیں ایسے ذہین ہیں اور بس۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ بعض بات آسان ہوتی ہے اور پوچھنے کی بدولت دشوار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب حج فرض ہوا تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ اِنِّیْ کُلِّیْ عَامٍ بِاِسْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (کیا ہر سال میں ہر بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا۔ پھر ارشاد کیا کہ اگر میں

۱۲ یعنی مولانا اشرف علی صاحب علیہ الرحمۃ سے

نَعَم (ہاں) کہد تیا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم لوگوں سے نہ ہو سکتا مصیبت میں پڑ جاتے۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ ذَرُوْنِي مَا تَرَ كُنْتُ كُمْ (یعنی مجھ کو چھوڑے رکھو جو مناسب سمجھوں گا اس سے تم کو آگاہ کر دیا کروں گا تم کھود کھود کر نہ پوچھا کرو) یہ وہ مصلحت میں تھیں جو ممانعت سوال کے باعث تھیں اور اس وقت میرے خیال میں آئیں ممکن ہے کہ اور اور بھی مصلحتیں ہوں۔

بہر حال ممانعت سوال کی وجہ سے صحابہؓ دریافت کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ بعض امور میں ان کے خیال میں آتے ہوں گے لیکن اس میں تردد ہو جاتا ہو گا کہ نہ معلوم یہ باتیں ضروری ہیں یا نہیں، ان کا پوچھنا بے ادبی تو نہیں ہے اسلئے ڈر کے مارے نہ پوچھ سکتے تھے۔ یہ بھی ایک مرتبہ ہے جو حاصل کرنے کے قابل ہے کہ جو دل میں کھٹکے اُسے ترک کر دیا جاوے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے دَعُ مَا يُرِيْبُكَ اِلَى مَا لَا يُرِيْبُكَ (یعنی جس چیز سے تمہیں کھٹکا ہو اسے چھوڑ کر ایسی چیز اختیار ہو جس سے کھٹکا نہ ہو) پس خدائے تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ پوچھیں گے تو صحابہؓ کو بہت سی ذین کی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔

اب یہ سمجھئے کہ میں نے اس وقت اس لئے احسان کے بیان کو اختیار کیا ہے کہ اس کی بڑی ضرورت ہے، لوگ اس سے بالکل غافل ہو رہے ہیں۔ احسان کے متعارف معنی جو اردو میں مشہور ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ یہ عربی لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں اچھا کرنا، اور یہاں مراد ہے عبادت کو اچھا کرنا۔ اب دیکئے اڈل تو لوگ عبادت ہی سے بھاگتے ہیں اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ذنیوی کاموں میں دن رات لگے رہتے ہیں، ذرا ذرا سی باتوں کے لئے مشقت اٹھاتے ہیں۔ خصوصاً اگر تھوڑی سی دنیاوی امید ہوتی ہے تو بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور مشقتیں اٹھانے میں دریغ نہیں کرتے لیکن عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں اور دنیا طلبی میں سرگرم ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ اس کی (یعنی دنیا طلبی کی) اور ترغیب دی جاتی ہے، جلسے ہوتے ہیں، کمپٹیاں قائم ہوتی ہیں اور کوشش ہے کہ خوب مال و دولت کی حرص بڑھ جاوے، مواد ہوس

میں ترقی ہو، دن رات ترقی ترقی کی پکار ہو رہی ہے۔ ہواد ہوس کا نام بدل کر ترقی رکھ دیا ہے۔ آخر اس سے مطلب کیا ہے، یہی نا کہ مال خوب حاصل کیا جاوے، مکان بھی نہایت عالیشان ہو، کپڑے بھی نہایت قیمتی ہوں، اسباب بھی بیش بہا ہو، غرضیکہ دنسب وہی عیش و سامان کے جمع کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جاوے۔ چاہے دین رہے یا جائے۔ لیکن یہ بھی معلوم رہے کہ ترقی کا مسئلہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے۔ آپ اس کا فیصلہ بھی فرما چکے ہیں جس کا نہایت معتبر اور سچا واقعہ اس طرح پر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ بالاخانہ پر تشریف رکھتے تھے۔ وہاں صرف ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی، آپ اس پر لیٹے ہوئے تھے، جسم شریف پر چٹائی کے نشان بن گئے تھے اور سرہانے کی جانب کچھ کچے چمڑے لٹک رہے تھے۔ پاننتی کی جانب کچھ ببول کی پتیاں پڑی ہوئی تھیں تاکہ ان چمڑوں کو ان سے دباغت دے لیا جاوے۔

۹ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے، آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، اور عرض کرنے لگے کہ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیصر اور کسریٰ وغیرہ جو شرک اور کفر میں مبتلا ہیں خدا کی عبادت نہیں کرتے وہ تو چین و آرام سے گذاریں اور آپ اس تنگی کی حالت بسر کریں۔ آپ دعا فرمائیے کہ خدائے تعالیٰ آپ کی امت کو وسعت عنایت کریں۔

یہ حضرت عمرؓ کا ادب تھا کہ امت کی وسعت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا اِنِّیْ شَکٌّ اَنْتَ یَا اِبْنَ الْخَطَّابِ رَکِیَا اے عمرؓ بن الخطاب تم اب تک شک ہی میں پڑے ہوئے ہو، اُدَلِّیْکَ عَجَّلْتُ لَہُمْ طَیِّبَاتِہُمْ فِی الْحَیْوَةِ الدُّنْیَا۔ (ان کو لذیذ چیزیں دنیا میں جلدی سے مل گئی ہیں، مطلب یہ ہے کہ تمام آرام و آرائش کفار کو دنیا ہی میں مل گیا ہے آخرت میں وہ محروم رہیں گے۔ اب ہم لوگوں کے لئے خدائے تعالیٰ نے آخرت میں ذخیرہ کر رکھا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے افلاس اور تنگدستی

کی شکایت کی تھی اور چاہا تھا کہ دعا کر دی جائے اور فراغت اور وسعت ہو جائے۔ مال و دولت بافراط مل جائے، خوب ہی آسائش و آرام سے گذرنے لگے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ ترقی کی درخواست کی تھی اور چاہا تھا کہ جیسے کفار کو مال و دولت میں ترقی حاصل ہے اسی طرح مسلمان بھی ترقی کریں۔ آپ نے فیصلہ فرمادیا کہ انکو یہاں مل گیا ہے، ہم کو قیامت میں ملے گا۔ ایک یہ بات لوگ بہت کہا کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں ترقی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ دوسری قومیں بھی ترقی یافتہ نہ تھیں، اب ضرورت ہے۔ ان سے دریافت کرنا چاہئے کہ کیا اس زمانہ میں کسی نے ترقی نہ کی تھی قیصر اور کسریٰ کی عیش پرستیاں اور عیش و نشاط کے سامان دیکھئے، تاریخ پڑھئے۔ مال و دولت میں عیش میں آرام میں تزک و احتشام میں کیا تھا جو ان کے پاس نہ تھا عمدہ سے عمدہ سامانِ عشرت ہیہا تھے۔ اور مسلمانوں کے پاس وہ سامان اور اسباب نہ تھا۔ پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ تو اب کیا باقی رہ گیا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو صحابہؓ کو افراطِ دنیا سے کچھ ضرر بھی نہ ہو سکتا تھا، کیونکہ قلب نہایت قوی رکھتے تھے۔ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ان کے دلوں میں رگ و ریشوں میں گھسی ہوئی تھی۔ دل و جان سے احکامِ شرعیہ کی تعمیل پر آمادہ اور سرگرم رہتے تھے۔ خدا کے خوف سے ہر وقت ترساں و لرزاں رہا کرتے تھے۔

اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اگر کسی شخص کو سانپ کے پکڑنے اور اس کے زہر کے اثر نہ کرنے کا منتر یاد کرادیا گیا ہو تو وہ سانپ کو بے کھٹکے پکڑ سکتا ہے۔ اگرچہ سانپ اس کے ہاتھ میں ہو۔ مگر وہ ہر طرح سے مطمئن رہتا ہے۔ دنیا اگرچہ سانپ کے مثل تھی لیکن صحابہؓ کو اس کا منتر یاد تھا۔ یعنی ذکر اللہ۔ خدا کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے۔ ایسی حالت میں ان کو دنیا سے کیا ضرر ہو سکتا تھا۔ بخلاف ہم لوگوں کے کہ منتر تو یاد نہیں اور سانپ کو پکڑنا چاہتے ہیں۔ آخر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہلاکت۔ جہاں ذرا اس نے ڈسا اور خاتمہ ہوا۔

صحابہ کرامؓ کی وہ حالت تھی کہ اس کا کچھ کہنا ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ جن کی دیانت، حق پرستی، قوت ایمان ایسے تمام اخلاق و صفات موافقین کیا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہیں ذرا ان کی حالت دیکھئے خلافت کا تو زمانہ اور کپڑے پیوند لگے پہنے ہوئے چکنا سالن تک نہ کھاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے آپ کی دعوت کی تھی، اور گوشت پکا رکھا تھا، جس میں گھی بھی کسی قدر ڈالا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کے وقت حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا میاں تم نے تو ایک سالن کے ساتھ دوسرا سالن بھی جمع کر دیا ہے۔ یعنی ایک تو گھی اس سے بھی روٹی کھائی جاسکتی ہے دوسرا گوشت کہ اس سے بھی روٹی کھا سکتے ہیں، اس قدر ہسراف اور تکلف کی ضرورت ہی کیا تھی۔

حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ میں نے اس میں مقدار معین سے زیادہ صرف نہیں کیا ہے۔ جس قدر خرچ لے کر گوشت خریدنے نکلا تھا اس قدر میں بوجہ معمولی گوشت ہونے کے تھوڑے کا گوشت لے لیا اور باقی کا گھی خرید لیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے مگر میرے نزدیک غیر مناسب ہے۔ آلقصہ وہ کھانا آپ نے نہیں کھایا۔ پھتر رہنے کو تھا، کوئی بڑا محل نہ تھا، دربان نہ تھے، پہرہ چھکی نہ تھا۔ اپنے کام کو خود کر لیا کرتے تھے، راتوں کو گوشت لگاتے تھے، لوگوں کی حالت دریافت کرتے تھے، ضعفا اور مساکین کی خبر لیتے تھے، پھر بھی آپ کی کیفیت اور حالت کو دیکھئے بغور ملاحظہ کیجئے کہ حضرت حذیفہؓ جن کا صاحب اسرار لقب ہے اس وجہ سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام بتلا دیئے تھے تو حضرت عمرؓ ان سے قسم دے دے کر پوچھا کرتے تھے کہ سچ بتلانا کہیں میرا نام تو ان لوگوں میں نہیں ہے۔ جب تقویٰ اور خشیت کی یہ حالت ہو تو پھر اگر ایسے لوگوں کے پاس دنیا ہوتی تو ان کو کیا ضرر ہو سکتا تھا۔

اب بتلائیے کہ اُس زمانہ کے مناسب کیوں ترقی نہ تھی اور اس زمانہ کے مناسب کیوں ہے؟ کیا اس زمانہ میں کچھ ترقی نہیں ہوئی تھی؟ اکاسرہ اور قیصرہ کے پاس

اس چیز کی کمی تھی، اور صحابہؓ کو ضرر کا احتمال بھی نہ تھا۔ علاوہ اس کے اور تمام چیزوں میں بھی یہی عذر کیا کرتے ہیں۔ نماز کی نسبت کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ضرورت تھی جب نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، کیونکہ بُت پرستی حال ہی میں چھوڑی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ خدا کی عبادت کریں تاکہ بتوں کا خیال دل سے نکل جائے۔ روزہ رمضان کے متعلق کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں غصہ وغیرہ کا غلبہ تھا قوت کا زور تھا، اس لئے ضرورت تھی کہ روزہ رکھیں تاکہ ضعف آجائے وہ سخت جاتی رہے۔ اب خود ہی لوگ ضعیف اور ہذب ہو رہے ہیں اب کیا ضرورت ہے۔ آہا جی چونکہ وہ تجارت کا ذریعہ تھا، تجارت کے لئے لوگ جمع ہوا کرتے تھے حج کی بھی پنچ لگا دی۔ وہ گئی زکوٰۃ سو وہ تو ان کی ترقی کے بالکل خلاف ہے۔ تصویروں کے متعلق کہتے ہیں کہ پہلے لوگ بُت پرستی کے عادی ہو رہے تھے، اس کو اچھا سمجھتے تھے، اسلام لانے کے بعد پہلا خیال کچھ نہ کچھ دل میں بسا ہوا تھا، اگر تصویر وغیرہ رکھتے تو خیال سابق میں زیادتی ہوتی اور بُت پرستی کا ذریعہ ہو جاتا اب کیا ضرورت ہے۔ اب تو بعض بُت پرست قومیں بھی اس کی قباحت کو تسلیم کرتی جاتی ہیں۔ اور مسلمانوں میں تو پشتہا پشت سے بُت پرستی کا نام بھی نہیں، اب تصویر سے کیا حرج ہے۔

۱۲
غرض طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا ہے جو کچھ جی میں آتا ہے لکھتے ہیں۔ یہی کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اسلام ہی کی ضرورت نہیں، چاہے چھٹی ہوئی۔ دعویٰ تو اسلام کا اور اس کے تمام احکام سے انکار۔ ہر چیز کے ساتھ پھیر پھار کر دین سے انکار کرنا چاہتے ہیں۔ صاف صاف انکار کرنا تو ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بُرا کہیں گے۔ اگرچہ بعض نے ہمت کر کے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مذہب ہی مانع ترقی ہے۔ ایک کمیٹی لکھنؤ میں ہوئی تھی ترقی کے ذرائع اور موانع سوچنے کے متعلق۔ وہاں ایک صاحب نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ مذہب ہی مانع ترقی ہے۔ ایک صاحب نے وہیں خوب ہی جواب دیا اور کہا واقعی یہی بات ہے، لیکن مذہب کی طرح قانون بھی مانع ترقی ہے، جب مذہب سے دستبردار ہو تو قانون کو بھی چھوڑ دو۔

چوری ڈکیتی کی جائے تو بہت ساناں جح ہو سکتا ہے۔ اگر موقع ہو اور کسی کے قتل سے مال ہاتھ آتا ہو تو اس سے دریغ کرنے کی کیا وجہ؟ غضب کو بھی جی چاہتا ہوگا، پھر کون مانع ہے یہی ناکہ قانون ان امور کے مرتکب ہونے والے کو سزا ہوتی ہے۔ ذرا خلاف قانون کریں تو خیر لیجائے۔ انصاف تو یہ تھا کہ اگر مذہب سے دستبردار ہوتے تھے تو قانون کو بھی چھوڑ دیتے اس کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ غضب ہے حکام ظاہری کے قانون کا تو انتہا خوف اور حاکم حقیقی اور تمام جہان کے بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ دلیری اور گستاخی، عجب اندھیر ہو رہا ہے۔ دنیا میں انہماک ہے ایسی حالت میں عبادت کی بھلا کہاں نوبت آسکتی ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو توفیق ہوئی بھی تو محض صورت عبادت کی ہوتی ہے معنی عبادت کے بالکل نہیں ہوتے۔ معنی سے یہ عبادت محض معسراہ ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادام تو ہو اور اس میں مغز نہ ہو، صرف پوست ہی پوست ہو۔ یا جیسے دیوالی کی مورتیں اور تصویریں ہوتی ہیں کہ یہ کہہ سار ہو یہ لوہار وغیرہ ہے سب ہی کچھ ہے لیکن اصلیت نہیں۔ نام کو آدمی لیکن آدمیت نہیں۔ نام تو ہاتھی ہے اور کام کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی چیز کو لانا اور کنارا وہ خود خرید اور بنانے والے پر لدا لدا پھرتا ہے۔ اگر کوئی حاکم کسی سے کہے کہ میں ایک آدمی کی ضرورت ہے اور کوئی شخص آدمی کی تصویر پیش کر دے کہ حضور اس کو نوکری میں قبول فرمادیں، تو کیا وہ حاکم اس بیوقوف نادان سے ناراض نہ ہوگا، اور اس کی بیہودہ حرکت کو سخت بے ادبی اور گستاخی نہ سمجھے گا، سزا نہ دیگا؟ تو پھر بڑے غضب کی بات ہے کہ ہم خدا کے سامنے اس، کہ آدمی یعنی صورت آدمی کے مثل صورت عبادت کو بے خوف و خطر پیش کریں اور گستاخی کا ذرا خیال بھی نہ آئے۔ عبادت بے جان تو پیش کریں اور شرمادیں نہیں۔

اب سمجھنا چاہئے کہ عبادت کی روح اور جان کیا ہے، اس کی حقیقت اور صورت میں کیا فرق ہے۔ کونسی چیز ہے جس کے ہونے سے صورت عبادت صلی عبادت ہو جاتی ہے، اس کا کیا درجہ ہے۔ پس اس حدیث سے دیکھئے عبادت کے اچھا کرینی

حقیقت بتلائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے اچھا ہونے کے کیا معنی ہوا کرتے ہیں۔ یعنی اس میں کوئی نقصان نہ ہو کوئی کسر نہ رہے جیسی چاہتے ویسی ہی ہو۔ عرض ہر چیز کا اچھا ہونا اس کے مناسب جدا طریق سے ہوتا ہے۔ مثلاً اچھی روٹی وہ ہوگی جس کا مادہ بھی اچھا صورت بھی اچھی ہو جو اس کا اثر ہے وہ بھی اچھا ہو۔ اسی طرح یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں طالب علم امتحان میں اچھا رہا، یعنی اس کی تقریر بھی اچھی تھی، تحریر بھی، طرز بیان بھی خوب صاف تھا، مطلب واضح تھا، حشو و زوائد سے کلام مبرا تھا، یعنی تمام ضروریات مجتمع تھیں۔ کوئی حالت ایسی نہ تھی جس کی کمی رہ گئی ہو۔ اسی پر قیاس کر کے عبادت کے اچھا ہونے کے معنی بھی سمجھئے۔ کہ جتنے امور کی عبادت میں ضرورت ہے جو جو چیزیں واجب الاجتماع ہیں سب کی سب اس میں پائی جاویں، کسی چیز کی کسر نہ رہے۔

یہ تو اجمالاً تھا، اب اس کی تفصیل کہ وہ کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جن سے عبادت اچھی ہوتی ہے شرائح میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ لوگ عموماً غلطی کرتے ہیں اور صرف صورت اور نقل عبادت ہی کو عبادت سمجھتے ہیں۔ یعنی فقہاء نے جو ضبط کر دیا ہے قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، قومہ وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اور جو فقہ کا موضوع تھا اس کے موافق انہوں نے لکھا ہے۔ لیکن یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ تمام اور جن کا عبادت سے تعلق ہے اس میں منحصر ہیں۔ شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ اور کچھ بھی ہے۔ اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی معنی شرع کا بھی اعتبار ہے اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں۔ تصوف کو علیحدہ اور الگ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جاوے۔ یہ علیحدگی ایسی ہے جیسی فقہ مشہور میں کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ الگ الگ کتابیں ہیں۔ کتاب الصلوٰۃ کے مسائل کتاب الزکوٰۃ میں نہیں ملیں گے اور نہ کتاب الزکوٰۃ کے کتاب الصلوٰۃ میں۔ اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ کتاب الزکوٰۃ یا کتاب الصلوٰۃ فقہ میں داخل نہیں۔ اسی طرح

کتاب تصوف بھی فقہ ہے۔ اگرچہ اس کی کتابیں الگ ہیں۔ اگر کوئی ہدایہ کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے حنا رج ہو جائیں گی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح توحید، اخلاص یا کبر، تواضع، عجب وغیرہ اخلاق حمیدہ اور ذلیلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں۔ عموماً لوگ نماز میں قیام، رکوع وغیرہ ہی کو عبادت کی حقیقت سمجھتے ہیں، اور اسی میں عبادت کو محصور جانتے ہیں۔ عوام تو عوام طالب علموں کی بھی شکایت ہے۔ ہم لوگوں کی خود حالت قابل افسوس ہے۔ اہل علم خود اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو علم کی تو فکر ہے لیکن عمل کی نہیں۔ بڑا اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ ہم ساری کتابیں پوری کر لیں۔ ہدایہ بھی، صدرا بھی، شمس بازغہ بھی، لیکن عمل کرنے کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ قوت عملیہ اس درجہ ضعیف ہو رہی ہے اس درجہ اس میں خلل آ گیا ہے اس قدر مختل ہو رہی ہے جس کا حساب نہیں۔ ایسی ایسی خفیف حرکات کرتے ہیں جس سے افسوس ہوتا ہے۔ بہت سے معاصی ہیں کہ ان میں شب و روز مبتلا ہیں، اور خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے کوئی گناہ بھی کیا، کسی کی چیز بلا اجازت اٹھالی، اور جہاں چاہا ڈال دی۔ کسی کی کتاب بلا اجازت لے لی اور ایسی جگہ رکھ دی کہ اسکو نہیں ملتی وہ پریشان ہو رہا ہے۔ کسی سے کسی اچھے کام کا وعدہ کیا اور اس کے پورا کرنے کی صلاح فکر نہیں۔ اس طرح سینکڑوں قصے ہیں کہاں تک بیان کئے جاویں۔

۱۵

لیکن باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی ان کے علم و فضل میں شک نہیں ہوتا، حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہیں۔ یوں تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے۔ بڑے بڑوں کو بہکاتا ہے۔ تفسیر میں وہ ماہر، حدیث میں وہ واقف، فقہ میں وہ کامل۔ کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔ اگر زیادہ نہ جانتا ہوتا تو علماء کو بہکا کیسے سکتا؟ جب کوئی شخص کسی فن میں ماہر ہوتا ہے جب ہی تو وہ اپنے سے کم جاننے والے کو دھوکا دے سکتا ہے۔ اس میں (یعنی شیطان میں) اگر کمی ہے تو صرف اسی بات کی ہے کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں

بھی آیا ہے ایسا علم جو عمل کے لئے نہ ہو جہنم کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث میں لیجاری بہ العلماء و لیاری بہ السفہاء (تاکہ فخر کریں ساتھ اس کے علماء اور مناظرہ اور سمجھ گرا کریں ساتھ اس کے سفہاء) وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ہم لوگ ایسے غافل ہو رہے ہیں کہ اپنی اصلاح کی ذرا فکر نہیں کرتے۔ بعض گو لوگ قصداً گناہ نہیں کرتے لیکن بے پرواہی کی وجہ سے ان سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی شکایت کے قابل ہیں۔ اگر کوئی ملازم سرکاری بے پروائی کرے اور کام خراب کر دے تو کیا اس سے باز پرس نہ ہوگی؟ لوگوں نے عبادت کا ست نکال لیا ہے، مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھنے اور نماز ادا ہو گئی، خصوصاً اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام، قعود کے اور بھی کچھ ہے اور وہ ضروری بھی ہے۔ جس قرآن میں قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ رَجِيحِينَ ان مسلمانوں نے آخرت میں صلاح پائی جو اپنی نماز میں، ہے اسی میں خَاشِعُونَ بھی آیا ہے۔ جب صَلَوْتُهُمْ (اپنی نماز) کے لفظ سے نماز کو مطلوب شرعی سمجھتے ہیں تو کیا وجہ خَاشِعُونَ (خشوع کرنا ہے) سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اور مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ خشوع بھی ویسا ہی ہے جیسے قیام و رکوع وغیرہ۔ اس غلطی کو دفع کرنا نہایت ضروری ہے کہ ایک کو تو ضروری سمجھیں اور دوسرے کو نہ سمجھیں، حالانکہ دونوں حکم یکساں ضروری ہیں۔ یہ خشوع ہی ہے جس سے عبادت اچھی ہوتی ہے۔ احسان اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

احسان کے متعلق تین چیزیں ہیں اول احسان کا ضروری ہونا، دوسرے احسان کی حقیقت، تیسرے تحصیل طریق احسان۔ اجمالاً اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ احسان خشوع سے حاصل ہوتا ہے اور خشوع کا مطلوب ہونا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الخ (بتحقیق مسلمانوں نے فلاح پائی) سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب اس کا ضروری ہونا سنئے:-
 خداتعالیٰ کا ارشاد ہے الْمَيَانِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ
 لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ

قَبْلَ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ

ترجمہ کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق (مجانب اللہ تم) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر (اسی حالت میں) اُن پر زمانہ گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پس اُن کے دل سخت ہو گئے۔

یہاں ذکر اللہ میں خشوع کی ضرورت کا بیان ہے۔ اور ذکر اللہ میں ساری عبادتیں آگئیں۔ دیکھو عبادت میں خشوع نہ ہونے پر کیسی وعید ہے۔ شکایت کی ہے۔ اور یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دے کر ذکر کیا ہے۔ کہ ایسے نہ بنو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترک خشوع کیسی بُری چیز ہے۔ جس کے باعث سے کفار کے ساتھ آدمی مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا ہے فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ (پس ان کے دل سخت ہو گئے)۔

۱۷ قسوت قلب نہایت بُری چیز ہے۔ قسوت کی نسبت قرآن شریف میں ہُوَ قَوْلُهُ لَلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ أَوْلَيْكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (یعنی تباہی اور ہلاکت ہے ان کو جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں وہ لوگ کھلی کھلی گمراہی میں پڑے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں قلب قاسی خدا سے بہت دور ہے، ان سب نصوص سے ثابت ہوا کہ قسوت بُری چیز ہے اور خشوع ضروری ہے۔ لیکن خرابی یہ ہو رہی ہے کہ لوگ خشوع کی حقیقت نہیں سمجھتے اسی وجہ سے اس کی فکر بھی نہیں کرتے۔ جو شخص کسی چیز سے واقف نہ ہوگا وہ اس کو حاصل کیا کرے گا۔ عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خشوع کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا کسی کا خیال نہ آوے، ایسی مدہوشی ہو جاوے کہ تیر بر چھا کچھ ہی لگے اس کی خبر نہ ہو پس انسان جاد کی طرح بن جاوے آدمیت سے گذر جاوے۔ کوئی پوچھے یہ معنی کہاں لکھے ہیں اور کس نے لکھے ہیں اس کا کچھ جواب نہیں۔ اور واقعی کہیں بھی یہ معنی نہیں لکھے ہیں۔ یہ شبہ کم فہم اور غیر شفیق واعظوں کی بدولت پڑا ہے۔ انہوں نے ایسی حکایتیں بیان کیں جن سے دھوکہ میں پڑ گئے۔ پڑھے لکھے آدمی بھی اس سے ناواقف

ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں اُن کے درس میں کوئی تصوف کی کتاب تو ہے نہیں، لیکن عام لوگوں کے سنانے کے لئے موجود ہو گئے۔ امراض قلبی اور امراض باطنی کے علاج کرنے پر آمادہ ہیں، وعظ و نصیحت کرنے پر مستعد۔ حالانکہ خود نہیں سمجھتے تو ایسے شخص کی مثال ہے جس نے نہ طب پڑھی ہے۔ مطب کیا اور علاج کرتے لگا۔ علاج کے لئے پہلے طب پڑھنا ضروری ہے اور پھر مطب کرنا بھی لازمی ہے۔ بغیر اس کے قابلیت علاج نہیں آسکتی۔ ایسے ہی مدارس کی نسبت کسی نے کہا ہے

أَيُّهَا الْقَوْمُ الذِّي فِي الْمَدْرَسَةِ ؛ كُلُّ مَا حَصَلَتْهُ وَهُوَ وَسْوَسَهُ
 ۷ علم نبود غیر علم عاشقی ؛ مابقی تلبیس ابلیس شقی
 یعنی اے قوم جو کچھ تم نے مدرسہ علم (لفظی) حاصل کیا وہ وسوسہ تھا۔ علم عاشقی کے علاوہ جو علم بھی ہے وہ ابلیس شقی کی تلبیس ہے۔

جس طرح کتزد ہدایہ ضروری ہے ویسے ہی ابوطالب مکی کی قوت القلوب اور امام غزالی کی آربعین اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارث کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ یہ تو گویا طب پڑھنا ہے اور اس کا مطب یہ ہے

قال را بگذار مرد حال شو ؛ پیش مرد کاملے پامال شو
 "قال کو چھوڑ کر حال پیدا کرد، یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑو"

کیسی نا انصافی کی بات ہے کہ جب دس برس علم ظاہری کی تحصیل میں صرف کئے تو دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو۔ اور اس کا یہی طریق ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہو۔ اس کے اخلاق، عادات، عبادات کو دیکھو کہ غصہ کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ شہوت کے وقت میں وہ کیسی حالت میں رہتا ہے۔ خوشامد کا اس پر کہاں تک اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح تمام اخلاق کا حال ہے۔ کیونکہ پھر جب کبھی اس کو غصہ آئے گا تو سوچے گا کہ اس کامل کی غصہ کے وقت کیا حالت ہوئی تھی ہم بھی ویسا ہی کریں۔ اس کے اخلاق و عادات پیش نظر

ہو جائیں گے۔ یہ اس کا مطلب ہوا۔ چنانچہ کہا ہے سے

اے پیغمبر بکوش کہ صاحب خبر شومی ؎ تاراہ میں نباشی کے راہ بر شومی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ؎ ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شومی
اے بے خبر کوشش کر کہ صاحب خبر ہو جائے۔ جب تک راہ میں (رستہ دیکھنے والا) نہوگا
راہ بر (راستہ دکھلانے والا) کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لئے حقائق کے مدرسہ میں ادیب

عشق کے سامنے کوشش کر کہ ایک نہ ایک روز باپ (یعنی مصلح) بن جائے گا۔

ساری خرابی انہی نا عاقبت اندیش واعظوں کی ڈالی ہوئی ہے۔ ایسی ایسی حکایتیں
بیان کرتے ہیں جس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ عمل کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ اور جو کچھ
کرتے ہیں ایسی حکایتوں کی وجہ سے اس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مثلاً طلب حلال
کے متعلق یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حلال روزی کی طلب میں
بھٹکے، ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جس کے پاس حلال روزی کی خبر لگی تھی۔ اس
نے جواب دیا کہ تھی تو میرے پاس لیکن چند روز سے حلال نہیں رہی۔ اتفاق سے
میرا بیل دوسرے کے کھیت میں چلا گیا دوسرے کھیت کی مٹی اس کے پیسر میں
لگ کر میرے کھیت میں آگری۔ اس لئے اب روزی حلال نہیں رہی۔ محض
مستبعد بات ہے۔ اول تو یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی کے بیل کھیت ہی میں ہمیشہ
رہا کریں۔ باہر نکلنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور اگر ہو بھی تو اس سے کہیں حرمت
آتی ہے۔ اور تمام امور سے قطع نظر کر کے اگر اس کی کوئی توجیہ بھی ہو تو اس
بزرگ کی خاص حالت ہوگی عام تکلیف تو نہیں دی جاسکتی۔

اب ظاہر ہے کہ اس حکایت کو سن کر یہ خیال پیدا ہوگا کہ حلال روزی تو
مکن نہیں، اس لئے پھر خوب دل کھول کر حرام ہی کمایا جاوے۔ جس طرح ملے،
چوری سے، دعا بازی سے، رشوت سے، سود سے سب لینا چاہئے۔ اور اس طرح
تباہ ہو جاتے ہیں۔ ایسی باتیں بیان کرنے سے ان کی غرض ہوتی ہے کہ وعظ میں
ذرا رنگ آجاوے۔ نئی بات ہونے کی وجہ سے لوگوں کو پسند آئے، خوب

واہ واہ ہو، شریعت میں سرگز ایسی تنگی نہیں ہے۔ ایسی تنگی کی تو ایسی مثال ہے جسے کہ ایک بخیل صاحب کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ بے چراغ بڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کو مسجد میں چل کھڑے ہوئے، راستے میں یاد آیا کہ یہ فضول خرچی ہے۔ لوٹ کر چراغ گل کرنے آئے۔ نوٹڈمی نے پوچھا خیر تو ہے، حضور کیسے لوٹ آئے؟ اتنی فضول خرچی ہوئی کہ آپ کے یہاں تک لوٹ کر آنے میں جوتہ گھس گیا ہوگا۔ بڑے خوش ہوئے اور جواب دیا کہ چراغ جلتا ہوا چھوڑ گیا تھا اس کے بجھانے کو آیا ہوں۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی گل کر دیا تھا۔ وہ بولے تنہا باش کہ تو بڑی محتاط ہے۔ اور تجھے فکر ہے کہ کوئی فضول خرچی نہ ہو حتیٰ کہ میرے جوتہ گھسنے کا بھی خیال ہے لیکن سمجھ لے کہ میں نے نوٹتے وقت جوتہ اُتار کر بغل میں دبا لیا تھا۔ لَا خَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ شریعت ایسی مہل باتوں سے پاک ہو ایسی تنگی اس میں کہاں؟ بلکہ جب حلال صورتیں بکثرت بتلائی جائیں گی تو فقیہ عمل کی ہوگی، حلال روزی کی فکر کریں گے۔ سمجھ لو کہ ہدایہ و کنز وغیرہ میں جو چیزیں حلال لکھی ہیں وہ بلاشبہ حلال ہیں اس میں ذرا شک نہیں۔ بات کیا ہے کہ اہل باطن جو مغلوب الحال تھے یہ ان کی حکایتیں ہیں، عوام کے سامنے اُن کو بیان کر دیا۔ یہ تو وہی مثل ہو گئی کہ ایک شخص کو پیش کا عارضہ تھا، حکیم صاحب نے اُن کے لئے وہی خشک تجویز فرمایا۔ اور ایک شخص کو ضعف دماغ تھا اس کے لئے مقوی چیزیں گوشت، یخنی، دودھ، قورمہ تجویز کیا۔ اب اگر پیش والا سن کر اس پر عمل کرنے لگے تباہ نہیں ہوگا تو کیا ہوگا مرے گا۔

اسی طرح جو حالات بیان کئے تھے سچ تھے، لیکن یہ کس کے تھے اہل باطن کے لئے، یہ ضروری نہیں کہ ہر سچی بات بیان کر ہی دی جائے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہی خشوع ہے اور یہی بڑا کمال ہے کہ تیر بھی لگے تو خبر نہ ہو۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز کو ذرا طویل کروں لیکن کسی بچے کے رونے کی

آواز سننا ہوں تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان ہو جائے گی :-
اب بتلائے کہ یہ کمال کی حالت ہے یا وہ۔ تیر کی خبر نہ ہونا بھی ایک حالت
ہے جسے ہتھرات و محویت کہتے ہیں۔ لیکن وہ خشوع نہیں ہے۔ نماز کے معنی اگر
کوئی بیان کرے کہ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک نہ کھانا تو یہ غلط ہو
اگرچہ نماز بھی کوئی چیز ہے لیکن یہ نماز نہیں ہے اسی طرح یہ حالت ہے تو ضرور
لیکن یہ خشوع نہیں ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوتی جیسے کہ ایک مرتبہ مقدمہ
پیش ہوا، مدعا علیہ نے گواہی پر جرح کی کہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا واہ صاحب
میں توج بھی کر آیا ہوں۔ قاضی نے اس سے پوچھا کہ اچھا بتلا زمزم کیا چیز ہے
اور عرفات کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زمزم ایک بوڑھا آدمی ہے اور
عرفات ایک باغ ہے۔ جس میں وہ بوڑھا بیٹھا ہوا ہے۔ قاضی نے کہا کہ کیا غلط
کہتا ہے فضول بکتا ہے ہم نے خود ج کیا ہے زمزم ایک کنویں کا نام ہے اور
عرفات ایک جنگل ہے۔ اس نے کہا جب میں گیا تھا اس وقت تو یہی تھا آپ
کے جانے کے وقت بدل گیا ہوگا۔

۲۱ خشوع کے معنی یہ کہنا کہ کچھ خبر نہ ہو ایسا ہی ہے جیسے کاذب نے کنویں
اور عرفات کی حقیقت بیان کی تھی۔ ہاں اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی ایک
حالت ہے۔ جیسے عرفات و زمزم کا وجود واقعی تھا، گو جو وہ کہتا تھا نہ تھا گو بعض
لوگ سرے سے اس حالت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ امر خلافت
فطرت ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اس طرح کہ اس کو
تیر لگنے کی خبر نہ ہو۔ اس منکر کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی مادر زاد عنین لڈ
جماع کا انکار کرے، یا کوئی مادر زاد اندھا کہے کہ لوگ جس کو دیکھنا کہتے ہیں وہ
کوئی چیز نہیں ہے۔ حالانکہ ایسے واقعات ثابت ہوئے ہیں۔ امام مالک حدیث
شریف کا بیان کر رہے تھے ان کی آستین میں کہیں سے کبخت ایک بچو گھس گیا
تھا وہ ڈنک مارتا تھا جس کے صدمہ سے ان کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا لیکن اُن

نہیں کرتے تھے اور برابر حدیث شریف کا بیان کرتے رہے۔ حتیٰ کہ گیارہ بار اس نے نیش زنی کی۔ جب گھر میں آکر کڑتہ اُتارا تو کُرتے میں خادم نے بچھو کو دیکھ کر عرض کیا کہ آپ نے اس وقت کیوں نہیں اظہار فرمایا۔ جواب دیا کہ مجھے شرم آئی کہ حدیث شریف کے وقت دوسری طرف متوجہ ہوں،

لیکن باوجود اس کے خشوع کے یہ معنی نہیں کہ دوسرا خیال نہ آوے۔ جو شخص خشوع کی حقیقت نہ سمجھے گا سخت غلطی میں مبتلا ہوگا۔ سمجھے گا کہ دوسرا خیال تو رک سکتا نہیں اور بندہ خشوع کا ہے مکلف اس لئے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ہیں شک کرنے لگے۔ ایسی حکایتوں سے یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔

اب چاہئے کہ خشوع کی حقیقت کو خوب سمجھ لیجئے۔ پہلے لغت کے موافق اس کے معنی بیان کئے جاتے ہیں پھر شرعیات سے اس کی تائید کر دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ خشوع کیا چیز ہے۔ خشوع کے معنی ہیں دَب جانا پست ہو جانا، یعنی سکون جیسا کہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْتَکَ مَرٰی الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَیْہَا السَّاءَ اسْتَهْزَتْ وَرَبَّتْ

”یعنی منجملہ اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ (اے مخاطب) تو زمین کو دیکھ رہا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے۔ پھر جب اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے“

چونکہ اسْتَهْزَتْ وَرَبَّتْ سے خَاشِعَةً کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسْتَهْزَاذ اور اُبھرنے میں حرکت ہے تو خَاشِعَةً کے معنی سکون اور لپستی والی کے ہوں گے۔ اس کے مقابلہ سے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں خود لغت شاہد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شے کا حرکت و سکون جداگانہ ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ہاتھ چل رہا ہے تو اس کے معنی ہلنے چلنے اور نقل مکانی کے ہوں گے۔ اور اگر کہا جائے کہ فلاں کی طبیعت خوب چلتی ہے تو یہاں یہ معنی نہیں مراد ہوں گے بلکہ یہاں اور معنی

ہوں گے یعنی فکر کرنا اور سوچنا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سنئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی چیزیں عنایت فرمائی ہیں ظاہر اور باطن، یا یوں کہو کہ جوارح اور قلب۔ پس کمال خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ جوارح بھی ساکن رہیں اور قلب بھی۔ لیکن دونوں کا سکون جدا جدا ہے۔ جوارح کا سکون تو یہ ہے کہ ادھر ادھر دیکھے نہیں ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس کے مقابلات کا نام حرکت ہوگا۔ اور قلب کا سکون اس کی حرکت کے مقابل ہے۔ حرکت تو یہ ہے کہ خیال کرنا، تصور کرنا، فکر کرنا یعنی سوچنا، اور سکون اس کا عدم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فکر کرنا اور سوچنا فعل اختیاری ہے اور قدرت اور اختیار ضدین سے متعلق ہوتا ہے۔ پس جب یہ حرکت اختیاری ہے تو اس کے مقابل سکون بھی یعنی سوچنا اختیاری ہوگا۔ اور آدمی اختیاری ہی چیزوں میں مکلف ہوتا ہے۔ لہذا خشوع کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دلیس نہ آنا۔ یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ خیال کا آنا تو اختیاری نہیں ہے۔ اور خیال کا لانا اختیاری ہے۔

۲۳

پس خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرے خیالات دل میں نہ لاوے۔ رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آوے تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ میرے دل میں ایسے ایسے خیال آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان سے آسان معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا اَوْجَدْتُ مَوَءَةً قَالُوا نَعَمْ قَالَ ذَلِكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ، یعنی آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کو پایا ہے۔ یعنی کیا ایسے خیالات تمہیں آتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے۔ اور کیوں نہ ہو، چور تو ذہن آتا ہے جہاں مال ہو متاع ہو۔ اسی طرح شیطان دہن آتا ہے جہاں متاع ایمان ہو۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں سہ دیو آید سوئے انسان بہر شر و پیش تو ناید کہ از دیوے بستر

شیطان تو انسان کی طرف شر کے لئے آتا ہے تیرے پاس نہ آئے گا کہ شیطان سے بدتر ہے۔
 شیطان بڑا استاد ہے اپنا وقت فضول ضائع نہیں کرتا، جو خود شیطان بن گیا
 ہے اس کو بہکانے کی کوشش نہیں کرتا۔ ہاں جس میں کچھ ایمان باقی ہے اسی
 کی فکر میں رہتا ہے۔ اپنی دُعا کا پکا ہے۔ ایمان داروں ہی کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔
 ہم لوگوں کو تو اس سے خاص صفت میں سبق حاصل کرنا چاہئے تھا۔

ایک چور نہایت نامی تھا، ہمیشہ چوری کیا کرتا تھا۔ آخر ایک مرتبہ
 سُولی دیدی گئی۔ حضرت جنیدؒ نے دوڑ کر اس کے پیر چوم لئے۔ لوگوں نے
 سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کی استقامت قابل تعریف ہے۔ اگر ہم خدا کی
 اطاعت میں ایسی استقامت کریں تو ہمارے مداح کا کہیں ٹھکانا ہی نہ رہے
 اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے اور دوسوہ اور خیالات کی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے
 بڑے بڑے خیالات جن پر عمل نہ ہو مگر طبیعت منقبض ہو، الجھے، بزرگوں،
 کو آتے ہیں۔ فاسقوں کو ایسے خیالات نہیں آتے۔ اور ان دسادس سے پریشانی
 کا باعث ہی ہے کہ کسی طیب قلب کی صحبت نہیں نصیب ہوتی۔ اگر کڑی
 جاننے والا مل جاتا تو کہہ دیتا کہ اگر دسوسے آتے ہیں تو آنے دو کچھ پرواہ نہ
 کرو۔ قلب کی حالت تو شاہی سڑک کی سی ہے۔ کہ اس پر حاکم، رئیس اور
 ادنیٰ چار دونوں گزرتے چلے جاتے ہیں ۵

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں و درمیان شاخ برزخ للبعیاں
 بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر جاری ہیں، مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے
 جس کی وجہ سے باہم مغلط اور مشتبہ نہیں ہونے پاتے۔

شیطان کی حالت کتے کی سی ہے۔ کتا بھونکا کرے اور التفات نہ کیا جائے
 تو آپ چپ ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو دفع کرنا چاہے
 تو اور زیادہ غصہ کر کر کے بھونکتا ہے۔ اسی طرح دسادس شیطان کی طرف
 التفات ہی نہ کرے۔ کیونکہ شیطان سے جو وقتا ہے اور اس کا خیال رکھتا ہے

اس کے سامنے آموچود ہوتا ہے۔ وسوسے پر جو عملیں ہوگا وہ سخت پریشان ہوگا۔ بلکہ جب وسوسہ آئے تو اور خوش ہونا چاہئے کہ الحمد للہ دولت ایمان موجود ہے اگر آدمی میں قوت توکل اور اعتماد علی اللہ واللہ پر بھروسہ کی صفت ہو تو ایک شیطان کیا اگر لاکھ شیطان ہوں تو کچھ نہیں بنا سکتے۔ ہاں قصداً خیال کالانا پیشک منافی خشوع اور حضور قلب کے ہے۔

اب اس تقریر سے ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ خشوع اور حضور قلب اختیار کی ہے اور نہایت آسان ہے لیکن تاہم جب تک طریق نہ معلوم ہو اور اس پر عمل نہ کیا جاوے کامیابی نہیں ہو سکتی۔ کپڑا سینا آسان ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کیسے کپڑا پیتے ہیں، لیکن سینا جب ہی آسکتا ہے کہ کسی درزی سے طریق سیکھا جائے اور اُس پر عمل کیا جائے۔ اسی طرح حضور قلب کا حال ہے، اُس طریقے کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے۔ یہ مسئلہ عقلی ہے کہ اَلنَّفْسُ

۲۵

لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰی شَيْئَيْنِ فِيْ اِنِّ وَ اِحِدٍ نَّفْسٍ اَبْ اَنِّ مِیْنِ دُوْ حِیْزُوْنِ كِیْ سَرَفٍ مَّتَوَجَّهٍ نَهِيْیْنِ ہو سکتا، یعنی پوری توجہ ایک ہی چیز کی طرف ہوا ہے۔ ایک آن میں اگر دو چیزیں خیال میں ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ دونوں میں سے کی طرف بھی پوری توجہ نہیں۔ یا دو چیزیں نظر آتی ہوں تو توجہ کامل دونوں میں سے کسی کی طرف بھی نہیں۔ جس چیز کو آدمی گھورتا ہے اسی کی طرف دیکھنے میں توجہ ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ طریقہ یہی ہے کہ ایک خیال رکھیں تو دوسرے خیالات خود دفع ہو جائیں گے اور کوئی خیال نہ آئے گا۔ کیونکہ اگر یہ کوشش کی جاوے کہ ایک ایک کر کے خیالات دفع کئے جاویں تو سخت دشواری پیش آئے گی اور دفع ہو جانا ناممکن ہو جائے گا۔ کیونکہ اول تو دیکھی ہوئی چیزیں انسان کی بکثرت ہیں۔ پھر علاوہ اس کے انسانی قوت متفکرہ یا متخیلہ انکو ترکیب دے دیکر بے تعداد فرضی صورتیں اختراع کیا کرتی ہے۔ مثلاً آپ نے دوسرے آدمی کبھی نہیں دیکھا ہوگا لیکن یہ قوت متفکرہ ایک دھڑ اور دوسرے کو جوڑ کر

خیالی صورت بنا کر سامنے کھڑا کر دیتی ہے۔ اور انسان کو معلوم ہونے لگتا ہے کہ دوسرے کا آدمی ایسا ہو سکتا ہے۔

بہر حال ایک ایک خیال کو دفع کرنا بہت دشوار اور بڑی ہی مصیبت ہے۔ کبھی بھول کر بھی خیالات دفع کرنے کے سچھے مت پڑو۔ پس اس کا طریقہ یہی ہے کہ کسی نیک چیز کی طرف دھیان لگا دو، اس دھیان کے باندھتے ہی سارے خیالات خود بخود ہٹ جائیں گے۔ بعض سالکین نے نادانقی کے عہد ہجوم و ساوس سے پریشان ہو کر خود کشی کر لی ہے۔ یہ کیوں، اس لئے کہ یا تو ان کو شیخ نہیں ملا یا شیخ کی تعلیم کی قدر نہیں کی۔ شیخ، جس پر یہ امور گذرے ہوتے ہیں جانتا ہے اور بتلا سکتا ہے۔ ایسی پریشانی کی حالت کو قبض کہتے ہیں۔ اس میں عبادت میں بھی مزہ نہیں آتا اور جی گھٹتا ہے، اور جی گھٹنے کی وجہ یہ ہے کہ لذت نہیں ملتی۔ ہم لوگوں کی عجیب حالت ہے۔ عبادت بھی ایسی کرنا چاہتے ہیں جس میں حظ نفسانی ملے۔ عبادت بھی چاہتے ہیں تو مزیدار۔ حالانکہ مزہ مطلوب نہیں ہے بلکہ تعبد مطلوب ہے۔ نسبت مزے سے عبادت سہل ہو جاتی ہے۔ غرض طالب کی یہ حالت ہونا چاہیے۔

خوشا وقت شوریدگانِ عمش | اگر ریش بسیند و گر مرہش

اس کے غم کے پریشان لوگوں کا اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں

گدایانے از بادشاہی تفور | بامیدش اندر گدائی صبور

یہ فقیر کہ بادشاہی سے نفرت کر نیوالے اور اس کی امید پر فقیری میں قناعت کرنے والے

دام شراب الم درکشند | اگر تلخ بسیند دم درکشند

ہر دم رنج کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش ہو جاتے ہیں

اگر مرد عشقی گم خویش گیر | وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

اگر عاشق ہے تو محبوب کے عشق میں آپکے فنا کر، ورنہ اپنی آسائش کی راہ اختیار کر

مترس از محبت کہ خاکت کند | کہ باقی شومی چوں ہلاکت کند

لذت ڈر کہ محبت تجھ کو خاک کر دے اس لئے کہ اگر تجھ کو ہلاک کرے گی تو بقائے جاودانی تجھ کو عطا کرے گی۔

۵ ہرگز نیرد آن کہ دلش زندہ شد عشق
 ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما
 جس کو عشق سے روحانی حیات حاصل ہو گئی وہ مَر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اس کو لذتِ قرب
 علی وجہ الکمال حاصل ہو جاتی ہے اس لئے اسکو مردہ نہ کہنا چاہئے۔

۵ باغبان گر پنچ روزے صحبت گل بایش
 بر حفائے خار، ہجران صبر بلبل بایش
 اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال
 مرغ زیرک گر بدام افتد تحمل بایش
 باغبان کو اگر صحبت گل کی خواہش ہے تو اس کو بلبل کی طرح ہجر کے کانٹوں کی اذیت پر صبر کرنا چاہئے
 اے دل محبوب کی زلف کے پھندے میں پھنس کر پریشانی سے گریہ و زاری مت کر۔ سمجھدار پرند
 جب جال میں پھنس جاتا ہے تو اس کو صبر و تحمل چاہئے۔

۵ ناخوش تو خوش بود بر حبان من
 دل فدائے یار دل رنخبان من
 محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو وہ میری جان پر خوش
 اور پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان کو بچ دینے والا ہے اپنے دل کو ترسان کرتا ہوں۔

۲۷

۵ پس زبون و سوسہ باشی دلا
 گر طرب را باز دانی از بلا
 پس بُرا دوسوسہ ہواے دل اگر خوشی کو بلا سے جدا جانے۔

ہمت والوں کا تو یہ قول ہے

روز ہا گرفت گور و پاک نیست
 تو ہماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست
 ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہئے اگر گئے بلا سے، عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیوں

سے پاک و صاف ہے اس کا ہونا کافی ہے۔

تم لذت کی کچھ فکر نہ کرو، کام کئے جاؤ، لذت نہ آئے بلا سے نہ آئے۔
 حضور قلب کا طریق کلی طور پر تو معلوم ہو گیا۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کون سی
 شے ہے جس میں دل لگایا جائے۔ اس کے دو طریق ہیں، ایک تو مشہور ہے جو لوگوں
 نے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنَّ لَكَ قَرَّاهُ فَاِنَّ لَكَ قَرَّاهُ فَإِنَّ لَكَ قَرَّاهُ فَإِنَّ لَكَ قَرَّاهُ
 اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، پس اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے
 سے سمجھا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ سمجھنا صحیح نہیں۔ اور اس کا بیان آگے آوے گا۔

دوسرا طریقی (جو استاد علیہ الرحمۃ مولانا محمد یعقوب صاحب نے بتلایا تھا۔ اور
الحمد للہ کہ ایک حدیث سے بھی میری سمجھ میں آگیا اور تجربہ بھی اس کے مفید
ہونے پر شاہد ہے) یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اس طرح کہ مُقْبِلًا عَلَیْهَا
بِقَلْبِہ یعنی حال یہ ہو کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے۔ اب نماز دیکھنا چاہئے کہ
تام کس کا ہے۔ سو اس میں بعضی چیزیں تو مختلف ہیں ان کی طرف توجہ کرنے
سے مبتدی کو یکسوئی حاصل ہونا ذرا تکلف ہے۔ اس لئے دیکھنا چاہئے کہ اس میں
ایسی کونسی چیز ہو جو نماز میں برابر ہوتی رہتی ہے۔ سو وہ ذکر اللہ ہے کہ ابتداء
سے انتہا تک پایا جاتا ہے۔

تو اب نماز میں متوجہ ہونے کی صورت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ ذکر اللہ
کی طرف برابر توجہ رہے۔ یعنی جو کچھ پڑھا جاوے سوچ سوچ کر پڑھا جائے۔ پہلے
سوچ لو پھر زبان سے نکالو، یہ نہیں کہ ریل گاڑی ہے جہاں ڈرائیور نے گل چلا دی
اور گاڑی اُڑی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اسٹیشن آگیا اور ڈرائیور نے روکی تو
تھمی۔ اس طرح سے اپنے اندر کی ریل گاڑی کو اگر ہم چلائیں گے تو لڑے گی۔
اس کا کیا نتیجہ ہوگا کہ سارے قوائے محمودہ کے مسافر پاش پاش ہو جائیں گے اور
زمین باطل میں بھل پڑ جائے گی۔ دنیاوی ریل کے لڑنے کا حال تو اسی وقت
آنکھ سے نظر آجاتا ہے ہماری اندرونی ریل کے لڑنے کا حال قیامت میں کھلے گا۔
بہر حال چاہئے کہ ہر ہر لفظ کو سوچ سوچ کر پڑھو۔ اگرچہ اس میں دو چار
دن مشقت معلوم ہوگی جی گھبراتے گا، کیونکہ جی روکنا پڑے گا، لیکن جہاں ہم اپنے
دنیاوی ذرا ذرا سے کاموں میں مشقت اٹھاتے ہیں خدا کے لئے ذرا سی مشقت
اٹھانا گوارا کریں، جب دنیا بے مشقت نہیں ملتی تو خدا کو چاہتے ہو کہ بے مشقت
ہی مل جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے تربان چائے
کیسے چھوٹے چھوٹے لفظوں میں اتنے بڑے بڑے دشوار کلام کو آسان کر کے بتلادیا

اور کیوں نہ ہو عَلَّمَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَعْلِيمِي وَ أَدَبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي
 اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تعلیم دی پس بہترین ہے میری تعلیم، اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ادب سکھایا

پس بہترین ہے میری تادیب،۔ یہ خدا کی تعلیم ہے سے

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

آپ کا فرمان اللہ کا فرمان ہے، اگرچہ ایک اللہ کے بندے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

کے منہ سے ادا ہوا ہے!

۵ درپس آئینہ طوطی صفتم داشته اند آنچہ استاد ازل گفت ہما می گویم

پس پردہ مجھے طوطی کی طرح بٹھا دیا ہے، مجھے جو حکم استاد ازل سے ملا تھا وہی کہہ رہا ہوں!

اس کے علاوہ ایک مشہور طریق حضور قلب کا وہ ہے جو حدیث آن تَعْبُدَنَّ

اللہَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ الخ سے لوگوں نے سمجھا ہے۔ یعنی عبادت کرتے وقت یہ خیال

کرے کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں، اور اگر یہ طوطی ہو تو یہ سمجھے کہ خدا مجھ کو دیکھ رہا

۲۹ ہے۔ پس گویا دو طریق متقابل ہیں لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ اول تو لفظوں

کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ سوال حقیقت احسان سے ہے نہ طریق تحصیل احسان

سے ہے۔ چنانچہ جو جواب دیا گیا ہے اس میں احسان کی حقیقت بتلائی ہے نہ کہ

طریق۔ چنانچہ اس کے قبل بھی اسلام اور ایمان کی حقیقت ہی سے سوال وجواب

کا ہونا اس کا اور بھی مؤید ہے، دوسرے تجربہ بھی شاہد ہے کہ تصور رویت

حق حضور قلب کے لئے عموماً اور خصوصاً مبتدی کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ کیونکہ

طبیعت پریشان ہوتی ہے کہ خدا کو کیسا سمجھوں۔ اور ایک صورت سمجھ میں

آتی ہے پھر اس کا دفع کرنا ہے۔ اسی طرح پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو کبھی دیکھا نہیں اس کا تصور کیسے جم سکتا ہے۔ البتہ

منتہی کو خدا کے دیکھنے کا تصور بے کیف ذوقی طور پر میسر ہو جاتا ہے۔ اور طریقہ

عام ہونا چاہیے۔ علاوہ بریں اگر مضاف محذوف مان کر (یعنی طریقہ ان الخ) سے

طریق ہی تشریح دیا جاوے تو تقابل ٹھیک نہیں ہوتا۔ کیونکہ كَأَنَّكَ تَرَاهُ

کے بعد یہ کہا ہے کہ اگر تم اسے دیکھتے نہ ہو تو بیشک وہ تمہیں دیکھتا ہے۔ سو یہ مضمون جملہ اولیٰ کے ساتھ جمع ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اگر تم ایسی عبادت نہ کر سکو کہ گویا اسے دیکھتے ہو (تو یہ سمجھو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ بہر حال یہ طریق الفاظ حدیث اور تجربہ دونوں کے خلاف ہے۔ پس اس حدیث میں حقیقت احسان کا بیان ہے، طریق مذکور نہیں۔ رہا حدیث کے معنی کیا ہیں تو اس کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کام کر رہا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہمارا مالک اور حاکم دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کام بالکل ٹھیک کرنے لگے گا۔ اور احتیاط رکھے گا کہ کوئی خرابی نہ ہونے پائے۔ اور اگر کہیں خود حاکم کو دیکھ لیا تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے۔ اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے کام کو خوب اچھی طرح انجام دے گا۔ چنانچہ طالب علموں ہی کو دیکھ لیجئے کہ اُستاد کی عدم موجودگی میں آپس میں بیٹھتے ہیں تو ظرافت اور ہنسی کی باتوں میں بھی باک نہیں ہوتا۔ دل کھول کر ایک دوسرے سے بولتے ہیں، کہیں پیر پھیلائے ہیں، کہیں کوئی شعر پڑھ رہے ہیں۔ اور جہاں کسی نے دیکھ لیا کہ مولوسی صاحب دیکھ رہے ہیں فوراً مودب ہو کر بیٹھ گئے اور خاموشی اختیار کر لی۔ اور کہیں اپنی نظر استاد پر پڑ گئی تب تو ادب کا ٹھکانا ہی نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ حاکم کی نظر کے سامنے ہونے کے وقت کام خوب عمدگی سے ہوتا ہے، تو مطلب اس حدیث کا یہ ہوا کہ خدا کی ایسے حسن و خوبی سے عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو یعنی اگر فرضاً تم خدا کو دیکھتے تو سوچو اس وقت تمہاری عبادت کس طرح کی ہوتی۔ اب بھی اسی حالت کے مشابہ تمہاری عبادت ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر تم اسے نہ بھی دیکھتے ہو تو کیا ہوا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (یہ اس لئے بڑھایا کہ پہلے جملے سے یہ سوال ہو سکتا تھا کہ جب واقع میں ہم نہیں دیکھتے تو اس طرح کی تحسین عبادت کس طرح ممکن ہے، اس کا جواب اس سے مفہوم ہو گیا کہ دیکھنے والے کی تحسین کے لئے حق تعالیٰ کی رویت کا تعلق بھی کافی ہے)۔ غرض

فَان لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ (پس اگر تم اس کو نہیں دیکھتے) میں فائے تعقیب نہ لیجائے، بلکہ فائے علت قرار دی جائے، یہاں تک تو آپ کو خشوع کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی۔ اس کا ضروری ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ طریقہ سے بھی واقفیت حاصل ہو چکی۔ اب خاتمہ کے طور پر ایک امر اور بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس خشوع کے پیدا کرنے کا وقت کونسا ہے۔ آیا ہر وقت خشوع ہی کے اہتمام میں رہیں یا اس کا کوئی خاص وقت ہے تو اب سنئے کہ ایک خشوع تو مستحب ہے اور دوسرا واجب ہے۔ مستحب تو یہ ہے کہ ہر وقت یہی حالت استحضار کی قلب پر غالب رہے۔ لیکن یہ ہر شخص کے لئے نہیں ہے۔ صرف اسی کو جائز ہے جسکی ایسی حالت نہ ہو کہ نہ تو خود اس کی ضروریات میں مغل ہو، نہ کسی دوسرے کی حق تلفی کا باعث ہو ورنہ تباہی کی نوبت آجائے گی۔ مستحب کے لئے واجبات ترک ہونے لگیں گے، بجائے ثواب کے الٹا وبال ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کسی کی بی بی آٹے کے لئے پیسے دے کہ آٹا لے آؤ بچے بھوکے ہو رہے ہیں اور وہ لگے رہیں خشوع حاصل کرنے میں جس کی وجہ سے بچے بھوکے مریں، تو ایسا خشوع موجب قرب نہیں ہو سکتا۔ خدا سے دوری کا باعث ہوگا۔ حکایت ہو کہ ایک دلایتی صاحب کسی مسجد میں ٹھیرے تھے۔ جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایک مسافر جو وہاں سو رہا تھا خراٹے لے رہا ہے۔ آپ نے اس کو کسی دفعہ تو اٹھا اٹھا کر بٹھا دیا اور کہا کہ تم کس طرح سوتے ہو ہمارے خشوع میں خلل پڑتا ہے۔ وہ بیچارہ تھکا ہوا تھا پھر سو گیا۔ آپ کو جو غصہ آیا نکال چھڑا اس کا کام تمام کر دیا۔ اچھا خشوع حاصل کیا کہ بیچارے کی جان ہی لے ڈالی۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے اپنی بی بی بچوں کو تباہ کر رکھا ہے۔ اور غلطی میں مبتلا ہیں، دائمی حضور قلب اور خشوع کے پیچھے حق تلفیاں کرتے ہیں۔ یہ امر نہایت نازیبا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوگئی کہ کسی نے نوکر سے کہا کہ ہم بھوکے ہیں کھانا لاؤ، وہ بجائے کھانے کے دوڑ کر برف سے ٹھنڈا

کر کے پانی لے آیا اور اسی پر اصرار کرتا ہے کہ نہیں جناب پانی ہی پیجئے بہت ٹھنڈا ہے، کھانا نہ کھائیے تو ایسے نوکر سے مالک خوش ہو گا یا ناراض۔ جیسے ایک صاحب کا نوکر تھا اس سے مانگنا خلال وہ اٹھا لایا بانس، مانگنا لحاف وہ اٹھا لایا گھوڑے کا چار جامہ اور اصرار کرتا ہے کہ لو اسی کو اوڑھ لو۔ یہ گستاخی ہے یا نہیں۔ یہ ساری خرابیاں خود رانی کی ہیں، خود رانی بھی بڑی مفسر شے ہے۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفرست درین مذہب خود بینی و خود رانی
آپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اس طریق میں
خود بینی اور خود رانی کفر ہے۔

مناسب تو یہ ہے کہ ایسا ہو جائے

چوں قلم در پنجرہ تقلیب رب

یہاں تو جو حکم ہو وہ ہی کرو، یہی کمال ہے۔ مثلاً اگر کسی کو پانچانہ زور سے لگا ہو اور وہ نماز پڑھنا چاہے تو بڑا ہے۔ چاہئے کہ پہلے فارغ ہو جائے پھر نماز پڑھے۔ اگر کوئی اصرار کرے اور کہنے لگے کہ صاحب نماز پڑھنا تو عبادت ہے اور پیشاب پانچانہ تو نجاست کا کام ہے میں تو نماز ہی پڑھوں گا، تو وہ بجا کرتا ہے۔ اس طرح نماز کا بھی ستیاناس کرے گا۔

خلاصہ یہ کہ اس مرتبہ خشوع کا اہتمام اس کے لئے ہے جس سے اسکے باعث نہ تو کسی کا حق تلف ہو، نہ دین کا ضرر ہو اور نہ کسی کو دنیا کا ضرر پہنچے۔ دین کے ضرر کی صورت یہ ہے کہ کوئی طالب علم ہے کہ رات کو تو خشوع پیدا کرتا رہے، مطالعہ دیکھا نہیں۔ صبح کو جب سبق پڑھنے بیٹھے تو کچھ سمجھ میں آتا نہیں آخر بے دلی سے پڑھ پڑھ کر کتابیں تمام کیں۔ نہ کچھ آیا نہ گیا۔ علم دین ایسی ضروری چیز ہے محروم رہے۔ بلکہ ناقص سے لوگوں کا مقتدا بن کر تباہ کرنا شروع کیا۔ دنیا کا ضرر یہ کہ بال بچے جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے اس میں کوتاہی ہونے

دلالتِ جان میں بہت سے آسمان ہیں جو آسمانِ دنیا میں کار فرما ہیں۔ رُوح کی راہ میں
نشیبِ فراز اور بلند پہاڑ و صحرا ہیں۔“

۵۔ بردِ سالک ہزاراں غم بود گرزِ باغِ دلِ حنلاے کم بود
سالک کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں اگر دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جائے۔
بہتیرے لوگ ہیں کہ ان کو خدا نے اطمینان دیا ہے۔ جائداد کی آمدنی چلی
آ رہی ہے، گھر سے باہر قدم نکالنا نہیں پڑتا، پھر بھی دن رات فضول
مضمون میں مبتلا رہتے ہیں۔ کہیں یہ ذکر ہو رہا ہے کہ جاپان اور روس
میں لڑائی ہو رہی ہے، کہیں جاپان کو ڈگری دلارہے ہیں کہیں روس کو،
فکر پڑی ہے کہ کیا ہونا چاہئے۔ گویا ان کے سامنے روس و جاپان کا مقدمہ
پیش ہوگا، اور فیصلہ کی ان سے درخواست کی جائے گی۔

۲ دن رات ایسی ہی لایعنی باتوں میں مصروف ہیں۔ یہ اطمینان رکھیں
ان کے پاس یہ مقدمہ نہیں پیش ہونے کا۔ ہاں اپنے اندر کے
روس و جاپان کی فکر کریں۔ اس کی بیشک ان سے باز پرس
ہوگی کہ تم نے قوتوں کو جاسے صرف کیا ہے یا بے جا؟
ایسے شخص کو تو چاہئے تھا کہ حُبِ الہی میں عسرق ہو کر اُن
مستربین میں سے ہو جاتا جن کے ساتھ خصوصیت کے معاملات
ہوتے ہیں، چنانچہ ایک بزرگ تھے انھوں نے پاؤں پھیلا دیئے
تھے، ان پر عتاب ہوا،

مستربوں کے احکام ہی دوسرے ہو جاتے ہیں، جو باتیں
عام لوگوں کو جائز ہوتی ہیں اُن کے لئے بے ادبی میں داخل ہیں۔ ع

مسترباں را بیش بود حیرانی

مقربین کے لئے حیرانی بہت ہوتی ہے۔“

اور گو اس میں مشقت شدید ہے لیکن قرب کے ساتھ اگر

اگر مشقت بھی اٹھانا پڑے تو کیا سے
 ہر کجا یوسف رُخے باشد چوماہ جنت است آن گرچہ باشد قعر چاہ
 ”جس جگہ محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے، اگرچہ گہرا کنواں کیوں ہو“

۷
 چہ خوش وقتے و خرم روزگارے؛
 کہ یارے بر خورد از وصل یارے؛
 ”وہ کیا اچھا وقت اور اچھا زمانہ ہے کہ اس
 میں کوئی محب اپنے محبوب کے وصل سے متمتع ہو

حاصل یہ کہ ایک تو وہ تھا جو فارغ محض تھا، اور ایک
 وہ ہے جس کے متعلق اور بھی خدمتیں ہیں۔ اہل و
 عیال کا نان و نفقہ واجب ہے، درس و تدریس میں مشغول
 ہے، وعظ و نصیحت سے لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، اس کی
 طرف لوگوں کی حاجت ہے، ایسے شخص کو ایسا اہتمام خشوع
 کہ ہر وقت اسی میں رہے ناجائز ہے۔ اس کے ذمے خشوع
 واجب حاصل کرنا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ عبادت کے
 وقت خشوع خاص پیدا کرے۔ کیوں کہ اس میں کوئی حرج
 نہیں ہوتا۔ جب تک کسی عبادت میں مشغول ہے دنیا کا
 کوئی کام تو کر ہی نہیں سکتا۔ پھر فائدہ کیا ہوا کہ اس نے اپنا
 وقت مفت پریشان کیا۔ اس لئے یہ مرتبہ ہر شخص پر واجب
 ہے۔ اس سے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ خدا کا کیا ہی انتظام ہے
 کہ نہ ہر شخص کو صوفی مستغرق بنا دیا اور نہ غفلت کی اجازت
 عنایت ہوئی۔

سارے وعظ کا خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے تو مقدمہ بیان ہوا۔ جس میں عوام و خواص سب ہی کی شکایت تھی، کہ خشوع کیوں حاصل نہیں کرتے، اس کے بعد مقصود کا بیان ہوا، وہ تین چیزوں پر مشتمل ہے۔ اول حقیقت، دوسرے فرضیت خشوع، تیسرے طریق خشوع۔ اس کے بعد خاتمہ مذکور ہوا جس میں درجات خشوع کا ذکر ہوا۔

اب خدا سے دعا کرنا چاہئے
کہ خدا تعالیٰ تو سنیت
عنایت فرمائے خشوع سے
بہرہ ور اور کامیاب بنائے؛

آمین ثم آمین

نقطہ

مُعَلِّمُ الْحَاجِّ
یہ کتاب جس کے پاس ہو تو گویا اس کے ساتھ ایک چلتا پھرتا عالم ہے۔ اب چند سال سے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں بالکل تبدیلیاں ہو گئی ہیں ان سب جگہ پر بالکل موجودہ صورت حال پر تمام کتاب میں ترمیم و تیسخ کر دی گئی ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ یہ کتاب پھر سے تصنیف ہوئی ہے۔ یوں سمجھئے کہ جہاز کا سفر، اونٹ کا سفر، جدہ اور معاینہ حجاج یہ تمام عنوانات از سر نو لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح کتاب کے شروع میں چند صفحات کے ایک مقدمہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں طواف کی وہ دعائیں جن کو بلا تفریق عقائد حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی تمام معلم پڑھتے ہیں جمع کر دی ہیں۔ اور ایک خاص بات یہ ہے کہ ۸ رذی الحجہ سے لے کر ۱۳ رذی الحجہ تک پانچ دن کا پورا پورا گرام شائع کر دیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اگر حاجی حضرات پوری کتاب کا مطالعہ نہ کر سکیں اور یہی مقام اگر دیکھ لیں تو ان کے سفر حج کا پورا پورا گرام اس مقدمہ میں مل جائے گا۔ نیز عربی کی اکثر عبارتوں کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ساتھ کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اشارة اللہ عوام کو اور سہولت ہو جائیگی۔ غرضیکہ کتاب کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ کتاب انڈیا میں چھپتی رہی ہے۔ مولانا مفتی قاری سعید احمد صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، اس کے مصنف ہیں۔ قیمت — / 15 علاوہ ڈاک خرچہ۔

چلنے کا پتہ: مکتبہ تھانوی مسافر خانہ بند رڈ۔ کراچی نمبر ۱

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً

رواه البخاری

وعظ

جو مشتمل ہے آیہ کریمہ

فَاِنَّ الْجَنَّةَ بِمِثْرِ الْمَاءِ

بمجلہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المنان

مکتبہ تھانوی، دفتر الابقار

متصل مسافر خانہ بسڈ روڈ کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

و عطف جو مشتمل ہے آیہ کریمہ

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوِیُّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنُسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ
 وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ الْفٰسِقِیْنَ وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مِنْ یَّهْمِرُهٗ اللّٰهُ فَلَا مُصَلَّ
 لَهٗ وَ مَنْ یُضِلُّهٗ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ
 وَ نَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ - اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ اَمَّا مِنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ تَمَّی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی
 فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوِیُّ - (اور جو شخص دنیا میں، اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا
 ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا)

یہ آیت سورہ و النازعات کی ہے، اس میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایک
 ایسی چیز کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے جس کا ہر شخص خواستگار ہے۔
 جس کو ذرا بھی اطلاع اس کی ہو جائے وہ مقتنون ہو جائے۔ مگر پہلے یہ سمجھ لیجئے
 کہ کسی چیز کی خواہش معتبر جب ہی ہوتی ہے کہ جب اس کے ذرائع میں
 بھی سعی کی جائے، جو شخص کسی شے کا طالب، مگر اس کے اسباب
 حاصل نہ کرے اس کو اس شے کا طالب نہیں کہہ سکتے مثلاً کوئی مالدار ہونا

چاہے۔ مگر جب اس سے کہیں ان علوم کو حاصل کر جو اکتسابِ روپیہ کے لئے ضروری ہیں۔ پھر کسی واقعہ کار کی صحبت میں رہ کہ ان علوم پر عمل یعنی اکتساب میں ہمارے ہو پھر کوئی کام شروع کر اور آمدنی اور خرچ کا حساب رکھ، کہ خرچ آمدنی سے کم رہے، تاکہ کچھ پس انداز ہو اور تھوڑا تھوڑا جمع ہو کر ایک رقم ہو جائے اور تمول حاصل ہو۔ تو کہتا ہے داہ صاحب مجھ سے علوم میں محنت نہیں ہوتی، کسی کے نخرے کیوں اٹھائے جانے لگے۔ پھر پابندی کا بارخواہ مخواہ اپنے اوپر کیوں لوں اور خرچ کو محدود کر کے دل کو کیوں ماروں جتنا جی چاہے گا خرچ کروں گا؛ اس شخص کو تمول کا طالب نہیں کہتے اس کو بواہوس کہتے ہیں۔

یا کوئی شخص جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے مگر ان راستوں کو نہیں اختیار کرتا جن سے جامع مسجد میں پہنچے اور قدم نہیں بڑھاتا، تو یہ شخص جامع مسجد میں کیسے پہنچے گا، اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثواب کا طالب ہے؟ یا کوئی شخص چاہتا ہے کہ غلہ اس کے پاس آجائے اور جب کہتے ہیں کھیتی کر زمین میں بیج ڈال پانی دے، کھیت کی نگہداشت کر، تو کہتا ہے کون کھیتی کرے اور سینچائی کس سے ہو سکتی ہے، کون گھر چھوڑ کر حفاظت کے لئے جنگل میں جا کر پڑے، مجھے تو غلہ چاہئے، یہ شخص احمق ہے اور غلہ کا طالب ہی نہیں ہے۔

اور جیسے کوئی اولاد چاہے اور جب کہا جائے نکاح کر اولاد ہو جاوے گی تو کہتا ہے کون بکھیرے میں پڑے، نکاح میں ایک رقم صرف کر دوں پھر نان و نفقہ کا مطالبہ ہو، مکان چاہئے، مہر کی فکر ہو، اور اور طرح طرح کی مصیبتیں کون مول لے، نکاح تو کرنے کا نہیں بس میں تو لڑکا چاہتا ہوں، یہ احمق ہی ہے۔ اللہ میاں نے اس فعل خاص کو ولد کے لئے سبب قرار دیا ہے، اس کو اختیار کرو اولاد بھی مل جائے گی۔

اور جیسے کہ کوئی چاہے کہ پیٹ بھر جائے اور جب کہیں کھانا کھاؤ لقمہ کو
چھاؤ اور ننگو پیٹ بھر جائے گا تو کہتا ہے کہ صاحب میں یہ تو کرنے کا نہیں۔
ظاہر ہے کہ محض احمق ہے۔

توضیح کے لئے یہ کئی مثالیں دی گئیں تاکہ یہ مقدمہ ذہن نشین ہو جائے
میں آگے انشاء اللہ ان سے کام لوں گا۔ غرض طالب اگر ذرائع کو اختیار
کرے تو طالب ہے ورنہ بواہوس ہے۔ ایسا آدمی ضرب المثل ہو جاتا ہے۔
دیکھنے اور سننے والے کہا کرتے ہیں کہ آدمی تو معقول ہیں مگر خبط ہو گیا ہے۔
دیکھتے پڑھ لکھ کر دماغ خراب ہوا ہے، نکاح تو کرتے نہیں اور اولاد کی دھن
ہے۔ کیسا افسوس ہے۔ وجہ یہی ہے کہ مسلم ہے کہ اگر سعی نہ کرے ذرائع
میں تو پاگل ہے۔ پس۔ اب تعجب یہ ہے کہ یہ قاعدہ دنیاوی امور میں تو ہر کس
ناکس، عالم، جاہل، بڑے اور چھوٹے سب کے نزدیک تسلیم کیا ہوا ہے، اور
جب دین کا معاملہ آپڑتا ہے تو بڑے بڑے عقلاء احمق بن جاتے ہیں۔ وہاں
مقصود کی زبانی طلب کو ہی طلب کہنے لگتے ہیں۔ اور اطمینان رہتا ہے کہ
بڑے طالب ہیں اور اس طلب پر نتیجہ ضرور مرتب ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو
زبان سے اولاد اولاد کہنے والے کو بھی طالب ولد کہنا چاہئے اور امید
رکھنی چاہئے کہ اس کے اولاد ہوگی (معلوم نہیں کس طرح ہوگی شاید مرد کے
بچہ پیدا ہوگا) معلوم نہیں کیا بات ہے، فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ دنیا میں تو
اسباب کو دخل ہو اور آخرت میں نہ ہو، بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے
کہ دنیاوی اسباب کو اتنا دخل اپنے مقاصد میں نہیں ہے جتنا کہ آخرت
کے اسباب کو مقاصد آخرت میں ہے۔

یہ بات ظاہراً مشکل معلوم ہوتی ہوگی، کیونکہ ذہن نشین یہی ہو رہا ہے
کہ دنیاوی کام تو اختیاری ہیں اور آخروی نہیں۔ جو لوگ ذرا عقلمند
ہیں وہ اتنا اور کہہ لیتے ہیں کہ ہوتا تو سب کچھ تقدیر ہی سے ہے مگر اسباب

اسباب خردی کو اپنے مقاصد میں لکھنا سبک زلفی ہو

حق تعالیٰ نے معتز فرمادیئے ہیں۔ مسئلہ تقدیر کو سمجھا مگر غلط سمجھا، چاہے فاسق ہوں یا فاجر ہوں، اگر تقدیر میں جنت ہے تو جائیں ہی گے، دنیا میں بھی یونہی کیوں نہ کہا کہ اسباب کو حاصل کریں یا نہ کریں اگر تقدیر میں مسبب لکھا ہے تو ملے ہی گا، نہ کوئی پیشہ کریں نہ کھیتی کریں نہ کھائیں اگر قسمت میں تمول اور غلہ اور پیٹ بھرنالکھا ہے تو ہو ہی جائے گا۔

بلکہ جیسا یہ خیال ہے کہ فسق و فجور کے ساتھ بھی جنت مل سکتی ہے باوجودیکہ یہ اعمال اس کے مضر ہیں، اس کے ساتھ یہ خیال بھی تو ہونا چاہئے تھا کہ دنیا کے مسببات در صورت ذرائع اختیار نہ کرنے کے تو کیا ان کے منافی اسباب کو اختیار کرنے کی صورت میں بھی اگر تقدیر میں ہیں تو مل ہی کر رہیں گے۔ تو جس کو غلہ کی طلب ہو اگر اس کے یہاں کھیت کھڑا ہو تو کھڑے ہوئے کھیت میں آگ لگا دینا چاہئے اور خوش ہونا چاہئے کہ اب غلہ ملے گا۔ جیسا کہ اب فسق و فجور کر کے اطمینان سے بیٹھے ہیں کہ جنت ملے ہی گی۔ غلطی یہی کہ دنیا کو اختیاری سمجھا اور آخرت کو نہیں۔ یا تو دونوں کو اختیاری سمجھا ہوتا یا دونوں میں تقدیر پر بیٹھے رہے ہوتے۔ ذرا غور سے سمجھ میں آجائے گا کہ واقعی بات کیا ہے۔

عقائد کا مسئلہ ہے کہ ہر سبب پر جو اثر مرتب ہوتا ہے وہ باذنہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) ہے۔ جلانا آگ کا لگانا اثر دائمی اور متفق علیہ ہے، مگر جب تک اذن نہ ہو احراق مرتب نہیں ہو سکتا۔ سب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں نے نہایت تیز آگ میں ڈالا، مگر باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہدیا ٹھنڈی ہو جا۔ کچھ بھی صدمہ نہ پہنچا اور احراق مرتب نہ ہوا۔ اگر یہ اثر آگ کے لئے ذاتی ہوتا یا جسزود ماہیت یا لازم ماہیت ہوتا تو کیوں منفک ہوتا؟ کیا آگ آگ نہ رہی اور یہی قصہ اعمالِ صالحہ میں بھی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

آہ وسلم فرماتے ہیں کوئی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہ جائے گا، مطلب یہ ہے کہ عمل تاثیر بالذات نہیں کہ کسی کو جنت میں لے جائے، مشیت ایزدی شرط ہے جس کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ عمل دخول جنت میں کچھ دخل نہیں رکھتا، عمل کو وہی دخل ہے دخول جنت میں جو آگ کو ہے احراق میں۔ آگ کے احراق کے لئے بھی مشیت شرط ہے اور دخول جنت کے لئے بھی۔

بہر حال ایک آیت اور ایک حدیث سے ثابت ہو گیا کہ کسی چیز میں تاثیر بالذات نہیں ہے اگرچہ اثر کیسا ہی یقینی اور دائمی ہو مگر ذات میں کسی چیز کی داخل نہیں کہ اثر کرے۔ سب مشیت باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ کے مرتب کرنے سے سبب مرتب ہوتا ہے تو اب اس کی تحقیق باقی ہے، کہ آیا اسباب دنیویہ پر مرتب کرنے کا حق تعالیٰ نے یقینی وعدہ کیا ہے یا اسباب اخرویہ پر اس کے مرتب کرنے کا یقینی وعدہ کیا ہے۔ تو نصوص و واقعات دونوں سے دیکھئے کہ دنیوی اور دینی دونوں اسباب میں سے کس پر ترتب اثر یقینی ہے کس پر وعدہ ہے باری تعالیٰ کا، اور تجربہ سے بھی کون یقینی ہے۔

سو کہیں نہیں فرمایا گیا نصوص میں کہ اسباب دنیویہ پر اثر ضرور مرتب ہوگا، اور تجربہ و واقعات سے بھی یہی نکلتا ہے۔ بسا اوقات کھیتی کرتے ہیں، اور ایک دانہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہی حال جاہ و ثروت کا ہے۔ بہت سی تدبیریں کی جاتی ہیں مگر عمر گذر جاتی ہے اور غربت ہی رہتی ہے۔ اور کبھی بے تدبیر مالدار ہو جاتا ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو کبھی نہ کہیں گے کہ جاہ و ثروت تدبیر پر ہے۔ میں نے خود ایسے واقعے دیکھے ہیں کہ جن کی اوقات کسی وقت میں دو آنہ کی تھی آج وہ لاکھ پتی ہو گئے۔ اگر آپ کہیں کہ انہوں نے تدبیر سے اس قدر مال حاصل کیا ہے تو میں کہتا ہوں آپ ان کے پاس جاتیے، اور اول سے آخر تک ان کی سوانح عمری لکھئے اور ان کی کل تدبیریں بھی

لکھئے کہ پہلے ان کے پاس دو آنہ تھے، اس کا انھوں نے فلاں سودا خریدا اور صبح سے شام تک پھیری کر کے بیچا، اس میں ایک سوانفع ہوا، ایک آنہ میں سے نصف کھایا اور نصف اصل میں شامل کر دیا، اگلے دن ڈھائی آنے کا سودا لے کر پھیری کی، ساڑھے تین آنے یا چار آنے ہو گئے، اسی طرح راس المال بڑھتا گیا، یہاں تک کہ جب تعداد انوں سے نکل کر روپیوں میں آگئی تو کچھ پس انداز کرنے لگے، جب ایک کافی رقم جمع ہو گئی تو جائیداد خرید لی، پھر اس کی آمدنی کو بقدر ضرورت خرچ کیا، اور کچھ داخل خزانہ کرتے گئے یہاں تک کہ خزانہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچ گیا لکھتی ہو گئے۔

اس کو مفصل لکھتے بلکہ تمام تغیرات کو تاریخ وار قلمبند کیجئے، اب اگر یہ تدبیر سبب ہے ان کے جاہ و ثروت کی تو آپ بھی ایسا ہی کیجئے جیسا انھوں نے کیا کہ دو آنہ کا سودا لیجئے اور پھیری کیجئے اور نفع کو شامل اس المال کرتے جائیے، بعد چندے کچھ پس انداز کیجئے اور جائیداد خرید لیجئے پھر خزانہ بڑھائیے یہاں تک کہ لکھتی بنجائیے۔ میں کہتا ہوں کہی بھی تو ان تدبیروں سے آپ ان کی برابر نہیں ہو سکتے۔ کیا وجہ ہے کہ تدبیر سے اس نے حاصل کیا اور تم نہیں کر سکتے؟ وجہ یہی ہے کہ سب کچھ باری تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اسباب دنیا پر ہمیشہ اللہ میاں اثر مترتب نہیں فرماتے۔

میرے دعوے کا ایک جزو ثابت ہو گیا کہ اسباب دنیوی پر نتیجہ کا مترتب ہونا ضروری اور دائمی نہیں رہا۔ دوسرا جزو یعنی آخرت، سو دیکھتے فرماتے ہیں مَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا یعنی جو کوئی آخرت کا طالب ہو اور کوشش کرے تو اس کی سعی ضائع نہ جائے گی۔ بلکہ فرماتے ہیں نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ دَهْمًا زِيَادَةً كَرِيهًا اس کے لئے کھیتی میں، یعنی اس کا نتیجہ بقدر عمل ہی نہیں زیادہ دیا جائے گا؛ دیکھ لیجئے

وعدہ کے یقینی ہونے سے نتیجہ مترتب ہونا ضروری اور یقینی ہوا یا نہیں۔ میرا مدعا ثابت ہو گیا۔ کہ اسباب دنیوی پر اثر مترتب ہونے کا کہیں وعدہ نہیں اور اسباب اخروی کے لئے وعدہ ہے۔

پھر تعجب ہے کہ دنیا میں جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں وہ اکثر جتنا چاہتے ہیں نہیں ملتی، مگر پھر اکتساب ذرائع سے کوئی غفلت نہیں کرتا، اور غفلت کرنے والا احمق سمجھا جاتا ہے۔ اور آخرت میں اس قدر ملتا ہے جس کا ارادہ بھی نہیں کیا جاتا اور پھر اکتساب ذرائع سے غفلت ہو اور غفلت کرنے والے کو کوئی احمق نہ کہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ** سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے، اور حدیث قدسی میں فرماتے ہیں **أَعَدَّ وَتًا لِّعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ قَلْبَ بَشَرٍ** میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک گذرا۔ حالانکہ یہ خیال بڑی وسیع چیز ہے۔ مگر بروئے حدیث وہ چیزیں اسباب آخرت پر متفرع ہوتی ہیں جو خیال میں بھی نہ آسکیں۔ اب سوچئے کہاں تک سوچیں گے، جال، باغ، بہریں، خادم، ماکولات و مشروبات وغیرہ جہاں تک بھی آپ کا خیال پہنچے، پھر ایک مرتبہ ایسا نکالئے کہ خیال سے بھی باہر ہو، اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہو مگر وہاں ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ اگر فضل ہوا آخرت میں ترتیب اثر تو کیا اس اثر کا وعدہ ہے کہ سبب ہے اور اس سے کچھ نسبت بھی نہیں۔ جال اور باغ وغیرہ میں بھی ایسے مراتب نکل سکتے ہیں کہ خیال سے باہر ہوں، اور بعض نتیجے وہاں کے وہ ہیں کہ ان کا صرف لفظ ہی سنا ہے ماہیت تو عقل میں بھی نہیں آتی، وہ روایت آہی ہے۔

غرض ترتیب اثر یقینی ہوا کیونکہ وعدہ فرمایا سے باری تعالیٰ نے کہ اثر ہم ضرور

متفرع کریں گے تم ذرائع کو حاصل کرو، اور لوگوں کے خیال میں یہ جما ہوا ہے کہ آخرت بے اختیاری ہے اور دنیا اختیاری ہے۔ اسی نے لوگوں کو بٹھا دیا کچھ نہیں کرتے اور دنیا کے معاملات میں یہ حال ہے کہ جب چاہتے ہیں دنیا حاصل کرنا اسباب کو جمع کرتے ہیں، حالانکہ بارہا اسباب کے تحلف کو بھی مقاصد سے دیکھ چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ جن اسباب کو دخل نہیں وہ جمع کئے جائیں اور جن کو دخل ہے ان کو نہ اختیار کیا جائے، کیسے کہا جائے کہ ایسا شخص جنت کا طالب ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعجب ہے جنت سے کہ اس کا طالب کیسے سوتا ہے!

اس سے اور مابقی سے ثابت ہو گیا کہ جو اسباب کو حاصل نہ کرے اس کے دماغ میں خلل ہے۔ طلب صرف معتبر نہیں بلکہ طلب صادق ضروری ہے۔ اور اس کے لئے کسب ذرائع لازم ہے جیسا کہ بسط کے ساتھ اب تک بیان کیا گیا۔ سو اس آیت میں اللہ میاں نے جنت کے طلب کا ذریعہ بتایا ہے جس کے سب لوگ مشتاق ہیں۔

یہاں ایک بات اور قابل تحقیق ہے وہ یہ کہ اس آیت سے جنت کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب ہے نہ دوزخ کا خوف ہے تو یا تو جنت مطلوب نہیں یا وہ لوگ مخالف قرآن کے ہیں۔ جیسے ایک صحابہ حال کی نقل ہے (یہ قصہ حضرت رابعہ بصریہ کا ہے) کہ ایک روز غلبہ جذب میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر نکلیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا؟ کہا تمام عالم کو جنت اور دوزخ ہی کے خیال نے تباہ کر دیا میرے مالک کا نام کوئی نہیں لیتا۔ آج میں فیصلہ کئے دیتی ہوں پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی اور آگ بہشت میں لگاؤں گی۔ سو بات یہ ہے کہ یہ اقوال و حکایات اہل حال کے ہیں، اور غلبہ حال سے ان کو معذور

سمجھا جاوے گا۔ ہم سوال کو تو ان لوگوں کے اقوال کو نقل کرتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی بات جذب میں کوئی کہدی جائے باقی قصداً کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ جذب کوئی کمال نہیں۔ اور یہ وہ اختیار ہے چیز ہے جو لوگ اختیار سے ایسے لفظ کہتے ہیں حاشا وکلا جو اعلیٰ و ادنیٰ کسی درجہ میں بھی وہ شمار ہوں۔ غلبہ کے تو معنی ہی بے اختیاری کے ہیں۔ پھر بے اختیاری کا اختیار سے ہونا کیا معنی؟

آجکل لوگوں نے اسی کو کمال سمجھ رکھا ہے جو کوئی واہی تباہی کلمات بیباکانہ بکتا ہو اس کو بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ جن بزرگوں سے ایسے کلمات منقول ہیں ان کے لئے بھی یہ حالت کچھ کمال کی نہ تھی۔ ہاں غلبہ حال کی وجہ سے معذور تھے۔ کوئی الزام ان پر عائد نہیں ہوتا۔ اور رہے نقال سو وہ تو کسی طرح معذور ہی نہیں ہو سکتے۔ ان کے اقوال کے دعوے کے ساتھ نقل سخت بیہودگی ہے۔ غرض ان لوگوں کی یہ ایک حالت معذوری کی تھی، ورنہ جس چیز کا مطلوب ہونا قرآن سے ثابت ہو، اور جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلب فرمادیں اللہم اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ فَمَا قَرَّبَ اِلَیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ۔ (اے اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں، اور وہ چیز جو اس (جنت) کی طرف قریب کر دے، قول ہو یا عمل)، اس کی نسبت دوسرے کا کیا منصب ہے کہ ایسا کہے۔ آیات و احادیث میں صاف طور پر طلب جنت کی فضیلت آئی ہے۔ اہل حال معذور تھے حال کی وجہ سے اور اب تو لوگوں میں حال ہی نہیں رہا، نقل نقل رہ گئی ہے۔ اس کو فرماتے ہیں مولانا

حرف درویشاں بدزد و مردوں، تا بہ پیشِ ماہسلاں خواند فسوں

درویشوں کے الفاظ چُر کر کینہ آدمی جاہلوں کے سامنے ان کو اپنے دام میں پھنسانے کیلئے

منتر پڑھتا ہے:

جن میں کچھ ہے ہی نہیں وہ ان کے دعووں کی نقل کر کر کے جاہلوں میں بزرگ بنتے ہیں۔ مجھ کو ایک شخص اسی سفر میں ملے کہ وہ کچھ مالی اعانت چاہتے تھے۔ ادھر ادھر کی باتوں میں اپنی محویت بھی ظاہر کی۔ لمبی لمبی باتیں کرنے لگے، کیا پروا ہے جنت کی اور کیا خیال ہے دوزخ کا۔ میں نے کہا میاں بیٹھے بھی رہو چار روپے کے لئے تو گھر چھوڑے پھرتے ہو جنت کی طرف التفات بھی نہ کرو گے۔

ان نقالوں میں رنگ البتہ اصل سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ سو ہر چیز میں تجربہ کر لیجئے کہ اصل میں نقل کی سی آب و تاب نہیں ہوتی، رنگ و روغن کو دیکھ کر شیفتہ ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص نے اصل چیز نہیں دیکھی اور محض ناواقف ہے۔

غرض اہل حال تو بحث سے مستثنیٰ ہی ہیں، اور جنت کا مطلوب ہونا بحالہ باقی رہا، البتہ یہ ضرور ہے کہ مشہور تقسیم میں اس کے مطلوب ہونے کی دو صورتیں ہیں اور میرے نزدیک ایک تیسری صورت اور بھی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کی نعمتوں کو مقصود سمجھ کر کھانے کو پینے کو باغوں کو مکانات کو بہروں وغیرہ کو غرض اصلی جان کر طلب کیا جائے۔ مذاق مختلف ہوا کرتے ہیں، کسی کو مکانات کا شوق ہے، کسی کو دلکش فضاؤں کا، کسی کو بچوں کا، کسی کو حسن و جمال کا، کسی کو ماکولات و مشروبات کا، اور جنت میں سب کچھ ہے تو جو چیز جس کو مرغوب ہو ملے گی۔ سٹ شریف میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص تمنا کر چکا کہ میں تو کھیتی کرتا، اللہ میاں نہر مائیں گے ابن آدم کا پیٹ ہی ہنیر بھرتا، اور دم کے دم میں سب چیز موجود ہو جائے گی۔ بات کہتے ہیں ہر ابھرا کھیت پھر انبار کے انبار غلہ تیار ہے تو کتنی کھیتی چاہئے! یہ ایسا ہے جیسا کہ بچہ طرح طرح کی ضدیں کیا کرتا ہے اور سب پوری کی جاتی ہیں، والدین

جانتے ہیں کہ باؤلی ضدیں ہیں مگر جو مانگتا ہے دیتے ہیں۔

تو بعض لوگ جنت کو اس لئے طلب کرتے ہیں۔ دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو جنت کو اللہ میاں کی لقاء کے لئے طلب کرتے ہیں یہ لوگ طالب درحقیقت اللہ میاں کے ہیں۔ مگر ان کو معلوم ہوا ہے کہ رویت اور رضا خاص جنت میں ہوگی۔ اس لئے چاہتے ہیں کہ جنت میں پہنچ جائیں تاکہ مقصود اصلی حاصل ہو۔ غرض نعمت کے طالب نہیں بلکہ منعم کے ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ ایک محبوب نے باغ میں لوگوں کو بلایا، جس میں ہر قسم کا عیش و نشاط موجود ہے، جو میوے کہیں نہیں ہیں وہ وہاں موجود، وہ مکانات جن کا نقشہ تک کسی کے خیال میں نہ گذرا ہو وہاں تیار، نہریں، حوض، دلکش فصائیں، خادم، غلام۔ غرض جملہ چیزیں موجود ہیں۔ بعض جانے والے ایسے ہوں گے جو غسل کرنے اور حوضوں میں غوطہ لگانے کی غرض سے جائیں گے، اور بعض تازہ بتازہ ہواؤں کا لطف اٹھانے کے لئے اور بعض میووں سے لذت حاصل کرنے کے لئے و علیٰ ہذا۔

۱۶

اور ایک جانے والے وہ ہیں کہ اس محبوب پر عاشق ہیں اور باغ میں اس واسطے جاتے ہیں کہ ان کو معلوم ہوا ہے کہ ہمارا محبوب باغ میں ہی یہ سُن لیا ہے اور باغ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل باغ کو نہیں ڈھونڈتے باغ والے کے شیدائی ہیں، اس وقت چونکہ محبوب باغ میں ہے اس واسطے باغ کی طرف جاتے ہیں اور وہ اگر جنگل میں آجائے تو باغ کا خیال بھی اُن کے ذہن میں کبھی نہ گذرے۔

باغ کی طرف جانے والے یہ دو قسم کے لوگ ہوں گے، ایک وہ کہ نفس باغ کے طالب ہیں، دوسرے وہ کہ نہ انھیں باغ کا خیال ہے نہ جنگل کا۔ محبوب کی طرف نگاہ ہے۔ مشہور قسمیں طالبانِ جنت کی تو یہی دو ہیں، اور میرے

عہ دیدار۔ عہ یہ پانچ سطریں بعینہ مولانا مدظلہ کے لکھے ہوئے کی نقل ہیں جو مسودہ میں بروقت مہلک تخریر فرمایا۔

نزدیک تیسری قسم اور ہے لیکن ذرا دقیق ہے، وہ یہ کہ طالب تو نعمت کے ہیں لیکن نہ حظ کی وجہ سے بلکہ اپنے تزلزل اور عجزیت کی وجہ سے اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ بلا واسطہ طالب منعم کے ہوں، وہ اسی کو ٹینٹ سمجھتے ہیں کہ اس کے کوچہ کا ایک گوشہ مل جاوے۔ یہ تیسری قسم ہوئی۔ پس طالب نعمت کا مبتدی ہے اور طالب منعم کا متوسط ہے اور طالب نعمتہ لَعْبَدِيَّة کا واقع میں طالب کامل منعم کا ہے منہتی ہے۔ اور صاحب حال بحث سے خارج ہے۔

خلاصہ یہ کہ لوگوں کا خیال مطلقاً یہ ہے کہ طلب جنت سے عدم طلب کا درجہ بڑھ کر ہے۔ حالانکہ غور کرنے سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ کہیں آیات و نصوص میں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ عدم طلب کوئی شے حسن ہے۔ بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدم طلب والا معذور ہے، سو معذوری میں فضیلت کہاں۔

حاصل یہ کہ طالب جنت کی تین قسمیں ہو گئیں کہ یا مبتدی ہے یا متوسط یا منہتی۔ سو متوسط کا حال تو اکثر ممتاز ہوتا ہے۔ لیکن مبتدی اور منہتی کا حال بہت متشابہ ہوتا ہے مگر واقع میں زمین و آسمان کا فرق ہے، مبتدی ایک کام میں لگا ہوا ہے گو حقیقت نہیں پہچانتا مگر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے۔ کبھی حقیقت شناس بھی ہو جائے گا۔ ذرا سی بات میں وجد میں آجانا ڈھاریں مارنا مغلوبوں کا کام ہے۔ جو صاحب کمال ہے اس کو حال نہ آنسو ٹپکا سکتا ہے نہ حال اس کے بدن میں حرکت پیدا کر سکتا ہے، نہ حال اس کی زبان سے بیساختہ کلمات نکلوا سکتا ہے۔

شاہ عبدالحق ردو لوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "منصور بچہ بود کہ از یک قطره بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریا ہا فرد برند و آروغ نزنند"

عہ اس وقت مجلس پر ایک کیفیت عجیبہ طاری تھی ۱۲

منصور بچ تھا کہ ایک قطرہ سے فریاد میں آگیا۔ اس خبر سے مرد ہیں کہ دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے، منہتی کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے، گچھ نکل منہتی راستہ طے کئے ہوئے ہوتا ہے اس واسطے ہر مقام پر اس کے افعال سے واقفیت ٹپکا کرتی ہے اور مبتدی مقلدانہ چلتا ہے۔

اسی طرح جنت کے مانگنے والوں میں جو مبتدی یا منہتی ہیں ان میں فسوق یہ ہے کہ مبتدی طالب ہے مزہ کے لئے اور منہتی مزہ سے گذرا ہوا ہے۔ پھر جنت کی طلب جو کرتا ہے سو وہ محبوب کے حکم سے ہے۔ گویا منہتی عبدیت ظاہر کرتا ہے کہ جو حکم ہو اس کی تحصیل کے لئے تیار ہوں اور مبتدی کی فنا میں ابھی کمی ہے۔ اس کا التفات مزہ کی طرف ہنوز باقی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایسی چیز کی طلب کا حکم ہوتا کہ مزہ اس میں نہ ہوتا تو ممکن ہو اس صورت میں مبتدی کے پیر اکھڑ جاتے اور منہتی جما ہوا ہے۔ اس کی لغزش کی کوئی وجہ نہیں وہ مزہ کا طالب ہی نہیں جس کے رہنے نہ رہنے پر اس کی طلب کا دار و مدار ہو، چونکہ طلب کا حکم پایا ہے اس واسطے تعمیل کر رہا ہے۔

فَلَيْتَنَّا فِى الْمُسْتَأْفِسُونَ (اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے) امر کا صیغہ ہے۔ یہ شخص زبان حال سے کہہ رہا ہے سے

چوں طح خواہد ز من سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد ازین

اگر مجھ سے شہنشاہ دین طح خواہاں ہو تو پھر قناعت پر خاک ڈال دوں ۛ

جب ادھر سے ہی طلب کا حکم ہے تو طلب نہ کرنا عدول حکمی ہے۔ مطیع اطاعت میں ایسا محو ہوتا ہے جیسے کسی کو شراب پلاویں (شراب دود ہیں حلال اور حرام شراب محبت حلال ہے) شراب پلا کر آدمی سب طرف سے بے خبر ہو جاتا ہے اسی طرح جو بندہ ہے وہ امتثال امر میں نخر ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ محویت بنجودی نہیں ہے۔ بعض ناواقف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر نماز میں محویت ہو جائے تو رکوع و سجود کیسے ہوں۔ محویت کے معنی یکسوئی کے

شناخت مبتدی و منہتی

۱۸

طلب امتثال امر

محویت بنجودی نہیں

ہیں، صرف باری تعالیٰ کی طرف خیال ہوتا ہے۔ اس صورت میں عبادت بطریق احسن ہوگی، رکوع و سجود نہ ہونا کیا معنی۔

عام لوگ محویت اس کو سمجھتے ہیں کہ کچھ واہی تباہی کلمات زبان سے نکال دیں یا آئندہ کی باتوں پر دعویٰ کے ساتھ حکم لگا دیا کریں اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں۔ اللہ میاں پر ایسا ناز ہے کہ جو منہ سے نکل گیا پورا ہو کر رہتا ہے۔ یہ مسلم سہی کہ دعا قبول ہوتی ہے مگر ہر چیز کو مانگ بیٹھنا اور دعویٰ سے حکم لگا دینا انہی سے ہو سکتا ہے جو بخود ہیں، یہ محویت محمود نہیں، محویت محمود میں حق سبحانہ تعالیٰ سے نہایت قرب ہوتا ہے اور جتنا جس کو قرب ہوتا ہے اتنا ہی عظمت کا اس پر ظہور ہوتا ہے اور اتنا ہی اپنے نفس کا تذلل کھل جاتا ہے۔ پھر جس پر محبوب کے اعلیٰ درجہ کی عظمت اور اپنی ذلت کھل گئی ہو اس کی نسبت کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جہاں چاہے سیدھڑک قدم اٹھا بیٹھے گا۔ بادشاہ کے دُوبچے ہیں ایک ناسمجھ اور ایک سمجھدار ناسمجھ تو جب آتا ہے سیدھا گود میں جگہ لیتا ہے، نہ آداب مجلس کی کچھ خبر نہ اراکین کا لحاظ نہ بادشاہ کا ادب نہ شاہی پوشاک کا خیال، پیر صاف ہیں یا خاک آلودہ آئے اور زانو پر چڑھ بیٹھے۔

اور ہوشیار بچہ جب آتا ہے تو نیچی نگاہ کئے ہوئے، چہرے پر اراکین کا لحاظ ظاہر، مجلس کا رعب چھایا ہوا اور نہایت ادب سے پاؤں پکڑ کر حاضری کی اجازت مانگ کر مودب کھڑا ہوتا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ سمجھدار کو عظمت شاہی کی خبر ہے اور ناسمجھ کو نہیں۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ ناسمجھ بچہ بادشاہ کے نزدیک زیادہ مرتبہ رکھتا ہے کہ اس قدر قرب اس کو حاصل ہے کہ شاہی پوشاک پر میلے پیروں سے جا چڑھتا ہے اور جو الٹی سیدھی ضدیں کرتا ہے۔ پوری کی جاتی ہیں۔ نہیں۔ قرب صوری اس کو حاصل ہے اور قرب حقیقی سمجھدار کو، اگرچہ سمجھدار گود میں نہیں ہے اور کسی قدر فصل سے کھڑا ہے میلے

پیروں سے کپڑوں پر جا چڑھنا اور الٹی سیدھی ضدیں کرنا گستاخی ہے فضیلت نہیں
زائد سے زائد یہ ہے کہ بچہ ان حرکات میں معذور سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح اہل حال کہہ اٹھتے ہیں کہ نہ دوزخ نہ بہشت نہ اُس کا خوف ہو
نہ اِس کی خواہش۔ ان دونوں میں سے کسی کی خبر ہی نہیں۔ یہ کامل نہیں ہیں
ان پر ابھی عظمت کا انکشاف پورا نہیں ہوا۔ اس وجہ سے اتنی جرأت ہے
کہ قرب کے اعلیٰ درجہ کا دعویٰ ہے۔

دیکھتے ایک نہایت ذلیل شخص کسی عالی شان محبوب کی طرف جانا چاہتا
ہو تو اول تو برسیں چاہئیں اس کوشش کے لئے کہ کسی طرح راستہ کے موافق
رفع ہوں، دربان و چوہدار وغیرہ سے ساز ہو جائے تب توقع کی جائے کہ ان کی
درخواست محبوب تک پہنچ سکے گی، اگر اس میں کوشش ان کی چل گئی کہ درخواست
محبوب تک پہنچ گئی اور پھر قسمت کی یادری سے محبوب نے بہت ہی لطف

فرمایا کہ حاضری کی اجازت دیدی تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ دربار میں جاتی وقت
ان کی بڑی سے بڑی آرزو کیا ہوگی۔ یہ تو کبھی خیال بھی نہ جائے گا کہ مجھے
محبوب بنالیں، بڑا حوصلہ یہ ہوگا کہ چوکھٹ کو بوسے دینے کی اجازت ملجائے
اس کا یہ حوصلہ کرنا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چوکھٹ کا طالب ہے!

نہیں یہ شخص چوکھٹ کا طالب نہیں ہے۔ بلکہ اپنی حالت کو دیکھ کر اس سے
زیادہ کی ہمت نہیں کرتا۔ حق تعالیٰ اگر اس کو چوکھٹ سے بڑھانا چاہیں تو
پیروں میں رعشہ پڑ جائے گا۔ سو منتهی اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ رَأَيْتَ فِي جَنَّةٍ كِي دَرَسْتَ

کرتا ہوں، کہے گا نہ اس واسطے کہ جنت کا طالب ہے بلکہ طالب محبوب حقیقی ہی کا
ہے مگر اس سے بڑھ کر حوصلہ اپنی ذلت اور ان کی عظمت کو دیکھ کر نہیں کر سکتا
معلوم ہو گیا ہوگا کہ طالب تین قسم کے ہیں مبتدی یعنی طالب جنت کے

حظ کے لئے، اور منتهی یعنی طالب جنت عظمت محبوب کی وجہ سے اور متوسط
مبتدی اور منتهی میں مشرق مشرق ہے اور متوسط الحال کا حال ممتاز اور ظاہر

ہوتا ہے حال سے مغلوب ہوتا ہے گو ایسا مغلوب نہ ہو کہ حدِ شرع کی حفاظت نہ کر سکے۔ کیوں کہ ایسا شخص تو جیسا اوپر عرض کیا گیا مبحث سے خارج ہے لیکن مغلوب ہونے سے صرف اس قدر مراد ہے کہ ذرا سی بات پر رونے لگتا ہے، ذرا سی بات پر وجد آجاتا ہے، زبان سے بے اختیارانہ کلمات بھگنے لگتے ہیں اس کو عوام کمال سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ کمال نہیں ہے، کمال یہ ہے کہ حال پر غالب آجائے اور حال کوئی تغیر اس میں نہ پیدا کر سکے۔ ایسے شخص کے پہچاننے کے لئے بڑی بصیرت چاہئے۔ اس کی حالت بالکل جنتی کی سی ہوتی ہے۔ عام لوگ دونوں میں منسرق نہیں کر سکتے۔ منہتی کا پہچاننا کچھ آسان کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متوسط اولیاء کو تو لوگوں نے پہچان لیا، اور اولیاء کاملین اور انبیاء علیہم السلام کو نہ پہچان سکے قَالُوا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا انہوں نے کہا تم تو مثل ہماری بشر ہو، متوسط اولیاء میں توجوش و خروش دیکھتے ہیں اور اولیاء کاملین اور انبیاء علیہم السلام کی حالت بالکل معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کے از سر حق آگاہ شد

تمام دنیا اسی خام خیالی کی وجہ سے گمراہ ہو گئی کہ انہوں نے اللہ کے اولیاء کو پہچانا نہیں،

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستہ خواہیم و خور

اور کہنے لگے ہم بھی انسان وہ بھی انسان وہ بھی کھاتے پیتے ہیں ہم بھی کھاتے پیتے ہیں!

ایں نہ استند ایشاں از عینے در میاں منرقے بود بے منتہا

ان بیوقوفوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ان میں اور ہم میں بڑا منرق ہے،

ایں خورد گرد و پلیدی زوحبدا واں خورد گرد و ہمہ نور و حسدا

یعنی ایک کھاتا ہو تو اس کی پلیدی و بخل و حسد پیدا ہوتا ہے وہ دوسرا کھاتا ہو تو اس کا متر و نضر یعنی شوق الہی پیدا ہوتا ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند ورنوشتن شیر و شیر

یعنی بندگان کو اپنے اوپر قیاس مت کر اگرچہ ظاہر میں دونوں فصل یکساں ہیں جن طرح کھنے میں شیر و شیر

مگر ان کو اس کی ضرورت نہیں کہ پہچانے جائیں۔ صاحب کمال کو ایک عجیب استغناء ہوتا ہے۔ دنیا کا ذرا سا کمال کسی کو حاصل ہو جاتا ہے تو کسی کی طرف التفات نہیں کرتا۔ یہ لوگ تو وہ کمال رکھتے ہیں کہ اس کی ماہیت بھی کسی کو معلوم نہیں ہے۔ قصداً اظہار تو کہاں ان کو تو غیرت آتی ہے کہ کسی پر اظہار ہو کیسیاگر کبھی اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے ٹھگ البتہ کمالات دکھاتے پھرا کرتے ہیں۔ پھر دیکھ لیجئے کہ یہ کمالات شعبدے ہی ہوتے ہیں۔ جس کے اندر کچھ ہے وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور جو دکھاتا پھرتا ہے اس میں کچھ ہے نہیں۔ اُن لوگوں کو تو کبھی اپنے آپ سے بھی غیرت آجاتی ہے قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۷

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش رانیز حدیث تو شنیدن ندہم
یعنی بھکو آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ان کو محبوب کے چہرہ انور کو نہ دیکھنے دوں اور کانوں

کو بھی ان کی باتیں نہ سننے دوں۔

میری آنکھ آپ کی طرف دیکھے، میرا کان آپ کی بات سُنے۔ یہ لوگ امتثالِ امر میں لگے ہوتے ہیں کوئی اُن کو پہچانے یا نہ پہچانے کچھ پروا نہیں، نیکی کر اور وریا میں ڈال۔ اپنی طرف سے کبھی اظہار کا تصور نہیں کرتے ہاں اللہ میا کبھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس وقت یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخفاء بے ادبی ہے کیونکہ اطاعت تعمیلِ حکم اور رضا ہے۔ جس طرح رکھیں بندہ کو اسی طرح رہنا چاہئے۔ جب کہیں خاموش رہو خاموش ہو جائے اور جب کہیں کھل جا تو بلا تامل کھل جائے۔ یہ کھل جانا بھی طاعت ہے۔ اس وقت اخفاء اتباعِ نفس ہے اس وقت اس کو اظہار میں وہی لذت ہوگی جو پہلے اخفاء میں تھی۔

۷ غالباً وعظ کے وقت مصرعہ ادنیٰ دوبارہ پڑھا گیا ہو اس لئے دوبارہ لکھا گیا ہے۔ ۱۲

غرض صاحب کمال اپنے قصد کو کبھی دخل نہیں دیتا، نہ اخفاء میں نہ اظہار میں بس فنا ہوتا ہے تعمیل حکم میں، اور جو کوئی بالقصد اپنے آپ کو ظاہر کرتا پھرتا ہے وہ اب تک فنا ہی نہیں ہوا۔ جب صاحب کمال سرتاپا محو ہوا اتمثال امر میں تو اس کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی کہ میں ظاہر ہوں یا نہ ہوں، بلکہ معمولی سی حالت ہوتی ہے اگر طلب کا حکم نہ ہوتا تو طلب بھی نہ کرتا مگر حکم ہے اس لئے بغرض اس کی تعمیل کے طلب کرتا ہے، مبتدی بھی طلب کرتا ہے اور منہتی بھی۔ طلب میں دونوں شریک ہیں اور کسی بات سے حالت ظاہر نہیں ہوتی۔ پھر فرق کیا جائے تو کس طرح۔ مولانا فرماتے ہیں

در نیابد حال پختہ، هیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام
یعنی ناقص کامل کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا، پس کلام کو کوتاہ کرنا چاہئے۔

مبتدی اور منہتی میں فرق بڑا مشکل ہے۔

۲۳ بالجملہ طالبوں کی تین قسمیں ہوں گی، اور جنت مطلوب بہر حال ٹھہری اور اس کی طلب مامور بہ اور فرض ہے۔ اب وہ مقدمہ بھی یاد ہوگا کہ ذریعہ کا اکتساب ضروری ہوا۔ جنت جب ہر شخص کی مطلوب ہے تو اس کے ذرائع کی طلب بھی ہر ایک کے ذمہ ہے ورنہ وہی بواہوسی ہوگی۔ اس ذریعہ اور طریق کو فرماتے ہیں وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور اس نے نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا) سبحان اللہ کلامُ الْمُلُوكِ مُلُوكٌ الْكَلَامُ (بادشاہوں کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے)۔ جنت اتنی بڑی چیز اس کی طلب کا خلاصہ فرما دیا تاکہ طالبوں کو آسانی ہو، اتنے بڑے مطلوب کے لئے جس قدر ذرائع اور طرق ہوتے کم تھے۔ مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی بات بتا دی جیسے گر ہوتا ہے۔ گر اس لئے ہوا کرتا ہے کہ کثیر التعداد افراد کو جن کو بالاستقلال ایک ایک کو یاد رکھنا دشوار

ہو اس کے ذریعہ سے یاد رکھیں۔ جیسے کوئی خادم کو محفل کے دروازے پر بٹھا دے اس غرض سے کہ غیر آدمیوں کو اندر نہ آنے دے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہو کہ زید، عمرو، بکر، خالد وغیرہ ایک سو نام اس کو بتا دیتے جائیں کہ ان میں سے جو کوئی آئے اس کو منع کرے۔ اس میں کسی قدر دقت خادم کو پیش آئیگی، کہ ایک فہرست بنائے گا جس میں یہ سب نام درج ہوں اور ہر آدمی والے سے نام پوچھ کر اوپر سے نیچے تک ساری فہرست میں تلاش کرے گا کہ یہ نام اسمائے مندرجہ فہرست میں سے ہے یا نہیں۔ ہر بار ساری فہرست دیکھنی پڑے گی۔ نیز کسی قدر دقت آنے والوں کو ہوگی کہ ہر شخص کو اتنی دیر ٹھہرنا پڑے گا کہ جب تک وہ تمام فہرست کو دیکھے۔ سہولت اس میں ہے کہ مختصر سی بات بتا دی جائے کہ جس کو تو پہچانتا ہے اس کو نہ آنے دینا۔ اس سے نہ فہرست کی ضرورت رہے گی نہ کچھ اور دقت پیش آئے گی۔ اسی کو گزرتے ہیں جنت کے حصول کے لئے بہت سے طریق ہیں جن کا فرداً فرداً یاد رکھنا نہایت دشوار تھا اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسا امر بتا دیا کہ جب اس کی رعایت رکھی جاوے تو جو فعل بھی کیا جائے گا وہ وہی ہوگا کہ اس کو کچھ نہ کچھ دخل ہے جنت میں۔ اللہ میاں کے کلام کی تندر اس کو آتی ہے جو طالب ہے۔ جب کسی کے جنت پیش نظر ہو تو انتہا درجہ کا شوق پیدا ہوگا۔ اور جب بتایا جاوے کہ اس کے طلب کے فلاں فلاں طریق ہیں اور چونکہ جنت بڑی چیز ہے اس کے طرق بھی کثیر ہی ہوں گے، ان کی کثرت کو دیکھ کر یہ شخص گھبرا اٹھے گا مگر چونکہ شوق انتہا درجہ کا پیدا ہو چکا ہے اس لئے یہ تو ہوگا نہیں کہ چھوڑ بیٹھے بلکہ ایک حالت سخت اضطراب کی پیدا ہوگی۔ اس شخص کے سامنے اگر کوئی قاعدہ کلیہ پڑھ دیا جائے جو جامع ہو تمام طرق کو تو ہر کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کی کیا حالت ہوگی، وجد کی سی کیفیت ہو جائے گی۔ اس کو قدر آئے گی کہ کلام باری تعالیٰ کیا چیز ہے۔ اس گزرتے کو

۲۴

جنت کی طلب کر

فرماتے ہیں وَآمَنَ نَحَاتَ مَقَامَ رَبِّهِ وَتَمَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو اس نے حرام خواہش سے روکا، اس میں دو کام فرماتے ہیں جو تمام طرق کو جامع ہیں۔ ایک اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف دوسرا وَتَمَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ (اور نفس کو اس نے حرام خواہش سے روکا، الف لام عوض مضاف الیہ ہے ائی عَنْ هَوَاهَا (اس کی خواہشوں سے) نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنا، یہ دونوں عمل جملہ طرق حصولِ جنت کو جامع ہیں، ہر چند کہ یہ دونوں عمل افراد بہت سے رکھتے ہیں اور تفصیل کرتے وقت افراد میں کچھ کمی نہ ہوگی مگر اس اختصار کی منفعت یہ ہے کہ جب یہ دونوں مضمون ذہن نشین ہو جائیں تو ہر فرد عمل میں اس کی رعایت رکھنے سے نیک و بد میں تمیز سہولت سے ہو جائے گی۔ گر میں یہی ہوا کرتا ہے کہ افراد کم نہیں ہو جاتے صرف طریق شناخت میں اختصار و سہولت ہو جاتی ہے۔ دیکھئے کتنی سہولت ہو گئی جب آدمی کے دل میں خوف ہوگا کہ مجھے ہر عمل میں حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا تو ہر کام کو تامل کے ساتھ کرے گا اور خیال رکھے گا کہ یہ کام کہیں خلاف مرضی باری تعالیٰ نہ ہو، اس سے ایک بصیرت پیدا ہو جائیگی کہ ہر بڑے عمل کو پہچان لے گا اور اس سے بچ جائے گا اور جو سمجھ میں نہ آوے گا اس خوف کی وجہ سے اس کو علماء سے پوچھے گا۔ اس طرح سے کوئی فرد معصیت اس کی نظر سے نہ چھوٹ سکے گا۔ ورنہ جنت جیسی بڑی چیز کے لئے کثرت سے ذرائع ہونے چاہئیں، ظاہر ہے ان کا ابتداءً ذہن میں منضبط کرنا امکان سے بھی باہر معلوم ہوتا ہے۔

آپ نے جان لیا کہ طرق طلبِ جنت کا حاصل دو امر ہیں۔ اب یا تو ایک دونوں میں سے اصل ہے اور دوسرا معین۔ یا دونوں اصل ہیں۔ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے اپنے مذاق سے کہ اصل تَمَى النَّفْسَ (نفس کو روکنا) ہے اور خوف اس کے لئے معین ہے۔ میں یہ اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں بلکہ اس

حدیث سے کہ نَسَأُ لَكَ مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحْوُلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ، وعار
 مانگتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ "اے اللہ ہم مانگتے ہیں خوف
 میں سے اس قدر کہ حائل ہو جاویں آپ اس سے ہم میں اور معصیت میں"
 تحلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیّت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب
 ہے بالذات مقصود نہیں، ورنہ نَسَأُ لَكَ خَشْيَتِكَ (ہم آپ سے آپ کا خوف مانگتے
 ہیں، مطلقاً فرماتے۔ کسی چیز کی حد معتد کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا
 کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں۔ خوف کی حد فرمادی کہ اس قدر
 چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو۔ معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ
 ہو جائے تو محمود نہیں۔ خوف مع الرجاء (امید کے ساتھ خوف) یہی ہے۔ اگر خوف
 ہی خوف ہو کہ رجاء نہ رہے اور ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے۔
 اس سے معصیت چھوڑتی نہیں، بلکہ آدمی یہ سمجھ کر کہ طاعت سے کیا ہوگا
 زیادہ معصیت میں پڑ جاتا ہے۔ میں نے خود دیکھا ایک مغلوب کو تب معلوم
 ہوا کہ شریعت میں جو توسط ہے اس میں یہ مصلحت ہے یہ ایک وکیل حساب
 تھے، نماز روزہ کے خوب پابند تھے، خوف غالب ہوا تو عجیب حالت ہوئی
 پریشان ہو گئے۔ ایسی حالت تھی کہ زبان سے بات ٹھیک نہیں آوا ہوتی تھی
 قریب تھا کہ نماز بھی چھوڑ دیں، اور یہ سب کچھ ہوا تھا ایک کتاب کو دیکھ کر۔
 کتابوں کو بطور خود دیکھنے میں یہ خرابی ہے۔ لوگ کہتے ہیں استادوں
 کے نخرے کون اٹھائے، عبارت اردو ہوتی ہی ہے اس کے سمجھنے میں کیا
 وقت ہے، کیوں کہ اردو ہماری زبان مادری ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ہر شخص
 جس فن کا چاہے بلا استاد پورا عالم بن سکتا ہے۔ کتابیں ہر فن کی موجود ہیں
 حالانکہ مشاہدہ اور تجربہ اس کے خلاف ہے بجائے اوستا ذوالی است (استاد
 کی جگہ خالی ہے، وجہ یہ ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہرتی ہیں کہ کتاب میں ایک
 جگہ نہیں لکھی جاسکتیں ہر بات علیحدہ علیحدہ لکھی جاتی ہے۔ ابواب و فصول

اسی لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور اگر ایک جگہ متفرق باتیں لکھی جائیں، تو کتاب کی ترتیب میں فرق آجائے اور ڈھونڈنے والوں کو بڑی دقت پیش آئے، کوئی خاص مضمون کہاں تلاش کریں، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ کے مسائل کتب فقہ میں بلا تفصیل ابواب کیفماً اتفق (جیسا اتفاق ہوا) جمع کر دیئے جائیں تو کس قدر دقت ہو جائے کہ ایک ذرا سے مسئلہ کی وجہ سے ساری کتاب پر نظر ڈالنی پڑے۔ جملہ علوم و فنون میں یہی حالت ہے کہ کتاب میں متفرق مضامین ایک جگہ نہیں لکھے جاسکتے تو بطور خود کتاب دیکھنے والے کو اگر کوئی شبہ واقع ہو تو اگرچہ حل اس کا کتاب میں کہیں مذکور ہو مگر چونکہ اسکو اطلاع نہیں ہے کہ وہ حل کہاں مذکور ہے اس لئے دل میں وہ اشکال جم جاتا ہے۔ اور بسا اوقات یہ خیال ہو جاتا ہے کہ کتاب میں غلط لکھا ہے، مصنف خود نہیں سمجھا۔ حالانکہ کتاب میں غلطی نہیں ہے سمجھ کا قصور ہے، جو شبہ ذہن میں آیا ہے وہ کسی دوسری بحث کے مناسب کتاب کے اس باب میں اس کا حل ہوگا۔ اور پڑھانے والا تمام کتاب پر حاوی ہوتا ہوتا ہے۔ متعلم کے شبہ کرنے سے یا از خود تنبیہا ہر موقع پر اس کی ضرورت کو بتاتا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں سبقاً سبقاً پڑھنا چاہئے اور فنون کی کتابوں سے زیادہ تصوف میں خاصکر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بلا استاد کبھی مطالعہ نہ کرے۔ دیگر فنون میں تو یہ ہے بہت سے بہت بطور خود دیکھنے سے وہ فن نہ آئے گا اور تصوف میں خطرہ ہے کہ آدمی ہلاکت میں پڑ جائے اور ایمان جاتا ہے۔

گر رومی صد سال در راہ طلبؔ را بہر نبود چہ حاصل زان تعبؔ

”اگر راہ طلب میں تین سو سال بلا رہبر کامل کے چلے گا تو تعب مشقت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا“

گر ہوائے این سفر داری دلاؔ دامن رہبر بگبیر و پس برآؔ

لے دل اگر اس جہت سفر کے نیکی خواہش رکھتا ہو تو کسی رہبر کامل کا دامن مضبوط پکڑے چلا آئے

در ارادت باش صادق لے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید

لے فرید حسن عقیدت اور ارادت کا دامن کبھی نہ چھوڑتا کہ تجھ کو گنج معرفت کی کنجی حاصل ہو جائے

بے ریتے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نہ شد آگاہ عشق

بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا، اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

ان وکیل صاحب نے احیاء العلوم کی کتاب الخوف کو دیکھا تھا اور ایک مقام کو ناتمام سمجھے اس سے ایسا خوف دل میں بیٹھا کہ بات نہ کر سکتے تھے اور نیند اڑ گئی مگر یہ خیریت تھی کہ آپ ہی آپ کوئی رائے قائم نہیں کی جیسا کہ آجکل عادت ہے کہ بزرگوں کے اقوال کتابوں میں دیکھ کر کسی واقف کار سے اُن کے سمجھنے کی کوشش تو کرتے نہیں اپنی طبیعت سے جو چاہتے ہیں حکم لگا دیتے ہیں، حتیٰ کہ ان بزرگوں سے بد عقیدہ ہو جاتے ہیں اور وہی وہ تباہی کلمات بچنے لگتے ہیں، یا اس کے موافق غلط عقیدہ رکھ کر خراب ہوتے ہیں۔ میرے پاس آئے کہ کچھ امید نہیں؛ کچھ ہی کرے کہ جنت ملے گی تمام عمر کوشش کرے اور دنیا کو تلخ کر دے مگر کتاب کا لکھا ہوا اگر سچ ہے تو خاتمہ ذرا میں بگڑ سکتا ہے۔

۲۸

جس وقت میرے پاس کتاب لے کر آئے تو یہ حالت تھی کہ ہاتھ کانپتے تھے زبان لڑکھڑاتی تھی کتاب کی عبارت نہ پڑھی جاتی تھی جیسے کسیکو پھانسی کا حکم سُنا دیا جاوے۔ اس وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ حد سے زائد غلبہ خوف اچھی چیز نہیں۔ میں نے اور مقام اسی کتاب کے دکھلائے، بحمد اللہ ان کے سب شبہے حل ہو گئے اور قلب کو سکون ہوا۔ کہتے لگے آپ نے مجھے بچالیا، جانے کیا ہوتا، میری جان نہ رہتی یا ایمان جاتا۔ لکھا کتاب ہی میں سب کچھ ہے مگر دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ لکھنے والوں نے حتی الامکان سہولت اس قدر کر دی کہ اکثر جگہ شبہات بھی حل کر دیئے ہیں لیکن پھر بھی اُستاد کی ضرورت باقی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کسی حقیقت کا زیادہ انکشاف بھی مضر ہو جاتا ہے جیسا ان وکیل صاحب پر استغناء حق زیادہ متجلی ہوا، اور یہ حالت ہو گئی، اسی واسطے بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جیسے تجلی رحمت ہو استتار بھی رحمت ہے۔ واللہ اگر تجلی تام ہو جائے تو فنائے عالم ہو جائے یا جان جاتی رہے یا ایمان جاتا رہے۔ میں نے خود دیکھا وکیل صاحب کو کہ قریب تھا کہ نماز تک چھوڑ دیں۔ وجہ کیا تھی کہ صرف غلبہ خوف اس واسطے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحْوُلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ (اپنے خوف سے اتنا جو ہمارے اور آپ کے معاصی کے درمیان حائل ہو جائے) صرف اتنا خوف چاہتے ہیں کہ معصیت کو مانع ہو اتنا نہیں چاہتے کہ ہم متحمل نہ ہوں۔ معلوم ہوا کہ خوف محمود وہی ہے جو معصیت سے روکے، اور جو خوف خود باعث معصیت ہو جائے وہ معصیت کی طرح بُرا ہے اسی واسطے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف، بوڑھے آدمی سے ویسے ہی کچھ نہیں ہو سکتا اگر اور خوف غالب ہو جائے گا تو رہو ہے بھی ہاتھ پیر پھول جائیں گے، اور امید میں کچھ نہ کچھ کئے ہی جائے گا، اور جوانی میں قوت ہوتی ہے خوف کا تحمل ہو سکتا ہے جتنا خوف زیادہ ہوگا نفس کو تنبیہ ہوگی، معصیت سے اجتناب ہوگا۔ اور اعمالِ حسنہ کی کوشش کرے گا۔ ہر وقت کے واسطے تدبیر جداگانہ ہے۔ باطن طب بھی ظاہری طب کی طرح ہے، کبھی دوا سرد دیتے ہیں کبھی گرم کبھی تنقیہ کرنا پڑتا ہے، کبھی تقویت، اسی طرح باطنی امراض کی تدبیریں بھی مختلف ہیں۔

معلوم ہو گیا ہوگا کہ خوف معین ہے اور ترک خواہشاتِ اصل۔ اب صاف ہے کہ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ (ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے) ذریعہ ہے اور مقصود نَهَى النَّفْسَ (نفس کو روکنا) ہے۔ ذریعہ اسی حد تک محمود ہوتا ہے کہ مقصود تک پہنچائے، اور اگر ذریعہ کو اس حد تک پہنچا دیا جائے کہ مقصود

استتار بھی رحمت ہے

۲۹

فوت ہونے لگے تو یہ مذموم ہے کیونکہ ذریعہ ذریعہ نہ رہا، خوف اسی قدر چاہئے کہ نفس کو تنبیہ ہو۔

پس خلاصہ طریق کا ترک ہوا ہے اور خوف اس کا معین اور یہی حاصل ہے اس گُر کا۔

اب دیکھو کہ نوکر کو یہ بتا دینا کہ ناشناسا کو اندر نہ آنے دینا کہنے میں ذرا سا ہے کرنے میں بہت ہے جو کام کہ فہرست بتانے سے نکلتا وہی اس سے نکلتا ہے، بلکہ فہرست میں تو افراد محدود ہو جاتے، اگر ان کے سوا کوئی ناشناسا آنے والا ہوتا تو اس کو منع نہ کر سکتا اور اس لفظ کے بعد ایک کے منع سے بھی عمدہ برآ نہیں ہو سکتا، اور کسی تعداد تک ناشناسا کی حد نہ رہی، اسی طرح حق سبحانہ تعالیٰ نے گُر بتا دیا کہ اگر سوچے تو ولی ہو جائے، ایک فرد بھی نامرمانی کا اس سے خارج نہیں۔

دیکھئے نامرمانی ہوتی کیوں ہے، مثلاً نماز پڑھی یا تاخیر کر کے پڑھی یا بے توجہی ہوئی، حضور قلب کے ساتھ ادا نہ ہوئی اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلے گا کہ منجملہ افراد خواہش نفسانی کے ہو گا۔ فرض کیجئے کہ نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آرہی تھی عشاء کا وقت ہوا مگر آرام میں غلغلہ گوارا نہ ہوا، سو کر صبح کر دی، آرام اور تن پروری خواہش نفسانی ہی ہے، تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے کسی کام میں لگا ہوا ہو اس کام کے ادھریچ میں رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے اس نقصان کو گوارا نہ کیا، اور نماز میں تاخیر کر دی، یہ حُب مال ہو کہ منجملہ خواہشات نفسانی کے ہے۔ اسی طرح نماز میں بے توجہی بھی جہی ہوگی کہ جب توجہ دوسری طرف ہو توجہ کا ایک طرف نہ رہنے دینا بھی نفس ہی کا کام ہے۔ اس کی خواہش سے ہوتا ہے۔

غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا از تکاپِ معصیت تو صرف نفسانی خواہش

سے اس کے اندر سہی کچھ آگیا، ہر چیز میں خیال رکھے کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں، جب اس پر کوئی محافظت کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے معصیت ہو سکے۔ تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کیجئے کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت کا ہے۔ پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جاتیے، اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھئے۔ اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضرتیں ہیں مگر پھر خواہش نفسانی سے مغلوب ہو کر اس کو کرتے ہیں۔ مثلاً غیبت کرنے والا جانتا ہے کہ اگر اس شخص کو خبر پہنچ گئی تو مجھ سے لڑائی ضرور ہوگی اور بہت سے نقصان پہنچیں گے نفع تو کوئی بھی مرتب نہ ہوگا، مگر پھر کرتا ہے اور کرنے سے طبیعت کو سکون ہوتا ہے۔ جیسے کسی سے بدلہ لے لیا۔ یہ خواہش نفسانی ہی ہے جس کے سامنے مضرت کا خوف بھی مغلوب ہو جاتا ہے۔

۳۱

ایسے بھی پرسیزگار ہیں کہ خود غیبت نہیں کرتے مگر سننے میں مزہ آتا ہے۔ بہت کیا تو جب کسی نے غیبت کی، دفع الزام کے لئے کہہ دیا، میاں جانے دو اور پھر رغبت کے ساتھ سن رہے ہیں دل میں سمجھ رہے ہیں کہ میں غیبت سے محفوظ ہوں، بہت احتیاط کرتا ہوں، دوسرے کو بھی منع کر دیتا ہوں (تاناؤنی برتاؤ اللہ میاں سے) جناب اللہ میاں کو دل کی بھی خبر ہے۔

کار با اور است باید و داشتن را بیت اخلاص و صدق افزا شدن

اَسْ خِدَاتِعالی کے ساتھ معاملہ درست رکھنا چاہئے اور اخلاص و صدق کا علم بلند رکھنا چاہئے۔

فقط زبانی باتوں سے کیا کام چلتا ہے۔ اگر ان کے باپ کو کوئی گالیاں دینے لگے تو کیسے لڑنے لگیں گے۔ ممانعت اس کو کہتے ہیں۔ اس وقت یہ نہ ہوگا کہ ایک دفعہ اسے منع کر دیں اور پھر بیٹھے سنتے رہیں۔ حضرت اس

منع سے برأت نہیں ہوتی۔ غیبت میں یہ بھی شامل ہے۔ دیکھئے کہ بعد مانعت کے اگر وہ خاموش ہو جائے تو ان کے دل میں اشتیاق و انتظار رہتا ہے۔ ظاہر غیبت نہ کی ہسی ظاہر بینوں کی نگاہ میں پرہیزگار بنجائیں مگر باطن میں تو مرض موجود ہے، نفس نے جو خواہش کی تھی اس کا ظاہر تک اثر نہ آیا ہسی قلب میں تو اس سے التذاذ اور اس کی طرف میلان عزم کے ساتھ موجود ہے۔ یہی اتباع نفس ہے۔ غرض سوچنے والا سمجھ سکتا ہے کہ معصیت کس حد تک ہوگی۔ جہاں تک خواہش نفسانی پائی جائے۔ یہ ایسا جامع لفظ ہے کہ کوئی منہر معصیت اس سے باہر نہیں جاسکتا۔ جب کوئی معصیت ہوگی، خواہش نفسانی سے اور بُرائی باوجودیکہ ظاہر ہے مگر نفس کی چال میں بڑے بڑے ہوش مند آجاتے ہیں۔ کوئی چیز رشوت میں مثلاً ملنے لگے تو نفس ضرور بتاتا ہے کہ فلاں فلاں کام تجھے کرنے ہیں اُن کے لئے اتنے خرچ کی ضرورت ہے، اور ساتھ ساتھ تاویل ذہن میں آتی ہے کہ یہ شخص خوشی سے دیتا ہے اور تجھے ضرورت ہے ہی اس وقت لے لینا چاہئے، پھر اللہ میاں کریم ہیں، یہ ضرورتیں بھی رفع ہو جائیں اور پھر توبہ سے گناہ بھی نہ رہیگا، کیسی اچھی بات ہے۔ حضرت یہ سب تدبیریں ہیں جن سے نفس جال میں پھانستا ہے، اور اس تاویل کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کہ خوف دل میں ہوتا ہے، ورنہ تاویل کی بھی کون ضرورت ہے۔ اور اتنی دیر کب گوارا ہے گردن پکڑ کر حکم دیا کہ رقم ہرگز جانے نہ پائے بس اس کی تعمیل ہوگئی۔ ہاں جنکو محتاط پاتا ہے ان کے لئے خواہ مخواہ کی ضرورتیں کھڑی کر دیتا ہے اور سمجھا دیتا ہے کہ ان کا پورا کرنا ہے، حالانکہ یہ اسراف ہے۔ مگر ضرورتیں ایسی تراش لیتے ہیں کہ اس کو اسراف بھی نہیں سمجھتے۔ آجکل کے عقلمند اس مرض میں بہت مبتلا ہیں۔ مجھے ایک شخص ملے اور خوش خبری سنائی کہ لڑکا نائب تحصیلدار ہوگیا۔ میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے، اب دراصل جزائے کو یہ

تنبیہ کیجئے کہ اسراف نہ کریں۔ کہا جناب کچھ سامان تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کی آمدورفت ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چار بھلے مانس آکر بیٹھیں اور میز کرسی لیمپ وغیرہ گھٹیا رکھے ہوں یا مکان شاندار نہ ہو۔ یہ اسراف ہے جسے ضروری سمجھ لکھا ہے حالانکہ ضرورت دو قسم کی ہوتی ہے ایک واقعی اور ایک فرضی۔ واقعی ضرورت کی تو انتہا ہو سکتی ہو اور فرضی ضرورت کی کہیں انتہا نہیں۔ ظاہر ہے کہ فرضی میں بے انتہا گنجائش ہے۔ فرض میں محالات تک آسکتے ہیں۔ جب فرضی ضرورت کی کوئی انتہا نہیں تو اس کے رفع کے لئے کوئی رقم کافی ہو سکتی ہے۔ دنیا میں جو بھی رقم لی جائے گی مستناہی ہوگی۔ پھر متناہی لامتناہی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔

۱۰

اسراف معصیت تو ہے ہی اور وبال اخروی تو آخرت میں ہوگا، مگر دنیا میں بھی اس کا نتیجہ دیکھ لیجئے۔ کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہو گئے۔ ایک شادی بھی جس نے کی اس میں فرضی ضرورتیں پوری کیں تو نقدی اور جائداد اور مال و متاع سب اُن کے نذر کر دیا۔ اور پھر بھی پورا نہ ہوا۔ تضرع لے کر بمشکل آبرو بچائی۔ پھر اس قرض سے بعد چندے آبرو بھی گئی۔ ذرا ساختنہ ہے یا بسم اللہ ہے اور اس کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔ وہ کہیں نہ کہیں سے آنی چاہئے خواہ رشوت لے کر ہو یا سودی تضرع لے کر ہو یا گھریج کر، ایسا نہ ہو کوئی رسم رہ جائے۔ یہ سب فرضی ضرورتیں ہیں، بیروسی کے کان میں پانسو سے کم کا زیور نہ ہو خواہ میاں کی اوقات روہی پیسہ کی کیوں نہ ہو، کہیں سے پانسو لاؤ تب منہ دکھائے۔ میز کرسی، پوشاک حسب قاعدہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کوئی بڑا آدمی نہیں چھوٹا بندے۔ حضرت بڑے آدمی کو یہ بھی تو معلوم ہوگا کہ میاں کی اوقات صرف بچاس ہی روپے کی ہے پھر بڑا کیسے کہہ دے گا۔ یہ ضرورت نہیں

صرف فیشن ہے۔

لطف یہ ہے کہ علماء رسموں کو منع کرتے ہیں تو یہ لوگ اُن کے شریک ہو جاتے ہیں اور بڑے شکر گزار ہوتے ہیں کہ صاحب یہ تو آپ بڑا کام کر رہے ہیں کہ فضولیات کو چھوڑاتے ہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ اتنا سونا لاد لیا جائے کان کٹ پڑیں، یہ روپیہ کسی ایسے کام میں کیوں نہ لگایا جاوے جس سے اس المال محفوظ رہے، اور چار پیسے ملنے لگیں، تجارت کی جائے یا جائیداد خرید لی جائے۔ شادی کی رسمیں مطلقاً چھوڑ دی جائیں، اس روپے سے لڑکی کے لئے کوئی صورت بسر اوقات کی کیوں نہ کر دی جائے۔ آتش بازی وغیرہ سے ذرا سی دیر کا حظ نفس نہ ہوا نہ سہی۔

غرض علماء کی تائید کرتے ہیں۔ البتہ پرانی وضع کے لوگوں کو ضرور شاق ہوتا ہے۔ اور ان نئے فیشن کے لوگوں کو جب ترک دین آسان ہو تو رسم دنیا کیا۔ یہ لوگ ساتھ دیتے ہیں اور بھولے سیدھے لوگ خوش ہوتے ہیں کہ یہ بھی علماء کے ہمنیال ہیں بُری بات سے منع کرتے ہیں۔ چوری انکی پکڑی گئی کہ رسموں سے بیوی کو روکتے ہیں اصلاح میز و کرسی کے لئے نہ اس واسطے کہ اسراف نہ ہو، یا روپیہ کسی منفعت کے کام میں لگے۔ بلکہ اس لئے کہ ادھر سے روپیہ بچے تو اپنے فیشن کو درست کریں، میز و کرسی سے کمرہ سجائیں، ہار نمونہ باجا منگائیں، کوئی نیلام سے خالی نہیں جاتا۔ بیوی پر تو بقا ضا ہے کپڑا کم پہنوا، سال بھر کے لئے صرف دو جوڑے کافی ہیں، گھر میں اپنے سب طرح بسر ہو سکتی ہے۔ بہت کر رہیں جانے کے لئے ایک اُجلا جوڑا بنا لو، زیور جو کچھ میکہ سے لائی ہو وہی کیا تھوڑا ہے، بہت ہوس اچھی نہیں ہوتی، سادگی کے بھی خلاف ہے۔ ایک صاحب نے بیوی سے کہا ہم کما تے کما تے مرے جاتے ہیں اور تمہیں ذرا خیال نہیں جتنا آتا ہے سب خرچ ہو جاتا ہے ایک پیسہ نہیں بچتا، خرچ میں کمی نہیں کرتی بیوی نے کہا میرے یہاں کوئی بازار کی چاٹ

فیشن و اول برادر دست امرتسن

نہیں آتی، کوئی چیز ضرورت سے زائد میں نہیں منگاتی، کسی کو ایک پیسہ تمہاری بلا اجازت میں نہیں دیتی، جو کچھ خرچ ہے تمہارا ہی ہے۔ میں کس چیز میں زیادہ خرچ کرتی ہوں، اور کون سے خرچ میں کمی ہو سکتی ہے۔ کہا نہیں تمہارے خرچ بڑھا ہی رکھا ہے۔ اگر ماما نہ رکھو تو اس کی تنخواہ اور خوراک بچے یا نہیں ہم ایک چکی خریدیں خود پس لیا کرو اور روز کی پسنہاریوں کی وقت نہ تھوڑے اور پسائی کے دام بچیں۔ اس میں تمہارا ایک اور بھی نفع ہے کہ تندرستی اچھی رہے گی، ریاضت کرنا آدمی کے لئے بہت ضروری اور مفید ہے۔ گھر کی لیپ پوت بھی خود کر لیا کرو۔ ذرا ذرا سے کاموں کے لئے مزدور ڈھونڈنے پڑتے ہیں، ان سب ترکیبوں سے ایک کافی رقم بچ سکتی ہے، تھوڑا ہی تھوڑا کر کے بہت ہو جاتا ہے مگر جب تمہیں خیال ہو۔

غرض بیوسی کو سب مددوں میں تخفیف کی تدبیریں بتائی جاتی ہیں۔ وہی بیچاری گلا گھونٹنے کے لئے ہے ہر طرح بسر کر سکتی ہے مگر تمہاری کسی مدد میں ذرہ بھر کمی نہ ہو۔ کمرہ میں معمولی لیپ سے کام نہ چلے برقی لیپ ہونا ضروری اور وہ بھی بقدر ضرورت نہیں بلکہ دس پانچ رکھے ہیں، نازک چیز ہے، شاید کوئی ٹوٹ جائے تو دوسرا موجود رہے۔ اور ان میں بھی آج ایک نئی ایجاد ہو جائے تو پہلے خریدے ہوئے سب ردی ہیں اب نئے طرز کے خریدنے چاہئیں۔ وعلیٰ بذا۔

بیوسی کے لئے تو زیور بھی اسراف ہے اور آپ کے لئے کوئی چیز بھی اسراف نہیں۔ بیوسی کا اسراف ایک طرح کا ہے پرانے فیشن کا اور میاں کا اسراف دوسری طرح کا ہے نئے فیشن کا۔ دونوں کو چھوڑو *وَدَّتْ رَكْتُ اللّٰتِ وَالْعُرْشِي جَبِيحًا* میں نے لات و عرش سب کو چھوڑ دیا، یہ سب فضولیات ہیں جنکو نفس ضروری بتا کر طلب کرتا ہے، ان کی تکمیل خواہش نفس کی تکمیل ہے جس میں بڑے بڑے عقلمند گرفتار ہیں۔ معلوم نہیں عقل کس طرح روارکتی ہے کہ

اپنے آپ کو دشمن کے ہاتھ میں دیدیا جائے جس کی دشمنی دنیا میں بھی ظاہر ہو چکی، اسراف کے نتائج آپ نے دیکھ لئے ہی۔ مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ ہر کام میں پوچھتا کہ حق تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ بھائے اس کے ہر کام میں شیطان اور نفس سے پوچھا جاتا ہے کہ سرکار کا کیا حکم ہے اور جو اس نے کہہ دیا ہے دھڑک کر ڈالا، خواہ اللہ کے خلاف ہو یا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسلمانوں! کیا جواب ہوگا اگر پوچھا جائے گا اَلَمْ اَعٰهَدُ الْبَيْتَ يَا بَنِي اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌۙۚ وَ اِنْ اَعْبَدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌۙۚ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًاۙ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا عٰقِلُوْنَۙۚ هٰذَا جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَۙۚ

پوچھیں گے اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا دشمن ہے، میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے، اور دیکھ چکے تھے کہ بہتوں کو اس نے گمراہ کر دیا تھا، کیا تمہیں عقل نہ تھی، اب یہ جہنم موجود ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا!

میں کہتا ہوں اگر صرف پوچھا ہی جائے اور دوزخ نہ بھی ہو تو یہ کیا تمہارا ہے کہ کہا جائے، کیوں صاحب ہمارا عہد یاد ہے، ہم سے تعلق قطع کر کے باوجود یکہ ہم ہر وقت مہربان تھے، اس سے جوڑا جو ہر وقت دشمن تھا۔ اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ نجالت اٹھانی پڑے۔ دنیا میں تو قاعدہ مسئلہ ہے کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی۔ مگر اللہ میاں کے ساتھ معاملہ برعکس کیا جاتا ہے۔ جس قدر اُس طرف سے احسانات زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر اس طرف سے کفرانِ نعمت ہوتا ہے۔ جس قدر اُدھر سے ساتھ دیا جاتا ہے اسی قدر اُدھر سے قطع کیا جاتا ہے۔ اور بمقابلہ محسن کے دشمن کی پیروی ہوتی ہے۔ دشمن نے جس چیز کا حکم کر دیا اس کو کہا جاتا ہے کہ اس کی ضرورت

اور اللہ میاں نے جس کا حکم کیا وہ قدرت سے باہر ہے۔ اور ترقی سے روکنے والا ہے۔ حضرت یہ چیزیں جن کو نفس ضروری ثابت کرتا ہے ان میں انہماک سے حق تعالیٰ سے بُعد بڑھتا ہے۔ اور غفلت پیدا ہوتی ہے سے

عاقبت سازد ترا از دیں بری و این تن آرائی و این تن پروری
تیری تن آرائی اور تن پروری آخر کار تجھ کو دین سے دور کر دے گی

باہواؤ آرزو کم باش دوست و چون یضلک عن سبیل اللہ است
یعنی آرزو اور ہوائے نفسانی کا پیرو مت بن چونکہ اس کی یہ حالت ہے کہ تجھ کو اللہ
تعالیٰ کے راستے سے بہکا دیتی ہے

تاہوا تازہ است ایمان تازہ نیست و چون ہوا جز قفل آں دروازہ نیست
جب تکمے خواہش کے تابع ہے تیرا ایمان تازہ نہیں ہے مانند ہوا کے سوائے قفل کے
اس کا دروازہ نہیں ہے

دیکھو ایک جگہ کیا تمکایت فرماتے ہیں آرا آیت من اتخذن اللہ ہواؤ
”اس شخص کو بھی دیکھا تم نے جس نے اپنا معبود خواہش نفسانی کو بنایا“
ہم کو چھوڑ کر ہمارے دشمن کی اطاعت اختیار کی۔ تعجب ہے کہ اللہ میاں
نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، احکام کی مصلحتیں بتائیں اور سمجھایا اور
خاک نہ سنا۔ اور نفس نے اندر سے ایک شرہ چھوڑ دیا کہ اِفْعَلْ بِكَذَا ایسا
کر۔ بس ایسی بیعت کی ہے کہ کوئی ضرورت نہیں دل کی اور کچھ حاجت نہیں
مصلحت دریافت کرنے کی جو حکم ہوا فوراً تعمیل۔ اللہ میاں کے احکام میں
کبھی ہر ہر بات کی علت ڈھونڈھی جاتی ہے اور اس کی مصلحت پوچھی جاتی
ہے۔ حالانکہ شرائع میں علل اور مصالح ضرور ہیں مگر ہر شخص کی عقل نارسا
کی رسائی تو وہاں تک نہیں پھر ہم کو علت نکالنے کی ضرورت ہی کیا ہے
جب دلیل صحیح سے ثابت ہو گیا عمل کر لیا۔ کبھی اس میں گنجائش نکالی جاتی
ہے کہ کیوں صاحب اس کے خلاف کرنے میں کچھ اسلام سے تو خروج نہیں ہوتا

بس جب اسلام سے خروج نہیں ہوتا اور نفس کا حکم خلاف پر ہے ہی جس کو ضرورت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر کیوں نہ کیا جائے۔ یہ حالت بھی ان لوگوں کی ہے جن کو اسلام کا کسی قدر پاس ہے اور دعویٰ ہے کہ ہم شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتے۔ (خلاف شریعت شاید منحصر فرد واحد ہے۔ یعنی وہ عملی جس میں خروج عن الاسلام (اسلام سے خارج ہونا) ہی لازم آجائے)۔ اور جو لوگ کہ پورے آزاد ہیں ان کو تو دلیل غیر دلیل سے بحث ہی نہیں، ان کے نزدیک گویا خود احکام کا خلاصہ ہوائے نفس ہی ہے۔ اللہ میاں کے احکام کوئی چیز ہی نہیں۔

جو لوگ اسلام کا پاس رکھتے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیوں صاحب جس قدر معتبر اللہ میاں کے احکام میں ہوتی ہیں اگر نفس کے حکم میں ہوتیں تو کیا حرج تھا۔ اتنی حجت تو کیا اگر نفس سے خواہش کے وقت صرف اتنا ہی پوچھ لیا کریں کہ اس میں کیا مصلحت ہے۔ جس کی وجہ سے اختیار کیا جائے، اور پھر مصلحت میں غور کر لیا کریں کہ واقعی ہے یا فرضی تب بھی تو بہت سی برائیوں سے حفاظت ہو جائے۔

مگر کہاں اس کے ہاتھ میں تو ایسی باگ دی ہے کہ جب وہ کے چل چلنا پڑتا ہے اور جب کے ٹھیر، ٹھیرنا پڑتا ہے۔ نفس اگر خندق میں گرائے تو خندق ہی میں گرنا پسند ہے اور اگر آسمان پر چڑھائے تو آسمان پر چڑھنا قبول ہے اللہ میاں نے ایک حکم کیا کہ اس میں مصلحت تھی اس کو نہ کیا۔ اور نفس نے ایک خواہش کی جس میں سراسر مضرت تھی اس کو کر ڈالا،

ایک تاجر سے کوئی تلو کا مال بچیں اوپر تلو کو خریدتا تھا مگر نہ دیا اور دیا کہاں جہاں چیں اور کم ملے۔ نہ معلوم اول خریدار سے اس کو اتنی منافرت کیوں ہے اس کو اتنا خیال کہ بچیں زیادہ دیتا ہے گویا وہ اپنا نقصان کرتا ہے کہ تجارت میں کچھ اس کے چہ پڑے اور ان کو ایسی ضد کہ اپنا مال

اللہ میاں کے احکام کوئی چیز ہی نہیں

پھینکیں گے اور خمارہ ہی دیں گے مگر تمہاری مخالفت کو ہاتھ سے نہ جانے دینگے
افسوس۔

خواہش نفسانی وہ بُری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی صواب
معصیتیں ہیں کہ ان میں دنیاوی نقصان ہیں۔ معصیت میں دنیا کی بھی مضرتیں
ہوتی ہیں، ایک یہ کہ اللہ میاں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں آدمی اسباب کو جمع
کرتا ہے مگر وہ اسباب، مُؤَدَّی اِلَى السَّبَب (سبب کی طرف پہنچانے والے)
بہت کم ہوتے ہیں۔ ہر کام میں پریشان رہتا ہے۔ بعض آدمی ذرائع کم رکھتے
ہیں اور کام زیادہ نکلتا ہے۔ اس کے برعکس اس کو ذرائع زیادہ رکھنے پڑتے
ہیں اور کام اتنا بھی نہیں ہوتا۔ اور ایک یہ کہ رزق میں تنگی ہوتی ہے۔ آپ
کہیں گے ہم پر تو تنگی نہیں۔ میں کہتا ہوں رزق سے مقصود کیا ہو اطمینان
یہ معصیت کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا، اطمینان فراغ قلب کا نام ہے ناجائز
طریق سے کتنا ہی مال حاصل کر لیجئے۔ مگر جو نشاط اور بے فکری قلب کو
تھوڑے حلال کے مال سے ہوتی ہے وہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔

یہ ایسی بات ہے کہ تجربہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ وجدانی سی بات ہو
شعرہ پر سیدھے کہ عاشقی چلیست ؛ گفتیم کہ چو ماشنوی بدانی
"ایک شخص نے پوچھا عاشقی کس کو کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ جب ہماری طرح ہوگا
تو تجھ کو معلوم ہوگا کہ عاشقی کیا ہے۔"

عین محض کو کتنا ہی سمجھاؤ کہ عورت کی یہ لذت ہوتی ہے مگر وہ ہرگز
نہ سمجھے گا اور اُلٹا تمہیں کو بیوقوف بنائے گا۔ اگر اس کو سمجھانے کی کوئی تدبیر
ہے تو بس یہ کہ اس کا علاج کرو، جب قوتِ رجلیت پیدا ہو جائے گی آپ
بیوقوفی اور عقلمندی کو سمجھ لے گا، معصیت کو چھوڑ کر طاعت اختیار کرو
دیکھو قلب میں کیا بات پیدا ہوتی ہے۔ آشکارا ہو جائے گا کہ اطمینان یہ
چیز ہے۔

اس پر دلیل فلسفی بھی ہے وہ یہ کہ معصیت کرنے والا غیر اللہ کا طالب ہے اور اس تک پہنچ جانا اور اس کو پالینا ضروری نہیں، اور مطیع طالب ہے اللہ میاں کا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہیں۔ ادھر سے ذرا سی کوشش چاہئے ادھر سے خود کرم فرماتے ہیں۔ غیر اللہ کی طلب پر چونکہ نتیجہ کا ترتیب ضروری نہیں اس لئے کامیابی نہیں ہوتی۔ اور دل کو فراغ حاصل نہیں ہوتا اور اللہ میاں کی طلب پر نتیجہ مترتب ہو جاتا ہے، اس لئے قلب کو راحت ملتی ہے۔ اسی کا نام اطمینان اور فراغ ہے۔ طاعت وہ چیز ہے کہ اس کی لذت وہی جانتا ہے جو پاتا ہے۔

ساہبا تو سنگ بودی دل خراش ؛ آزمونوں ر ایک زمانے خاک ہاش
 برسوں تو تم دلخراش پتھر (متکبر) بنے رہے آزمائش اور امتحان ہی کی نظر سے کچھ دن
 خاک بن کر دیکھ لو !

ساہبا تو سنگ بودی دل خراش ؛ آزمونوں ر ایک زمانے خاک ہاش
 ایسے غافل، پتھر تو برسوں رہا ہے امتحان کے لئے ذرا دیر خاک ہو کر بھی
 دیکھ جو کبھی نام بھی لے پتھر ہونے کیا۔ خاک ہونا وہ چیز ہے کہ خاک ہو کر
 پتھر ہونا کسی نے بول نہیں کیا۔ اور پتھر بہتیرے خاک ہو گئے۔

طاعت وہ چیز ہے کہ جب تک کسی نے کی نہیں جبھی تک وہ علیحدہ ہی
 جہاں تھوڑی سی بھی کی پھر طاعت خود اس کو نہیں چھوڑتی۔ وہ چھوڑنا چاہتا
 ہے مگر یہ اڑ اڑ کر لپٹتی ہے۔ کر کے دیکھو، استحاثا ہی سہی۔ میں کہتا ہوں امتحان
 کرنے سے تو اثر کیا بھولے سے بھی طاعت اگر ہو گئی تو اثر ضرور کرے گی۔
 کپڑا بننے سے رنگ میں گر جائے تو گو وہ بات نہ آئے گی کہ اگر کوئی قصداً
 رنگتا، مگر دھبے تو ضرور پڑ ہی جائیں گے۔ تجربہ ہوا ہے لوگوں کو کہ دھبہ کہ سے
 اطاعت ہو گئی اور اثر ہو گیا۔ نصیب مشہور ہے کہ ایک چور بادشاہ کی لڑکی پر

طاعت ہوئی کئی موثر ہوئی ہو

عہد سب حضرت مولانا نے وعظ کے وقت اس کو مکرر پڑھا ہوا اس لئے مکرر لکھا گیا :۱۲ محمد انعام اللہ عنہ

عاشق تھا ایک روز کہیں چوری کے ارادہ سے بادشاہ کے یہاں پہنچ گیا۔ وہاں بادشاہ اور بیگم میں اسی لڑکی کی شادی کی نسبت گفتگو تھی۔ بادشاہ کہہ رہے تھے کہ میں تو اس کی شادی کسی ایسے شخص سے کروں گا کہ نہایت عابد و زاہد متقی ہو۔ یہ چور صاحب چوری تو بھول گئے اور بہت غنیمت سمجھا کہ آج خوب کام بنا وہاں آکر ایک مسجد میں جا بیٹھے۔ اور دن رات عبادت کرنا شروع کی، تہجد بھی، اشراق بھی، چاشت بھی، غرض عبادت ہی سے کام تھا۔ لوگوں میں شہرہ ہوا کہ ایک بڑے عابد صاحب تشریف لائے ہیں رفتہ رفتہ تمام شہر میں ان کی شہرت ہو گئی، ادھر بادشاہ نے آدمی تعینات کر رکھے تھے کہ دیکھو شہر میں سب سے زیادہ عابد و پرہیزگار کون ہے۔

ان مخبروں نے خبر دی کہ ایک عابد صاحب فلاں مسجد میں قیام رکھتے ہیں، ان سے زیادہ متقی و پرہیزگار کوئی نظر نہیں آتا۔ بادشاہ نے خاص وزیر کو ان کے پاس پیغام لے کر بھیجا اور یہاں کام ہو چکا تھا۔ انھوں نے ۹ المقات بھی نہ کیا۔ خیر وزیر نے نہایت ادب سے پیغام سنا یا، انھوں نے کہا دراصل نیت تو میری فاسد تھی اسی غرض سے عبادت شروع کی تھی مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا، اب مجھے نہ آپ کی لڑکی کی ضرورت ہے، نہ آپ کے چاہ و حشم کی بس تشریف لیجائیے اور میسر وقت ضائع نہ کیجئے۔

طاعت ایسی ہی چیز ہے کہ بعض اوقات گو اس میں غرض صالح نہ ہو مگر انجام کار اسی سے درست ہو جاتی ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ بہت لوگ اغراض فاسدہ سے اسلام قبول کرتے ہیں لیکن آخر کو وہی اسلام کامل ہو جاتا ہے ایسوں کے اسلام کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ بعض لوگ غافل نادان کہتے ہیں کہ ان بھکاریوں کو مسلمان نہ کرنا چاہئے۔ ان لوگوں نے پیشہ کر لیا ہے انکے مسلمان کرنے کا نتیجہ ہی کیا ہے سوائے اس کے کہ مسلمانوں سے روپیہ ٹھگتے

پھریں ، کوئی کہتا ہے میرے ذمہ اتنا قرضہ تھا مسلمان لوگ مل کر ادا کریں۔ کوئی کہتا ہے مجھے روزہ نماز سیکھنے کے لئے فلاں فلاں کتاب کی ضرورت ہے ، مسلمان لے دیں۔ اس میں اسلام کی بدنامی ہے کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔ مجھ سے ایک صاحب یہی فرماتے تھے میں نے ان کو جواب دیا کہ اگر ایسی بدنامی کی وجہ سے اخراج عن الاسلام (اسلام سے خارج کرنا) کریں تو آپ میں بھی ایسے عیوب ہیں جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ اُن کی وجہ سے آپ کو اسلام سے کیوں نہ نکال دیں۔ نیا مسلمان تو جنید بغدادی ہی ہو اور موروثی شیطان بھی ہو تو پروا نہیں۔

میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ بعض اوقات مسلمان کسی طرح سے ہوتا ہے ، مال کی طرح ہو یا اور کسی چیز کی مگر اسلام وہ چیز ہے کہ خود دل میں جگہ کر لیتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ لِيُخَيِّرَ اللَّهُ فَأَبَى الْعِلْمُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لِلَّهِ (میں نے علم سیکھا تو تھا غیر اللہ کے لئے مگر علم نے خود نہ مانا اور اللہ ہی کا ہو کر رہا) آگ جلاؤ اور یہ قصد نہ کرو کہ لکڑی جلے۔ تھوڑی دیر میں لکڑی راکھ ہو جائے گی۔ آگ میں یہ اثر کہ لکڑی میں خود گھس جاتی ہے ، آپ کے قصد پر موقوف نہیں۔ کسی بزرگ سے کسی نے کہا دیکھئے صاحب فلاں آدمی دکھلاوے کا ذکر کیا کرتا ہے۔ کہا، تو دکھلاوے کا بھی نہیں کرتا وہ دکھلاوے کا کرتا ہے مگر کرتا تو ہے۔ کبھی نہ کبھی ذکر اس کے دل میں جگہ کر ہی لے گا اور تجھے کیا امید ہے۔

ہمارے حضرت فرماتے تھے عبادت اول ریا ہوتی ہے چند روز میں عادت ہو جاتی ہے۔ پھر عبادت اور اخلاص۔ یہ بات بالکل صحیح ہے ، دیکھ لیجئے کہ بچپن میں آدمی نماز پڑھتا ہے اس وقت کیا حالت ہوتی ہے۔ پھر سن شعور میں اور کیفیت ہوتی ہے اور بڑی عمر میں کچھ اور ہی بات پیدا ہو جاتی ہے ، بچپن میں استاد یا والدین کے خوف سے پڑھی جاتی ہے۔

اگر کسی وقت ان کی نگرانی نہیں ہوتی تو ٹال بھی دی جاتی ہے یا بے وضو ہی اڑا دیتے ہیں، یہ ریاہی ہے۔ پھر پڑھتے پڑھتے سن شعور میں پہنچ کر طبیعت مانوس ہو جاتی ہے۔ اور جیسا کہ اور امور ضروری کا تقاضا ہوتا ہے ایسا ہی نماز کا ہونے لگتا ہے۔ تا وقتیکہ ادا نہ کر لی جائے، طبیعت پر بار رہتا ہے۔ اگر نفس کبھی ٹالنا چاہتا ہے تو زائد سے زائد تاخیر کی نوبت آتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ قضا کر دیا۔ یہ مرتبہ عادت کا ہے۔ اس کے بعد تو بحمد اللہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بلا نماز چلن ہی نہیں پڑتا۔ یہ مرتبہ احسلاص کا ہے۔

غرض عبادت ابتداءً کسی کیفیت کے ساتھ ہو مگر کبھی نہ کبھی خود دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اس کا تجربہ مدرسہ میں رہ کر اچھی طرح ہوا۔ بہت سے طلبہ کو دیکھا کہ اول ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی، مگر فارغ ہوتے ہی مخلص بن جاتے ہیں۔ بالکل حالت پلٹ جاتی ہے۔ وجہ یہی ہے کہ اول اگرچہ نیت ٹھیک نہ تھی مگر شروع ایسی چیز کو کیا ہے کہ وہ خود ٹھیک کر لیتی ہے۔ یہی بات ہے کہ اس کو جو لوگ نہیں جانتے ہیں وہ طالب علموں کی ابتدائی حالت دیکھ کر طرح طرح کے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ بالکل مہمل ہوتے ہیں، دنیا سے تو نا آشنا ہیں ہی دین میں کیا کمال پیدا کیا۔ میں کہتا ہوں ابھی ان کی حالت کیا دیکھتے ہو، پڑھتے رہو انہی میں مقتدا لوگ ہوں گے اور انہی میں غسزالی وقت بھی ہوں گے۔ طالب علموں سے اگر ذرا سا قصور ہو جاوے تو تمام شہر میں سن لیجے، اسلامی مدرسہ والوں نے یوں کیا، کس قدر مختارت اس لفظ سے ٹپکتی ہے۔ آپ کو ان سے تعلق رکھنا چاہئے یا قطع کرنا۔ یہ تمہارے دین کے حامل ہیں ان سے قطع کرنا کس سے قطع کرنا ہے، آپ کو ان سے تعلق ہی رکھنا چاہئے۔ اگر آپ کا ہتھ بازار میں کسی سے لڑ آئے اور یہ بھی آپکو

معلوم ہو جائے کہ سراسر زیادتی اسی کی تھی تو آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔ اگر لڑائی کے وقت آپ پہنچ جائیں گے تو لڑکے کی زیادتی اور عدم زیادتی کی طرف تو خیال بھی نہ ہوگا اس وقت تو اسی کی حفاظت کریں گے اور جس طرح ممکن ہوگا اس کی بات نیچی نہ ہونے دیں گے۔ پھر اس غصہ کے فرو ہونے کے بعد علقہ گی میں بچہ کو فہمائش کریں گے۔ کہ آئندہ ایسی زیادتی نہ کرنا یہ بھی جب ہے کہ آپ بہت ہی حق پسند ہوں ورنہ باطل ہی کی پیروی ہوگی اور اس کو کچھ ملامت وغیرہ نہ ہوگی، اور اگر کوئی غیر آدمی پوچھے گا کہ میں کیا بات تھی تو یا تو اپنے بچہ کیسی کہیں گے اور اگر بالکل ہی صریح خطا ہوگی تو کہیں گے کچھ نہیں بازار میں ایک آدمی سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا، لڑکا تیز مزاج ہے دہتا کسی سے ہے نہیں بات بڑھ گئی۔

اپنے بچہ کے عیب کو کیوں مشہور نہ کیا۔ اس کا عیب عیب نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ اس سے آپ کو طبیعتی تعلق ہے، اس کی بدنامی آپ کی بدنامی ہے، بچہ سے طبیعت کے حکم سے تعلق ہے۔ طالب علم سے حق تعالیٰ کے حکم سے تعلق رکھا ہوتا اس کے قصور کو بھی اپنے بچہ کے قصور کی طرح دہایا ہوتا۔ بچہ کی بدنامی میں اپنی بدنامی سمجھی نہیں۔ طالب علم کی بدنامی میں اپنے دین کی بدنامی سمجھی ہوتی۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اگر ان کے قصور نہ پکڑے جائیں تو ان کو تنبیہ کیونکر ہو۔ میں کہتا ہوں اپنی طبیعت ہی سے انصاف کر لو کہ جس طرح اپنے بچہ کو تنبیہ کرتے ہو اسی طرح طالب علم کو کرتے ہو یا نہیں؟ فرض کر لو کہ تمہارا بچہ اس قدر شریر ہو کہ باوجود فہمائش کے بھی نہ مانے اور بدتر سے بدتر حرکتیں کرے جس سے عاقدان بھر پر دھتہ آجائے، ننگ و ناموس کو بٹہ لگ سکا تب آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں؟ کیا اس سے بالکل قطع کر دیتے ہیں قطع نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی قطع بھی کرے تو دل پر وہ عدم رہتا ہے کہ

موت سے بدتر ہے۔ باوجود قطع کے تمام عمر یہی چاہتے ہیں کہ کاش یہ اسحق اپنی حرکتیں چھوڑ دے۔ خود سمجھانے سے جب اثر نہیں ہوتا تو جن کا وہ لحاظ کرتا ہے ان سے ہمائش کرائی جاتی ہے۔ طالب علم کے کسی بڑے جرم پر تو کیا ایک چھوٹے سے تصور پر بھی میں پوچھتا ہوں کہ اسی طرح مشفقانہ تنبیہ ہوتی ہے یا اجنبیانہ۔ اگر اسی طرح مشفقانہ تنبیہ آپ کرتے ہیں تو الحمد للہ وہو المقصود (یہی مقصود ہے) اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں پھر کہتا ہوں کہ ان سے آپ نے قطع کیوں کیا، کیا وہ آپ کے دین کے محافظ نہیں ہیں؟ یا آپ کے ذمہ دین کی حفاظت نہیں ہے؟ ان کے ایک تصور پر آپ سب کو بدنام کیوں کرتے ہیں۔ کیا آپ کے سب بچے ایک ہی سے صالح ہوتے ہیں؟ یا بچپن ہی سے آپ کے بچے تمیز دار ہوتے ہیں؟ ان میں بھی اگر ایک کم سمجھ ہے تو بڑے بڑے بھدار بھی تو ہیں، آج اگر یہ کم استعداد ہیں تو کل امام وقت اور غزالی وقت بھی تو انہی میں سے ہوں گے۔ ابتدائی حالت دیکھ کر ان پر اعتراض مت کرو۔ ہر طاعت کی ابتدائی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔

۱۳

حاصل کلام یہ کہ طاعت ہونی چاہئے خواہ کسی طرح ہو پھر طاعت آدمی کو خود درست کر لیتی ہے۔ اور طاعت ایسی چیز ہے کہ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں نفعے ہیں۔ رزق میں کشائش ہوتی ہے اگرچہ آدمی چنداں مالدار نہ ہو مگر طاعت کے ساتھ عجیب طرح کا اطمینان اور فراغ قلب میں ہوتا ہے اور برعکس اس کے معصیت سے رزق میں تنگی ہوتی ہے اور اطمینان ہر کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اور بھی مضرتیں ہیں جو معصیت پر متفرع ہیں مضرت اور یہ تو لازمی۔

غرض سرمانبردارمی سے ہمیشہ مسرت ہوتی اور معصیت سے مضرت، اور یہ گولازمی مضرتیں ہیں۔ اکثر مضرتیں متعدی ہو جاتی ہیں۔ جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہنچے گی۔ پھر وہ کیوں نہ کرے گا

بلکہ اس سے زیادہ کرے گا۔ اس سے دونوں میں عداوت پیدا ہوگی۔ پھر عداوت وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑ جاتی ہے تو دونوں کا نماز روزہ سب عداوت ہو جاتی ہے، اٹھنے میں بیٹھنے میں سونے میں، ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچے، نیت نماز کی باندھ رکھی ہے، اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچی جا رہی ہیں۔ یہ کیا نماز ہوئی۔ شغلِ قلب ہوا اور کاہے سے حرام چیز سے، منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت میں آلودہ ہے، دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ حلال تھیں۔ یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔

غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوتی، اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کا کر لیتی ہے، اور صرف ایک کام کا رہ جاتا ہے، اور مضرت رسائی آپ جانتے ہیں کہ چھوٹا سا لفظ کس قدر شر کو جامع ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں، اظہر من الشمس (سورج سے زیادہ ظاہر) ہے۔ یہ اتحاد کی ضد ہے۔ جتنی خیر دنیاوی و دینی اتحاد میں ہے اتنا ہی شر بمقابلہ اس کے اس میں ہے۔ یہ سب کاہے سے ہوا صرف ذرا سی غیبت سے۔ یہ معصیت کی متعدی مضرت کی مثال ہوئی۔ یہ بھی خواہشِ نفسانی کا ایک فرد ہے۔ اور خواہشِ نفسانی کی ایک خرابی سننے، میرا اور آپ کا جائداد پر مقدمہ ہے۔ ہر شخص کی خواہش ہوگی کہ مجھ کو ہی پورا مل جاوے۔ بس لڑائی ہوگئی۔ اگر دونوں یہ کہتے کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے تو طول کاہے گو کھینچتا۔ مقدمہ بازی کی نوبت کیوں آتی، اور باہمی نفاق اور عداوتیں کیوں پیدا ہوتیں،

چنانچہ حدیث شریف میں ایک قصہ ہے (ایم سابقہ میں بھی بڑے بڑے اچھے لوگ ہوئے ہیں) ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک مکان بیچا۔ مشتری نے جب دخل لیا تو اس میں ایک گھڑا سونے کا بھرا ہوا پایا۔ وہ گھڑا لے کر

بائع کے پاس آیا کہ تم اپنا گھڑا لے لو، تمہارے مکان میں سے نکلا ہے۔ اس نے کہا
 میں تو مکان کی قیمت بے چکا میرا اس میں کیا ہے، اس نے کہا میں نے تو قیمت
 مکان کی دی ہے اس پر عقد ٹھیرا ہے یہ گھڑا عقد میں شامل نہیں میں کیسے
 لیلوں! ایمانداری اسے کہتے ہیں۔ اگر آجکل گھڑا نکل آئے تو مزہ آجائے۔
 کانپور میں دو آدمیوں نے کہیں سُن لیا تھا کہ شبِ برأت میں جو دعاء
 مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے، شبِ برأت کو دونوں ایک مٹی کا بڑا ڈھیلا
 لے کر بیٹھے، اور اس پر ایک رومال ڈھانک دیا۔ اور دعاء مانگنی شروع کی، کہ
 یا اللہ یہ مٹی سونا ہو جائے، جب تمام رات جاگے اور اسی دعاء میں رہے،
 جوں جوں صبح قریب ہوتی تھی اشتیاق بڑھتا جاتا تھا کہ اب یہ سونے کا
 ہو جائے گا۔ بٹھن صبح پکڑی اور جلدی سے اس کو کھولا۔ دیکھیں تو وہی مٹی
 ساری آرزو میں خاک ہو گئیں اور دل مر گیا کہ شبِ قدر بھی خالی گئی جسپر
 بڑا اعتماد تھا، طرح طرح کے شیطانِ خیال دل میں آئے کہ دعاء کو ویسے بھی
 سُننا کرتے تھے کہ قبول ہوتی ہے، اور آج تو شبِ قدر تھی۔ اسی تردد
 میں بیٹھے تھے، خیریت ہوئی کہ بندۂ خدا ایک درزی پہنچ گیا، یہ کچھ اہل علم کی
 صحبت پائے ہوئے تھا، اس نے پوچھا کیسے سُست ہو، انھوں نے سارا
 قصہ بیان کیا، کہا بھائی شکر کرو، اسی میں کچھ حکمت ہوگی۔ ایک ذرا سی
 بات تو مجھے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ میان تمہارے بدخواہ نہیں ہیں۔ تم نے تو
 یہ سمجھا کہ مٹی کے سونا بننے میں تمہارا نفع ہے مگر تمہارا نقصان۔ ابھی جب صبح
 کو تم نے ڈھیلا کو کھولا، اگر وہ سونے کا نکلتا تو تم دونوں میں لڑائی تو ابھی
 ہوتی، پھر جانے کہاں تک طول کھینچتا، ممکن ہے کہ ڈھیلا کسی تیسرے کا ہو جائے
 اور تم دونوں میں لڑائی مفت میں بندہ جاتی! آدمی سمجھدار تھا، دونوں کی
 تسکین ہو گئی۔ موہوم سونے کے لئے تو اتنی محنت کی، کہیں سونے کا
 گھڑا نظر پڑ جائے تو جانے کیا ہو۔ اس کو دیکھئے کہ گھڑا مالک مکان کو دینے

آیا اور مالک کو دیکھئے کہ لینے سے انکار ہے۔

وہ لوگ ایسے تھے۔ صحابہ کا ایک قصہ کتاب میں آتا ہے کہ ایک غزوے میں بہت سے آدمی شہید ہوئے۔ چند آدمی نزع کی حالت میں تھے، موت کے وقت تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایک شخص نے آواز دی کہ کوئی میرے حلق میں ذرا سا پانی ڈال دے تو بڑا کام کرے۔ ایک بندۂ خدا کا سہ میں پانی لیکر پہنچے، اور چاہتے تھے کہ ان کے منہ میں ڈالیں کہ اتنے میں ایک طرف اور آواز آئی کہ ذرا سا پانی کوئی پلاتا انہوں نے پڑے پڑے کہا کہ پہلے ان کو پلاؤ پھر مجھے پلانا، یہ شخص پیالہ لے کر ان کے پاس پہنچے، پلاتا ہی چاہتے تھے کہ اسی طرح اور ایک آواز آئی، غرض مقتل میں چھ سات جگہ اسی طرح پانی لئے پھرے، اور سب یہی کہتے رہے کہ پہلے میرے بھائی کو پلاؤ۔ اخیر میں جنگے پاس پہنچے ان کو پلانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ کہ دم آخر ہو گیا۔ یہ شخص واپس ہوئے اور پہلوں کے پاس پانی لائے۔ جس کو دیکھا دم آخر ہو چکا ہے ایک نے بھی پانی نہ پیا۔ اور پیالہ بھرا ہوالے کر چلے آئے۔

۱۶

ایشار اس کو کہتے ہیں، پانی وہ چیز ہے کہ سفر ج میں دیکھا ہے کہ باپ بیٹے کو پیاس کے وقت میں چھوڑ دیتا ہے۔ موت کے وقت کی پیاس کا کیا حال ہوگا۔ غرض ہم میں جو بجائے ایشار کے کشاکشی اور نزاع و جدال ہے اسکی وجہ ہی اتباع ہوا ہے۔ یہی باہم اتفاق نہیں ہونے دیتا۔ آجکل سب نے یاد کر لیا ہے اتفاق اتفاق، یہ خبر نہیں کہ اتفاق کا ہے سے ہوتا ہے۔ اتفاق ہوتا ہے خواہش نفسانی کو روکنے سے۔ دو شخصوں میں جب جھگڑا ہوگا کسی ایسی ہی چیز پر ہوگا کہ ہر ایک ان میں سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا۔ اگر وہ دونوں اپنی خواہش کو روک لیں اور اس چیز کی طلب چھوڑ دیں تو پھر جھگڑا کیسا، امدانہ اتفاقی کہاں، اتفاق اتفاق کہتے رہے اور نفس کو روکنے نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

غرض جملہ شروں کی اگر جڑ ہے تو خواہش نفسانی ہی ہے۔ خواہش نفسانی ہی روکنے کی چیز ہے۔ دیکھئے اگر روکا نہ جائے نفس کو تو کیا انجام ہوتا ہے۔ اس نکتہ کو سب ہی نے سمجھا حتیٰ کہ حکام میں سے ان لوگوں نے جن کو مذہب سے علاقہ بھی نہیں حاکم کیا کرتا ہے، بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے۔ جن افعال سے روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جنکو لوگ کرنا چاہتے ہیں، مگر اس کے نزدیک باعث مضرت نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیاوی مصلحت کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھئے کیا ہو، ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے دے، چوروں کو چوری کرنے دے، زبردستوں پر زبردستوں کو ظلم کرنے دے۔ غرض ہر شخص کو مغلًّٰ بالطبع کر دے کہ اپنی خواہش کے موافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہوگی۔

قانون کیا ہے ملک کے افعال کی ایک حد قائم کرنے والی چیز ہے۔ یا کچھ اور جو کوئی حد سے گزرے اس کو جزا و سزا ہوتی ہے جب اس گزرنے میں کچھ برائی سمجھی گئی ہے تب ہی تو اس پر جزا و سزا ہے۔ سب کو مغلًّٰ بالطبع کیوں نہ چھوڑ دیا فرض کیجئے کسی کو روپے کی ضرورت ہے یا ضرورت نہیں بھی ہے یوں ہی کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے۔ تو اس کو کیوں منع کرتے۔ اور اگر چھین لے تو چالان کیوں ہوتا ہے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے ضرورت ہے یا میرے جی کو کیوں مارتے ہو خواہش پوری کرنے دو، معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجازت دینے میں کوئی ایسی مضرت ہے، کہ اس کے مقابلہ میں ضرورت کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دنیاوی انتظاموں کو بھی دیکھ کر یہ بات صاف نکلتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے ہی کی چیز ہے۔ اگر خواہش نفسانی روکنے کی چیز نہیں ہے تو اپنے گھر میں بی بی کو کیوں روکتے ہو، اس کو تو طرح طرح سے سمھاتے ہو، زیادہ زیور فضول ہی پوشاک میں زیادہ تکلف سے کیا فائدہ، مگر اپنے نفس کو نہیں روکتے۔ اگر آزادی ہی

پسند ہے تو بی بی کو بھی آزادی دو جس طرح چاہے خرچ کرے۔ اور اگر آزادی میں نقصان ہے تو جس طرح بی بی کو بے فائدہ کاموں سے روکتے ہو اپنے نفس کو بھی پابند کرو، مگر دونوں کے آزاد ہونے کو تو کوئی پسند نہ کرے گا تو لامحالہ دوسری ہی شے رہ گئی کہ دونوں پابند ہوں۔ پابندی وہ چیز ہے کہ کسی کو اس سے چارہ نہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جو عقلمند ہیں بالاختیار کرتے ہیں اور کم عقل بھگت اور قہر پابند بنائے جاتے ہیں، آپ نفس کو بالکل آزاد کسی طرح نہیں کر سکتے، اگر قانون خداوندی سے آزاد کر دیا اور اللہ میاں نے دنیا میں کچھ نہ کہا تو قانون دنیاوی پابند بنانے کے لئے موجود ہے۔ اور دست بدست مزا تیار ہے بہت سی خواہشیں ہیں کہ قانون کی وجہ سے چھوڑ دینی پڑتی ہیں۔ کیونکہ ان پر عمل کرنے سے مزا ہوتی ہے۔

۸ اے مسلمانوں قانون کی وجہ سے تم نے خواہش نفسانی کو چھوڑ دیا اور اللہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے نہیں چھوڑتے، کیا غضب کی بات ہے۔ اگر قانونا ممانعت ہو جائے تو ایک بھی حیلہ باقی نہ رہے۔ اور اللہ میاں اگر کسی کام کی ممانعت کریں تو اس میں حیلے نکالے جائیں، اور ایسی ایسی تاویلیں کی جائیں کہ تاویل کے مرتبہ سے نکل کر تحریف تک پہنچ جائیں۔ اور اگر بالکل ہی صریح حکم ہو تو اس کا مقابلہ ضرورت سے کیا جاتا ہے۔ کہ حکم تو یہی تھا مگر اب ضرورت ہے۔ قانون کے مقابلہ میں یہ ضرورتیں کہاں چلی جاتی ہیں افسوس مجتہد الہی مصلحت دنیوی کے برابر بھی نہ ہوتی ہے

عشق مولے کے کم از لپیٹے بود ۛ کوئے گشتن بہر او اولے بود

عشق مولے کے کم از لپیٹے بود ۛ کوئے گشتن بہر او اولے بود

مولیٰ کا عشق لپیٹے کے عشق سے کب کم ہو، اس کے لئے کوچہ گردی زیادہ بہتر ہے؟

یک مردار عورت اگر کہے رات بھر کھڑے رہو تو کر گذریں گے اور اللہ میاں

سنا تا بوا عظم صاحب نے اس کو مکرر پڑھا ہے گا جامع و عظیم بھی مکرر لکھا ہے ۱۲

کے عجم سے عشاء کی نماز بھی بھاری ہے۔

ایک شخص کا قصہ ہے (یہ ایک بزرگ ہیں، پہلے حالت ایسی ہی تھی بعدہ بڑے شخص ہوئے ہیں)، ایک عورت سے تعشق تھا بڑی تمناؤں کے بعد ایک دن کہیں شام کو بات کرنے کا موقع مل گیا اور صورت یہ تھی کہ کھڑکی کے نیچے بات کرنے کھڑے ہوئے تھے ایسے محو ہوئے کہ تمام رات اسی طرح گزر گئی، عشاء کی نماز بھی فوت ہوئی، جب مؤذن نے اذان دی تو حضرت کیا کہتے ہیں بھلے مانس تجھے بھی آج ہی عشاء کی اذان سویرے کہنی رہ گئی تھی۔ کسی نے کہا جناب خبر بھی ہے صبح ہو گئی، صبح کی اذان ہے۔ منہ پھیر کر دیکھا تو واقعی صبح ہے۔ دل پر اثر ہوا بہت روئے، ایک عورت کے خیال میں حق سبحانہ تعالیٰ کا فرض قضا ہوا، ایک بزرگ کے ہاتھ پر توبہ کی اور اس خیال کو چھوڑا۔ پھر صاحب کمال ہوئے اور سبھی کچھ ہوا۔

ایک عورت کی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے، غور کریں تو آجکل احکام الہی کی اتنی بھی تو قدر نہیں جتنی کہ ایک کسب کی، احکام الہی خواہ کیسے ہی سہل ہوں اور سراسر مفید اور حکمت ہی حکمت ہوں، مگر شاق ہوتے ہیں۔ اگر کسب ہی الہی احکام کو کہے جو اللہ میاں نے فرمایا تو کچھ تکلیف نہ رہے بلکہ اگر کبھی ان احکام کو بھی کہے جو اللہ میاں کے خلاف ہیں تب بھی کچھ شاق نہیں معلوم ہوا کہ احکام فی نفسہ شاق نہیں صرف محبت کی کسر ہے۔ مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ اللہ میاں کے سامنے کَالْقَلَمِ فِي يَدِ الْكَاتِبِ (کاتب کے ہاتھ میں قلم کی طرح) ہوتا اور غیر کے سامنے لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا انصاف کی بات ہے کہ اللہ میاں کی طرف سے بندہ پر کس قدر انعام و افضال ہر وقت ہوتے ہیں اور غیر اللہ کی طرف سے خاک بھی نہیں ملتا، پھر اپنے منعم کے سامنے نرم ہونا چاہئے، یا آپ جیسے عاجز بلکہ دشمن کے سامنے، ظاہر ہے کہ منعم ہی کے سامنے ہونا چاہئے۔

چونکہ برمیخت بہ بند و بستہ باش و چون کشاید چابک و برجستہ باش
 بہجو کلکم در میان اصبعین و نیستم در صف طاعت بین بین
 جب باندہ دیں تو بندہ جاؤ جب کھولیں تو چست و چالاک ہو جاؤ۔ میں قلم کی طرح
 در انگلیوں میں ہوں، صف طاعت میں بین بین نہیں ہوں۔“

مسلمان کو اللہ میاں کے سامنے ایسا ہونا چاہئے جیسے کاتب کی انگلیوں میں قلم،
 کہ اسکو کچھ عذر نہیں، کاتب کو اختیار ہے جس طرف چاہے چلائے اور چلائے
 یا نہ چلائے۔ کیا غضب ہے کہ اللہ میاں کے ہاتھ میں تو ایسے نہ ہوں اور ہوں کس کے
 ہاتھ میں نفس کے۔ بُت پرستی کو منع کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہر شخص
 کی بغل میں بُت ہے۔ ظاہری بت پرست پر تو طرح طرح کے طعن کئے جاتے
 ہیں اور ان کو احمق بتایا جاتا ہے، اور اپنے آپ باطنی بُت پرستی میں مبتلا ہیں
 اور عقلمندی کا دعویٰ ہے۔ کسی نے ایک بُت کو پوجا، کسی نے دوسرے کو۔ کیا
 فرق ہے لات کو پوجنے والے میں اور خونی کو پوجنے والے میں۔ جہاں ظاہری
 بُت پرستی چھوڑی ہے باطنی بھی چھوڑو، اپنی باگ نفس کے ہاتھ میں مت دو۔
 حق تعالیٰ اپنے منعم حقیقی کے تصرف میں ہمہ تن اپنے آپ کو دیدو۔ احکامِ الہی
 کے سامنے سر جھکا دو، اتباع تو وہی ہے کہ آدمی اپنے ارادے کو چھوڑ دے اور
 دوسرے کے ارادے کے تابع ہو جائے۔ دیکھ لیجئے قانون کے سامنے کیا حال ہوتا
 ہے کہ اپنی خواہش چھوڑنی پڑتی ہے۔ اور حاکم کے حکم کو ماننا پڑتا ہے۔

۲۰

اب لوگوں نے حق سبحانہ تعالیٰ کے حکم کا اتباع تو بالکل چھوڑ ہی دیا،
 اوروں ہی کا اتباع اختیار کر لیا، اور اتباع کرنے کی دو چیزیں تھیں، عقائد
 اور اعمال۔ اعمال میں تو یہ گنجائش نکالی گئی ہے کہ ہم مجبور ہیں اور یہ احکام مصلحت
 وقت کے موافق نہیں، مگر اب عقائد میں بھی خواہش نفسانی کو ترجیح ہونے لگی
 ہے۔ مال کو پہلے ضروری تو سمجھتے تھے مگر تکلیف سمجھ کر ان کے ادا میں قصور
 کرتے تھے، اب ان کی ضرورت ہی ذہن سے اڑ گئی، اداسے اعمال کو تو چھوڑا

تکلیف کی وجہ سے مگر ان کے وجوب کے عقیدہ میں کیا تکلیف تھی، ہاں اس میں
 بھی ایک تکلیف تھی، وہ یہ کہ نفس نے دیکھا اگرچہ میں نے ادا سے اعمال سے
 روک دیا مگر تا وقتیکہ ان کے وجوب کا عقیدہ اس کے ذہن میں ہے ممکن ہے
 کہ پھر کبھی ادا پر مستعد ہو جائے۔ اس وقت پھر نبھے کوئی تدبیر اس کے روکنے
 کی کرنی پڑے گی۔ اور احتمال ہے کہ روکنے سے نہ رُکے۔ اس لئے اس احتمال
 کے قطع کرنے اور اپنی بار بار کی تکلیف، بچانے کے لئے نفس نے یہ تدبیر
 نکالی کہ سرے سے ان کے وجوب کا عقیدہ ہی اڑا دینا چاہئے۔ عقائد اعمال
 کے لئے بمنزلہ جرٹ کے ہیں۔ جرٹ کاٹ دینے سے احتمال ہی نہیں رہتا کہ شاخیں
 پھر ہری ہوں گی۔ عقائد کے بدلنے سے نفس بہت سی تکلیفوں سے بچ گیا۔

ایک صاحب فرمانے لگے کہ دین میں جو کچھ حاج ہے وہ نماز ہے۔ غیر مذہب
 کے بہت سے آدمی اس وقت اسلام میں آنے کو تیار ہیں مگر یہ خیال مانع
 ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد نماز پڑھنی ہوگی۔ پانچ وقت کی پابندی سرٹ پڑگی۔
 مولوی لوگ نماز کی قید اٹھا دیں تو آج ہی دیکھتے تکتے کافر مسلمان بنتے ہیں، اور
 مسلمانوں کی جماعت کتنی بڑھ جاتی ہے۔ (نماز ایسی مولویوں کی ہے کہ معاذ کریں)
 ایک صاحب کہتے ہیں سود کی مانعت سے افلاس آگیا اور قومیں سود ہی
 کے ذریعہ سے ترقی کرتی جاتی ہیں؛

غرض جو جسکی سمجھ میں آتا ہے احکام الہی میں اصلاح دینے کو تیار ہے، گویا
 اللہ میاں کو یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہم سے رائے لیکر کیوں احکام مسترد نہ
 کئے تھے، کثرتِ راتے پر کیوں فیصلہ نہ کیا۔

ہم لوگوں کا کیا حال ہے، عقائد میں یہ حال، اعمال میں یہ حال۔ صورت
 میں آزادی، آمدنی میں حلال حرام کی خبر نہیں، زمینداروں نے طرح طرح کے
 ناجائز ابواب باندھ رکھے ہیں۔ بیع و شراہ میں عقد کے صحت و بطلان کی پرواہ
 نہیں۔ آم کی بہار بکتی ہے حالانکہ آم کا وجود بھی نہیں ہوتا یہ بیع باطل ہے۔

بیچ باطل میں مال مشتری کی ملک نہیں ہوتا۔ اس کا رد واجب ہے کیے بعد دیرے جہاں تک سلسلہ چلا جائے کسی کی ملک نہ ہوگا۔ گناہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

غرض معاملات کی صفائی کی طرف اصلاً خیال نہیں۔ زبان غلبت میں اور طعن میں مبتلا، قلب حرص میں اور طمع میں گرفتار۔ اونٹ سے کسی نے پوچھا اونٹ رے اونٹ تیری کون سی گل سیدھی، کہا کوئی بھی نہیں۔ ایسی ہی ہم لوگوں کی حالت ہے، ظاہر کی طرف دیکھتے وہ ٹھیک نہیں باطن کی طرف نظر کیجئے وہ درست نہیں، حالانکہ حق تعالیٰ نے صرف احکام ہی نہیں نازل کئے، بلکہ ایک اتنا بڑا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھیج کر یہ بھی بتا دیا کہ اس نمونے کے ہو کر آؤ، تعلیم کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کسی شے کی پیمائش زبانی بتادی جائے اور کہہ دیا جائے کہ اتنی لائبی، اتنی چوڑی، اتنی موٹی بنا کر لاؤ۔

اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کا ناپ تول بتانے کے ساتھ بنا ہوا نمونہ بھی دکھا دیا جائے کہ آخری صورت ایسی پیدا ہونی چاہئے یہ نہایت ابلغ ہے خوشنویس لکھنے والوں کو بتاتا ہے کہ الف تین قطع کا لکھو، اور اوپر کی نوک ایسی ہو اور نیچے کی ایسی، مگر یہ بتانا کافی نہیں۔ لکھنے والوں کو ہرگز الف بنانا نہیں آسکتا تا وقتیکہ استاد اس کی صورت بھی اپنے ہاتھ سے کھیچ کر نہ دکھائے اگر ہاتھ سے لکھ کر دکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو استاد کے نخرے اٹھانیکی کیا ضرورت رہتی، کتابوں میں سب حرفوں کی پیمائش لکھی ہے اسی کو پڑھ کر خوشنویس بناتے۔ حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔

سوا احکام تو ظاہر و باطن کی تحدید کا نام ہے جس سے ظاہر و باطن کی ایک خاص صورت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کہ تین قطع سے الف کے طول کی حد قائم ہو اور نصف قط یا کم و بیش سے اس کے عرض کی انتہا مقرر ہو کر ایک خاص صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ممکن تھا کہ اللہ میاں صرف احکام نازل فرمادیتے جو ظاہر و باطن کی ناپ تول ہیں، اور یہ فرمادیتے کہ یہ ناپ تول ہیں، ان کو پورا پورا

درست کرو یہاں تک کہ وہ صورت پیدا ہو جائے جو ہماری مرضی کے موافق ہو اس وقت معلوم ہوتا کہ ہم لوگ کس قدر حرج میں پڑ جاتے اور کیسی کیسی دقتیں پیش آتیں تمام عمر احکام کی پابندی کرتے اور پھر اطمینان نہ ہوتا کہ وہ صورت پیدا ہوگئی جو حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے۔ مگر نہیں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، احکام بھی نازل فرمائے اور محض اپنی رحمت سے نمونہ بھی دکھا دیا کہ اصلاً تردد نہ رہے کہ احکام کی پوری پوری تعمیل ہوگئی یا نہیں، اپنی صورت کو نمونے سے ملا کر دیکھ لو فوراً سا بھی فرق ہو تو معلوم ہو جائے گا کسی حکم کی تعمیل میں کسر رہتی۔ مگر اس رحمت کی کیا قدر ہوتی ہم کس قدر نمونہ کے موافق بشکر آتے، اگر درزی کو اچکن سینے کو دو ادھو وہ ساری اچکن بہت ٹھیک اور خوب صورت بدن کے موافق سیئے، کہیں جھول تک نہ رہے، سلانی کہیں ٹیڑھی و ہر غرض سب طرح ٹھیک ہو صرف ایک آستین کو چار انگل چھوٹا کر لائے تو کیا آپ اس کو لے لیں گے؟ اور کیا یہ بات اس کی سن لیں گے کہ جناب ساری اچکن ۲۳ تو ٹھیک ہے آستین بھی دو ہیں صرف ایک آستین چار انگل کم رہ گئی ہے تو کیا ڈر ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس اچکن کو آپ اس کے سر سے ماریں گے۔ اور اگر اس نے قصداً ایسا کیا ہے تو قیمت واپس لینے پر بھی اکتفا نہ ہوگا کچھ جرمانہ بھی لیا جائے گا۔ حالانکہ نمونہ سے صرف چار انگل مخالفت ہے۔

یہاں نمونہ سے چار انگل بھی مطابقت نہیں۔ اللہ میاں کا حکم تھا کہ نمونہ کے مطابق ہو **إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ**۔ (اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کریں گے) **مَا آتَانَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي** (جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ)۔

انسوس مسلمانوں نے ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کیا، جو وضع بتائی اس کے خلاف وضع تراشی، نکاح نیا تراشا، اخلاق نئے اختیار کئے، اب عقائد میں بھی تراش خراش ہونے لگی، اور

پھر لطف یہ ہے کہ دعویٰ ہے اتباع کا، معلوم نہیں کہ اتباع کس چیز کا نام ہے اگر کوئی ایسے لوگوں کو دیکھے تو کیا کہہ سکتا ہے کہ یہ قوم اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گروہ میں ہے، گروہ میں ہونے کے لئے کسی بات میں بھی مطابقت نہیں، بلکہ جان جان کے مخالفت کی جاتی ہے، اس گروہ میں ہونا تو کہاں اب تو اس گروہ کے لوگوں سے ملنا بھی نہیں چاہتے، کیوں کہ اس گروہ میں ترقی نہیں ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے لکھنؤ میں بیان کیا کہ آج کمیٹی ہوئی جس میں ان اسباب پر بحث کی گئی جو مسلمانوں کو ترقی سے روک رہے ہیں۔ بہت سے اسباب بیان کئے گئے، آخر میں یہ طے ہوا کہ مذہب مانع ہے ترقی سے۔

اس کو چھوڑ دینا چاہئے! یہ نوبت پہنچ گئی ہے۔ اس لامتناہی ترقی ہی نے خرابی ڈالی ہے۔ کہیں اس ہوس کی انتہا بھی ہوگی، حالانکہ یہ ترقی ہرگز اطاعت کے

ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، کیوں کہ اطاعت میں کچھ نہ کچھ پابندی ضرور کرنی پڑے گی اور یہ ترقی مطلق العنانی کو چاہتی ہے۔ یہ ترقی وہی حاصل کر سکتا ہے کہ نہ یہ

دیکھے کہ روپیہ حق سے آیا نہ یہ دیکھے کہ ناحق سے۔ چوری سے وہ نڈر ہے۔ قلم سے اسے خوف نہ ہو، روپیہ حاصل ہو جس طرح ہو، حالانکہ قطع نظر خلافت دین ہونے

سے ایسا مال دنیا ہی میں فلاح نہیں دیتا، بلکہ جس راہ سے آیا تھا اسی راہ جاتا ہے۔ اس میں برکت مطلق نہیں ہوتی۔ رشوت کے ہزار اور حلال کے ستو

برابر نہیں۔ جو غرض ہے روپیہ سے وہ حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ بیان کیا گیا۔ تو اب سوچو اپنے اوپر ایسی چیزیں کیوں لازم کر لیں جن کے لئے کوئی تعاد

روپے کی کافی نہیں ہوتی۔ اور کسی مرتبہ ترقی پر بس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ چیزیں لازم کس نے کیں اسی ہوائے نفس نے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے

اسی کا علاج بتایا ہے (اب میں اس پر بیان کو ختم کرتا ہوں)۔

غرض سارا فساد خواہش نفسانی سے ہوا ہے، سو علاج کیا ہے کہ نفس کو خواہش سے روکو۔ مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادہ اور سبب کو

اتلح کیا جائے۔ جب سبب جاتا رہے گا مرض بھی نہ رہے گا۔
 مسلمانوں نفسانی خواہشوں کو چھوڑو اور حق سبحانہ تعالیٰ کی اطاعت کرو،
 کیا اللہ میاں کا کچھ حق نہیں ہے آپ لوگوں پر، دیکھئے اللہ میاں ایسے ایسے
 امراض کا علاج بتاتے ہیں جن کو تم اپنے آپ کسی طرح نہ سمجھ سکتے اور وہ
 اندر ہی اندر تمہارا کام تمام کر ڈالتے۔ تعجب ہے کہ طب اکبر کی تدریس ہو مگر
 احکام الہی کی تدریس نہ ہو۔ جانتے ہیں کہ طب اکبر کے خلاف کریں گے تو صحت
 محفوظ نہ رہے گی اور مرض گھیر لے گا۔

صاحبو! طب اکبر پر عمل نہ کرنے سے صحت جسمانی میں خرابی آتی ہے
 اور احکام الہی پر عمل نہ کرنے سے قلبی اور روحانی صحت برباد ہوتی ہے
 پھر جو شرف قلب اور روح کو جسم پر ہے وہی اس کی صحت کو اس کی
 صحت پر اور اس کے محافظ کو اس کے محافظ پر ہونا چاہئے۔ اس سے سمجھ
 لیجئے کہ احکام الہی کی کیا عظمت ہونی چاہئے۔ اور اللہ میاں کا بتایا ہوا علاج
 کس قدر قابل تدریس چیز ہے۔ وہ علاج یہی ہوا ہے نفس کا چھوڑنا ہے
 اس کا آسان طریق میں بتائے دیتا ہوں چند روز کرنا پڑے گا بہت ہی
 تھوڑے دنوں میں انشاء اللہ تعالیٰ نفع معلوم ہوگا۔ حاصل اس کا یہ ہے
 کہ ہر کام ابتداء تکلیف سے ہوتا ہے۔ پھر کرتے کرتے اس میں ملکہ راستہ
 پیدا ہو جاتا ہے، سو آپ اس کا التزام کر لیجئے کہ کوئی قول کوئی فعل معاً
 دل میں آتے ہی نہ کر ڈالا کیجئے کہ وہ خواہش نفس کے موافق ہوگا۔ بلکہ ہر
 کام سے پہلے ذرا سوچنا چاہئے اس کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جو کام کیا جائے، پہلے
 سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ کے خلاف تو نہیں، یہ میرے لئے مفید ہی
 یا مضر، بیدھڑک ہو کر کام کرنے کی عادت بالکل چھوڑ دی جائے۔ اول اول
 یہ ذرا شاق ہوگا مگر تھوڑے دنوں میں عادت ہو جائے گی۔ اس کا ہر کام
 میں خیال رکھو، یہ حالت ہو جائے کہ بات منہ سے نکالنی ہے مگر رک گئے۔

کہ حق تعالیٰ کا امر کیا ہے اور نفس کی خواہش کیا جس بات میں نفس کی خواہش پائی اس کو زبان سے نہ نکالنا اس پر عمل کیا۔ رہی یہ بات کہ تمیز کیونکر ہو حق تعالیٰ کے امر نفس کی خواہش میں اس کے لئے عظیم دین کی ضرورت ہے تھوڑا علم ضرور چاہئے، کتاب نہیں پڑھ سکتے ہو تو پوچھ لو چند روز یہی عادت ڈالو اس سے کسی قدر آپ کے بولنے میں کمی ہوگی اور کسی قدر آپ کے کھانے میں کمی ہوگی مگر جس وقت لذت اس کی حاصل ہوگی تو آپ پھر تھوڑے کو بہت پر ترجیح دیں گے۔ تھوڑی چیز ہو اور اچھی ہو وہ بہتر ہے اس سے کہ بری ہو اور بہت ہو۔ غلیظ کتنا ہی ہو ایک چمچہ فیرنی پر اس کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔

جب طاعت میں کسی کو لذت آنے لگتی ہے تو اس معصیت کی حقارت اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے پھر معصیت کا کرنا اس سے زیادہ دشوار ہونے لگتا ہے جتنا کہ پہلے طاعت کرنا تھا۔ مسلمان پر طاعت کرنے میں عادی ہونے سے پہلے بھی جو بار ہوتا ہے وہ ایک کلفت ہوتی ہے کہ نیا کام کرنے میں محسوس ہوتی ہو جیسا کہ دیگر امور عادیہ کچھ تغیر ہونے سے معلوم ہونے لگا کرتی ہے ورنہ طاعت کو کر کے تو مسلمان کو ہمیشہ نشاط اور فرحت ہی ہوتی ہے، عادی ہو جانیکے بعد تو معصیت سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور اگر اچیانہ معصیت ہو بھی گئی تو طبیعت سست رہتی ہے اور کسی طرح چین نہیں آتا تا وقتیکہ استغفار نہ کر لے، طاعت میں عجب لذت ہے کہ آدمی لاکھ روپے پر ایک نماز کو ترجیح دیتا ہے کوئی بات تو ہے کہ اگر مسلمان سے آئیں کہ لاکھ روپے لے لیں اور آج ظہر کی نماز نہ پڑھ تو روپیہ نہ لینگا اور ظہر پڑھے گا۔ ضرور کوئی ایسی چیز پاتا ہے کہ لاکھ روپے سے زیادہ ہے۔ حالانکہ ہماری نماز کچھ نماز نہیں، اول سے اخیر تک کوئی رکن بھی قابل اعتبار نہیں نیت نماز کی باذکر رکھی ہے اور دل ادھر ادھر ہے۔ زبان سے قرأت کر رہے ہیں مگر مطالبی خبر نہیں کہ اللہ میاں سے کیا کہہ رہے ہیں۔ خیریت یہ ہے کہ زبان الفاظ پر عادی ہو گئی ہے۔ آپ ہی آپ قرأت کر لیتی ہے ورنہ باعتبار احکام ظاہری بھی عدم صحت کا فتویٰ دیا جاتا اور اوارہ واجب ہوتا۔ سرسجدہ میں ہے مگر خیال اور ہی کہیں ہے اس حالت پر بھی آدمی لاکھ روپیہ سے زیادہ کوئی چیز اس میں پاتا ہے کہ لاکھ روپیہ پر اس کو ترجیح دیتا ہے۔ نماز نماز

وجائے تو اندازہ کر لیجئے کہ کیا اثر رکھے۔

جرعہ خاک آمیز چوں محسنوں کند و صاف گر باشد ندانم چوں کند

جرعہ خاک آمیز چوں محسنوں کند و صاف گر باشد ندانم چوں کند

یعنی جب شراب کا ایک گھونٹ مٹی میں مل کر مست بنا دیتا ہے تو خالص شراب تو کیا کچھ بڑی

واقعی طاعت وہ چیز ہے اگر اس میں ایک لمحظہ کا لطف بھی میسر ہو جائے تو آدمی دنیا و ما فیہا

کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے خواہش نفسانی کا تو دشمن ہی ہو جائے، نفس کے پھندے

میں آدمی جب ہی تک آجاتا ہے جب تک کہ طاعت کی لذت سے واقف نہیں ہوا۔ عادت

ڈالتے پھر لذت لے لگے گی اور کچھ کلفت نہ رہے گی۔ ابتداء میں کسی قدر کلفت ضرور ہوتی

ہے۔ غرض یہ عادت ڈالنی چاہئے کہ ہر کام کو سوچ کر کرے، اگر وہ کام خواہش نفس سے ہو تو

نہ کیا اس طرح معصیت چھوٹ جائے گی اور طاعت ہی طاعت رہ جائے گی اور یہ پہلے

معلوم ہو چکا ہے کہ ترک ہوائے نفس کے لئے معین ہے خوف۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس کام سے

بھی کوئی باز رہتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو صرف خوف سے باز رہتا ہے۔ **جہاں سزا کا**

خوف ہو یا مال کے نقصان کا، یا ہتھیاروں میں سبکی کا یا جس چیز کا بھی ہو مگر ہو گا خوف ہی

ڈاکو ڈاکہ کیوں نہیں ڈالتا سزا کے خوف سے۔ بچہ شرارت کیسے کرتا ہے پٹنے کے خوف سے بہت جگہ

سے لوگ باز رہتے ہیں جرمانہ کے خوف سے۔ محفل میں آدمی تہذیب کیوں بیٹھتا ہے اور خلاف ممانعت حرکت کرتا

کیوں باز رہتا ہے سبکی کے خوف سے۔ و علیٰ ہذا خوف ہی تو اٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن قائم نہیں رہتا اور

غدر ہو جاتا ہے خوف ہی ہے کہ جملہ برائیوں کی جبر کٹنے والا ہے خوف ہی ہے کہ جملہ طاعت کا ذریعہ ہے۔

البتہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خوف تو ہر مومن کو ہر پھر کیا وجہ کہ ہوائے نفسانی نہیں چھوٹی وجہ اس کی یہ ہے

کہ خوف کا استحضار نہیں۔ اور استحضار نہ ہونے کی وجہ صرف ایک ہے عذاب کا نہ سوچنا۔ پس منہنگا معالجہ یہ

سوچنا ہوا اس خوف کا غلبہ استحضار ہونا جو ترک ہوا کیلئے کافی ہو جائیگا۔

اب صرف اس کا طریق سہل بتائے دیتا ہوں کہ سوچنا شروع کیجئے اور اس کیلئے ایک وقت

مقرر کیجئے مثلاً سونے کا وقت ہو وقت اپنے کسی دنیا کے کام میں بھی حرج نہ ہوگا۔ دنیا کے کام میں

تو سارا وقت دیا ہوا اللہ میاں کے کام میں نکمہ ہی وقت و اتنا تو کرو۔ اللہ میاں اس میں تمھارا

کا بنا دینگے وہاں تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ بند ذرا ادھر کو منہ کر دو اور رحمت کے انبار اس پر بکھیر دیں۔
 پندرہ بیس منٹ دیر میں سوئیے لیٹ کر یا بیٹھ کر با دیکھا کیجئے کہ آج کیا کیا گناہ کیئے فہرست گناہ تیار کیجئے
 پھر دل میں خیال جمائیے گویا میدان قیامت موجود ہو اور میزان کھڑی ہو۔ اپنا وہ گناہ کوئی بھی نہیں،
 دشمن بہتر ہے، حیلہ کوئی چل نہیں سکتا، زمین گرم تانبے کی طرح کھول رہی ہے، آفتاب سر پر
 دوزخ سامنے ہے، اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے، کوئی جواب معقول بن نہیں پڑتا۔ یہ سب
 حالت پیش نظر ہونگے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کریگا کہ بتک خطا وار
 ہوں کہیں ٹھکانا نہیں۔ اگر کچھ سہارا ہو تو صرف حضور کے رحم کا۔ اسی کو استغفار کہتے ہیں۔ رات
 کو یہ کیجئے پھر صبح اٹھ کر یاد رکھئے کہ فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا کہ
 سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائیں، اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائینگے تو کوئی تو ہو ہی جائیگا
 اور چند روز میں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ گناہ رہ سکیں۔ یہی تدبیر ہے کہ چند ہی روز کرنے سے
 آدمی معاصی سے بالکل محفوظ ہو جائے۔ اور دل میں گناہ کی وقت خود ایک ہر اس پیدا ہو جاتا ہے۔
 پھر اس کیلئے علم کی ضرورت ہوگی کہ معلوم ہو یہ کام معصیت ہو اور یہ طاعت۔ سو علم دین
 حاصل کیجئے اور اگر کم فرصتی کا عذر ہو تو چند کتابیں اردو میں منتخب کر دی گئی ہیں ان کو کسی سمجھدار
 سبقاً سبقاً پڑھ لیجئے، رفع ضرورت کیلئے کافی ہیں۔ کتابوں کو خود نہ پڑھئے کہ اس سے طبیعت
 میں پہلے جو اشکال ہوتے ہیں وہ حل نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات نئے اشکال پیدا ہو جاتے ہیں۔
 اور باعثِ مضرت ہوتے ہیں۔

حاصل سارے وعظ کا یہ ہوا کہ جنت مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ ہے ترک
 ہوا۔ اور اس کا معین ہے خوف۔ اور اس کا طریق ہے مراقبہ۔ جب مراقبہ کیا خوف
 پیدا ہوا اس سے خواہش نفسانی چھوٹ گئی اس پر نتیجہ مرتب ہوا

فَان الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوِيَّةُ

”بلاشک جنت ہی ایسے لوگوں کا ٹھکانا ہے“

اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فہم اور توفیق عمل کی عطا فرمادیں۔ آمین۔

تَبَّتْ

۳۲۸

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا وَلَوْ آيَاتٍ

(مرواه البخاری)

وَعُظْمَىٰ سِتْرِي بِهِ

مَا عَلَّمَ الصَّبْرَ

منجملہ ارشادات

حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب خانوی
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

محمد عبد المتان

”مکتبہ تھانوی“ دفتر ”الابصار“

متصل مسافر خانہ بسندھ روڈ کراچی نمبر

سلسلہ التَّشْبِیْهِ کا وعظ

مستحی بہ

ما علیہ الصبر

آئین	مٹی	کم	کھپ	لہ	ماذا	مٹی	مٹی	آلآت
کہاں ہوا	کہاں ہوا	کہاں ہوا	کہاں ہوا	کہاں ہوا	کہاں ہوا	کہاں ہوا	کہاں ہوا	کہاں ہوا
خاتون	مذہب	ایک گھنٹہ ۲۵ منٹ	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض
امدادیہ	بروز	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض
تھا بھون	پہنچنے	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض
در	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض
کوٹھی	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض
مدیر	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض	بعض

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ
مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِكَ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ
فَلَا هَادِيَ لَهُ وَكَلَّمَهُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَكَلَّمَهُ أَنْ سَيِّدِنَا وَ
مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَأَلَمَّكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوَاتِكَ مِنْ تَرَبُّسِهِمْ وَرَحْمَةً وَأَوْلِيَّكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

۳۱

ان لوگوں پر خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت
بھی ہوگی اور وہی لوگ ہیں سیدھی راہ پر

جس جزو کی آیت میں نے تلاوت کی ہے اس کے سننے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ بیان
ما سبق کا تتمہ ہے دیکھیں کہ پرسوں اسی آیت کے متعلق بیان ہو چکا ہے اس بیان کا نام
حقیقۃ الصبر ہی ہے ہر چند کہ یہ بیان بظاہر غیر ضروری ہے، کیونکہ اسی جمعہ کو اس مضمون پر
بیان ہو چکا ہے۔ نیز اس وقت میرا قصد بھی بیان کا نہ تھا، اور جب بعض مہمانوں نے
فرمائش کی تو میں دیر تک سوچتا رہا کہ کیا بیان کروں، مگر پھر خیال آیا کہ پہلے بیان نہیں
ایک جزو بیان سے رہ گیا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ اگر وقت
مٹتا تو میں ایک جزو اس مضمون کے متعلق اور بیان کرتا۔ مگر اس وقت تمہید طویل ہو گئی
اور دوسرے مضامین ضروریہ کے بیان میں دیر ہو گئی اس لئے یہ جسزورہ گیا، تو چونکہ اس
وقت ایک ایسا مضمون بیان کیا جائے گا جو پہلے بیان نہیں ہوا۔ اور اس کے بغیر وہ
مضمون سابق نامتام رہا جاتا ہے اس لئے یہ بیان غیر ضروری نہیں اور سننے کے بعد

اس کی ضرورت خود ہی معلوم ہو جائیگی۔

اب میں ادل اس جسز کی تعیین کئے دیتا ہوں پھر اس کے متعلق ضروری تفصیل بھی عرض کر دوں گا۔ گو وقت تنگ ہو، کیونکہ جن مہانوں نے بیان کی فرمائش کی ہے وہ اسی ریل سے جانے والے ہیں اس لئے زیادہ تفصیل کا موقع نہیں، اگرچہ میں نے انہیں یہ کہہ دیا ہے کہ بیان ممتد ہو جائے تو وہ گھڑی دیکھ کر وسط بیان میں اٹھ کر چلے جائیں بلکہ اگر بیان ریل کے وقت تک ختم نہ ہو تو میں انشاء اللہ درمیان میں خود ہی اطلاع کر دوں گا کہ ریل پر جانے والے اب چلے جائیں، اسی لئے میں نے گھڑی اپنے پاس رکھ لی ہے تاکہ وقت کو دیکھتا رہوں۔ لیکن جی یہ چاہتا ہے کہ جن صاحبوں نے فرمائش کی ہے وہ ادل سے اخیر تک بیان میں شریک رہیں تاکہ کامل مضمون ان کے کانوں میں پڑ جائے، کیونکہ پورا مضمون ادل سے اخیر تک شریک رہنے سے معلوم ہوا کرتا ہے۔ بعض دفعہ کسی مضمون میں کچھ قیود ہوتی ہیں جو اخیر میں بیان کی جاتی ہیں۔ اس لئے وسط میں اٹھ جانے سے اکثر ناتمام مضمون کانوں میں پڑتا ہے۔ تو جی یہ چاہتا ہے کہ فرمائش کرنیوالوں کے سامنے ہی مضمون ختم ہو جائے۔ اسی لئے میں نے نماز فجر کے متصل ہی بیان شروع کر دیا ہے مگر پھر بھی وقت زیادہ نہیں اس لئے میں قدر ضرورت پر اکتفاء کروں گا اور زیادہ تفصیل نہ کروں گا، مگر انشاء اللہ ضروری باتیں سب بیان کر دی جائیں گی جو لوگ پہلے بیان میں شریک تھے، ان کو معلوم ہے کہ اس وقت بعد چند مقدمات کے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ حقیقت صبر میں پابندی اعمال بھی داخل ہے عام طور پر لوگ اس کو صبر میں داخل نہیں سمجھتے بلکہ صرف ترک جزع و فزع کے ساتھ اس کو مختص سمجھتے ہیں اس خیال کی غلطی اس بیان میں تفصیل کے ساتھ ظاہر کی گئی تھی۔ اس کے بعد یہ تفریح کی گئی تھی کہ ما علیہ الصبر اور محل صبر حقیقت میں ایک ہی چیز ہے۔ مگر اس وقت ما علیہ الصبر کی تعیین نہ کی گئی تھی، اس وقت میں اس کی تعیین کرنا چاہتا ہوں یہی وہ جزو ہے جو اس وقت بیان سے رہ گیا تھا۔

اب سمجھئے کہ ما علیہ الصبر کیا ہے تعیین اجمالی اس کی یہ ہے کہ ما علیہ الصبر ما موربہ ہے

(تشریح)

یعنی جس وقت جس کام کا امر ہو اس پر ثابت رہنا صبر ہے اور وہ مامور بہ ما علیہ الصبر ہے۔ پس اگر کسی وقت معمولات کے ترک کا امر ہو تو اس وقت ترک معمولات ہی ما علیہ الصبر ہوگا اور معمولات مناسب نہ ہوگا۔ یہ بات اس بیان سے واضح نہ ہوئی تھی بلکہ اس وقت اجمالاً اتنا کہہ دیا گیا تھا کہ اعمال طاعات محل صبر ہیں، اور یہ بتلایا تھا کہ صبر کا ایک محل خدا ہے کہ ناگوار واقعات میں ناگواری کا تحمل کرنا اور جزع و فزع نہ کرنا۔ اور ایک محل عام ہے کہ اس وقت تمام معمولات کو ادا کریں اور کسی وقت امر ناگوار کی وجہ سے اعمال میں خلل نہ ڈالیں۔ ورنہ اس ناگوار کی سی مثال ہوگی جس نے رمضان کا روزہ رکھا تھا اتفاق سے اس کی بھینس مر گئی تو اس نے فوراً روزہ توڑ ڈالا، اور خدا تعالیٰ سے خطاب کر کے کہا کہ آپ نے میری بھینس مار دی تو جاؤ ہم نے بھی روزہ توڑ دیا۔

ہند بن گو اس طرح کھلم کھلانہ کریں مگر حقیقت یہ ہے کہ درپردہ وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں گو اعتقاداً نہ سہی مگر عملاً سب ایسا کرتے ہیں کہ جہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی امر ناگوار پیش آیا اس کی وجہ سے فوراً اعمال میں خلل ڈال دیا۔ حالانکہ سوچنے کی بات ہے کہ ناگوار واقعات میں ہمارا کیا بگڑتا ہے، کچھ بھی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے بہتر ہی ہوتا ہے۔ ہرچہ آں خسر و کند شیریں بود۔ ناگوار واقعات میں جس قدر حکمتیں ہوتی ہیں ان پر نظر کر کے یہ کہنا غلط ہے کہ ان سے ہمارا کچھ بگڑ گیا ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ عین رحمت ہیں جیسے میں نے استاد کی مار اور ڈاکٹر کے اپریشن کی مثال سے اس کو بیان گذشتہ میں واضح کر دیا تھا۔ نیز میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ واقعات ہمارے اوپر بطور امتحان کے آتے ہیں جس میں کامیاب ہونے پر ہم کو اجر عظیم کی بشارت ہے تو حق تعالیٰ نے آپ کو انعام دینے کی غرض سے آزما دیا تھا۔ آپ سمجھے کہ ہمارا نقصان کر دیا۔ یہ تو وہی مثل ہو گئی کہ گدھے کو دیا تھا نمک اس نے سمجھا کہ میری آنکھیں ہی پھوڑ دیں۔ پھر جس چیز میں حق تعالیٰ نے تصرف کیا ہے وہ ان کی ہی چیز تھی آپ کا اس میں تھا کیا کچھ بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ اگر ہمارے مال میں تصرف کریں یا متعلقین میں تصرف کریں یا پیداوار اہل ذمہ میں تصرف کریں تو یہ سب چیزیں انہی کی تو ہیں۔ اپنی چیز

چیز میں اگر وہ تصرف کریں تو تمہارا کیا بگڑا۔ یہی مقدمہ غلط ہے کہ یہ چیزیں تمہاری ہیں۔ جب تمہاری کوئی چیز نہیں تو ان کے نقصان سے تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ پھر اعمال میں کوتاہی کس لئے ہے۔ صاحبو! یہ حق تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اپنی چیز میں تصرف کر کے بندوں کو صبر کا صلہ دیتے ہیں۔ حالانکہ بندوں کو کسی تصرف پر نہ غم کرنے کا کچھ حق ہے نہ بچ کرنے کا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کا بگاڑا ہی کچھ نہیں جو ان کو بچ و عنہم کا حق ہو اور اگر وہ ناحق بچ کر کے صبر بھی کریں، تو یہ کچھ کمال کی بات نہیں۔ بس ان کے بچ کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی پادشاہ اپنا خزانہ ایک خزانچی کے سپرد کر کے کسی وقت میں لے لے اور خزانچی رونے چلانے لگے تو کیا کوئی عاقل اس کے بچ کو بجا کہہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں اور اگر وہ بچ کر کے صبر و تحمل بھی کر لے تو کیا کوئی اس کو اس صبر و تحمل کی بنا پر مستحق انعام کہہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

یہی حالت ہماری ہے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو خزانچی بنا رکھا ہے۔ اور اپنی کچھ چیزیں ہمارے سپرد کر دی ہیں۔ اور جب چاہتے ہیں وہ اپنی چیزوں میں تصرف کر لیتے ہیں۔ تو ہم کو نہ اس میں کچھ بچ و ملال کا حق ہے نہ بے جا بچ پر صبر کر کے کچھ انعام کا استحقاق ہو۔ مگر حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس بے جا بچ پر صبر کرنے سے اجر و ثواب اور انعام و جزا کی بشارت دی ہے پھر حسرت ہو کہ ہم ناگوار واقعات میں خدا تعالیٰ سے خفا ہو کر اعمال میں خلل ڈالنے لگیں، جیسا کہ اس گنوار نے کیا تھا کہ بھینس کے مرنے پر روزہ توڑ دیا۔ اور کم و بیش ناگواری سے بہت کم لوگ خالی ہیں۔ طبعی بچ تو غیر اختیاری ہے مگر افسوس یہ ہے کہ ہم لوگ عقلی ناگواری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ وہ چیز جس میں حق تعالیٰ نے تصرف کیا ہو تمہاری ہی چیز تھی اور یہ بھی مان لیا جائے کہ تمہارا کچھ بگڑ بھی گیا تب بھی ناگواری کا حق نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ

آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرے : عذر شنس بنہ ار کند بعمرے ستے

جس شخص نے تجھ پر عمر بھر احسان کیا ہو اگر اس سے کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو معذور سمجھ

اے صاحب جس خدا نے ساہا سال ہم کو راحت و آرام میں رکھا ہے، اگر کسی وقت وہ تکلیف بھی دے دیں تو کیا یہی انسانیت ہے کہ ہم اس تکلیف کو زبان پر لائیں اور ناگواری کا اثر لے کر اطاعت میں کوتاہی کرنے لگیں؟ صاحبو! سلاطین عالم فوجی ملازموں کو ساہا سال بے مشقت گھر بیٹھے تنخواہ دیتے ہیں، اور کسی وقت دشمن کے مقابلہ میں بھی بھیج دیتے ہیں، تو بتلائیے کیا اس وقت فوجی ملازم کو اس حکم پر ناگواری کا کچھ بھی حق ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ نمک حلائی یہی ہے کہ جس بادشاہ نے برسوں گھر بیٹھے تنخواہ دی ہے، اور بلا کسی مشقت و کلفت کے خبر گیری کی ہے کسی وقت اس کے حکم سے مشقت بھی ضرور برداشت کرنا چاہئے، (بشرطیکہ وہ حکم خدا تعالیٰ کے خلاف نہ ہو)۔ چنانچہ فوجی ملازم کبھی ایسے وقت میں انکار نہیں کرتا اور خوشی کے ساتھ دشمن کے مقابلہ میں بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے ہر قسم کی مصیبت کو برداشت کرتا ہے اور جان دینے کو اپنی سعادت اور نمک حلائی سمجھتا ہے۔

۳ پھر کس قدر افسوس ہے کہ باوجود دعویٰ شرافت کے ہمارا خدا تعالیٰ کے ساتھ وہ برتاؤ بھی نہ ہو جو ایک ادنیٰ فوجی ملازم کا جو اکثر چھوٹی قوموں کے لوگ ہوتے ہیں ایک ادنیٰ بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ واقعی اگر مصیبت میں ہمارا کچھ بگڑا بھی ہوتا جب بھی ایسے محسن سے ناگواری کا خیال دل میں لانا یا زبان سے ظاہر کرنا بالکل ہی انسانیت سے دور اور شرافت کے خلاف ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت ہے کہ وہ ابتداء میں کسی شخص کے عن سلام تھے، ایک دفعہ ان کے آقا نے لکڑی منگائی اور اس کی قاشیں کر کے پہلے ایک قاش اپنے ہاتھ سے حضرت لقمان کو دی، جس کو انھوں نے خوشی خوشی کھا لیا، وہ اتفاق سے بہت تلخ تھی مگر حضرت لقمان نے ذرا منہ نہ بنایا نہ کوئی اثر ناگواری کا ظاہر ہونے دیا آقا سمجھا کہ شیریں ہوگی، اس نے بھی ایک قاش کھائی تو فوراً تھوکنے لگا اور ان سے سوال کیا کہ کیا تم کو یہ لکڑی نہیں لگی، فرمایا تلخ، معلوم تو ہوتی تھی، پوچھا پھر تم نے خوشی خوشی کیسے کھا لیا ذرا بھی منہ نہ بنایا، فرمایا کہ حضور جس ہاتھ سے میں نے عمر بھر

اتنی شیرینیاں کھائی ہیں کیا اس کے ہاتھ سے ایک تلخی پر مٹنے بناتا۔ یہ تو انسانیت کے خلاف تھا اس لئے میں نے ناگواری ظاہر نہیں کی۔ اسی کو سعدی فرماتے ہیں یہ
 آنرا کہ بجائے تست ہر دم کرے و عذرش بنہ ار کند بجرے ستے
 پھر کوئی یہ تو بتلائے کہ ناگواری کی حالت میں اعمال کے اندر خلل ڈالنے سے
 حق تعالیٰ کا کیا نقصان ہے اگر تم نماز روزہ کی پابندی کرو گے تو حق تعالیٰ کو بخش دو گے
 اور جو نہیں کرو گے تو ان کا کیا بگاڑ دو گے؟ جو کچھ نقصان ہو گا تمہارا ہی ہو گا۔ پھر
 اس حالت میں تو کسی مصیبت کی وجہ سے اعمال طاعات میں خلل ڈالنے کی ایسی
 مثال ہوتی جیسے کسی نے ایک شخص سے روپیہ قرض لے کر مکان بنایا تھا، قرضخواہ نے
 روپیہ کا تقاضا کیا، تو کہہ دیا ابھی روپیہ ہمارے پاس نہیں ہے، اس نے زیادہ تقاضا
 کیا تو آپ نے غصہ میں آ کر مزدور لگا کر بنا بنا یا مکان ڈھا دیا، کہ جاؤ ہم تمہارے
 روپیہ کا مکان ہی نہیں رکھتے، بھلا اس نے مکان ڈھا کر کس کا نقصان کیا۔ قرضخواہ
 کے روپے تو پھر بھی ذمہ رہے، ایک نقصان اور سر لے لیا کہ مکان سے بھی ہاتھ دھو
 اسی طرح ناگوار واقعات میں اعمال و معمولات کے ترک سے معصیت تو کم ہو
 نہیں جاتی، ہاں ترک اعمال کا نقصان اور بڑھ جاتا ہے۔ ایک نقصان تو غیر اختیاری
 ہوا تھا یہ دوسرا نقصان ہم اپنے ہاتھوں کرتے ہیں، جس سے معصیت کو اور ترقی
 ہوتی ہے، جیسے کسی شخص کی ناک پر بار بار ٹکھی بیٹھتی تھی جس سے وہ تنگ آ گیا، تو
 اس نے غصہ میں ناک ہی کاٹ ڈالی کہ جاؤ ہم اڈا ہی نہیں رکھتے۔ بھلا مکھی کا اس
 سے کیا نقصان ہوا اس کو تو اب چشمہ شیریں مل گیا اور یہ

ہر کجا چشمہ بود شیریں و گمس مرغ و مور گرد آئیند

”جس جگہ میٹھا پانی ہوتا ہے وہاں مکھیاں اور دوسرے جانور جمع ہو جائیں“

پہنے تو مکھی ہی آتی تھی، اب چیونٹی اور چیونٹے بھی آئیں گے، یہی حال ہمارا ہے
 کہ ایک مصیبت میں اعمال ترک کر کے ہم دوسری آفتوں کو بھی بلا لیتے ہیں۔

اس مضمون کو پہلے بیان میں تفصیل کے ساتھ بیان کر کے میں نے یہ کہا تھا کہ مصائب کے وقت اعمال میں خلل نہ ڈالنا چاہئے جس سے متبادریہ ہوا تھا کہ اپنے معمولات پر پابند رہنا چاہئے، اور اسی کو ما علیہ الصبر سمجھا گیا تھا۔ اب میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اعمالِ ظاہرہ ما علیہ الصبر کی صورت ہیں، اور اس کی حقیقت دوسری شے ہے، یعنی امتثالِ امر یعنی جس وقت جس بات کا امر ہو اس کا بجالانا صبر ہے، اور وہ مامور بہ ما علیہ الصبر ہے اگر کسی وقت پابندی معمولات میں امتثالِ امر ہو اس وقت معمولات ما علیہ الصبر ہیں اور جس وقت ترک معمولات میں امتثالِ امر ہو اس وقت ترک معمولات ما علیہ الصبر ہیں، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ما علیہ الصبر فقط صورتِ اعمال کے ساتھ خاص ہے بلکہ امتثالِ امر کی رعایت اس میں ضروری ہے اس کو میں پہلے صراحتہً بیان نہ کر سکا تھا، کیوں کہ وقت نہ ملا، اب اس کو بیان کرتا ہوں، اور اس کے لئے مجھے دوسری آیت تلاش کرنے کی فکر ہوتی، مگر الحمد للہ کہ اسی آیت میں ایک لفظ اس پر دال ہے۔ وہ لفظ اُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ہے۔ میں نے پہلے اس کو بطور بشارت کے بیان کیا تھا، مگر اب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ما علیہ الصبر اور مامور بہ ہے۔ گویا اس میں صابرین کا پتہ بتلایا گیا ہے کہ صابر وہ لوگ ہیں جو ناگواری کے وقت ہدایت پر قائم رہتے ہیں یعنی سیدھے راستے پر چلے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ راستہ پر چلنے سے کسی مقصود پر پہنچنا مطلوب ہوتا ہے، پس مُهْتَدُونَ کا حاصل یہ ہوا کہ ناگواری کے وقت وہ لوگ سیدھے راستے پر چلتے ہیں اور مقصود پر نظر رکھتے ہیں، پس یہاں ایک تو یہ بات بتلانی گئی ہے کہ یہاں دو راستے ہیں ایک سیدھا اور ایک ٹیڑھا۔ چنانچہ دوسری آیت میں اسکو صراحتہً بیان فرمایا ہے وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِزٌ دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَقَرَّبَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ لوگوں سے فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے سیدھا اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو وہ تم کو خدا کے راستے سے متفرق کر دیں گے۔ مقصود تو یہ ہے کہ ٹیڑھا راستہ تم کو خدا تعالیٰ سے جدا کر دے گا۔

مگر تَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ مَبَالِغَةً فرمایا گیا ہے کہ ٹیڑھے راستوں پر چل کر تم کو خدا تو کیا ملتا خدا کا راستہ بھی نہ ملے گا اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْتَدُّونَ میں سیدھے راستے پر چلنے کا ذکر تو صراحتاً ہے۔ کیونکہ ہدایت اسی کو کہتے ہیں ٹیڑھے راستے پر چلنے کو ہدایت نہیں کہتے بلکہ ضلالت کہتے ہیں۔ یہی دوسری بات یعنی سیدھے راستے پر چلنے کے ساتھ مقصود پر نظر رکھنا، سوگو اس کا ذکر صراحتاً نہیں، مگر ادنیٰ تا مل سے اس پر بھی اس کی دلالت واضح ہے، کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی راستے پر چلنے سے کسی مقصود پر پہنچنا ہی مطلوب ہوتا ہے راستہ خود مطلوب نہیں ہوتا، اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ملایا جائے کہ طریق دو قسم کے ہیں ایک جسی دوسرے معنوی۔ طریق جسی کا موصل الی المقصود ہونا چلنے والے کے قصد و ارادہ پر موقوف نہیں، بلکہ اگر راستہ سیدھا ہو تو آنکھیں بند کر کے بھی چلنے سے مقصود تک وصول ہو جاتا ہے، مثلاً دہلی کو جو سیدھی سڑک جاتی ہے اس پر جو کوئی بھی چلے گا دہلی پہنچ جائے گا، خواہ دہلی کا قصد ہو یا نہ ہو، اور طریق معنوی کی یہ حالت نہیں، اس میں بدون قصد و ارادہ کے وصول نہیں ہو سکتا۔ گوراستہ سیدھا بھی ہو، مگر ہر وقت مقصود پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے،

اب سمجھو کہ اس طریق کا مقصود کیا ہے، سو نصوص میں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ مقصود اس طریق معنوی سے رضائے حق ہے، اور نصوص ہی سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ مقصود بدون ارادۃ و نیت کے حاصل نہیں ہو سکتا، گوراستہ سیدھا ہی اختیار کیا گیا ہو، چنانچہ حدیث میں ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِيَ حَجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَىٰ دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَىٰ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ حَجْرَتُهُ إِلَىٰ مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو اسکی نیت ہو، پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

کے دین کی خاطر ہو اس کو اس کا اجر ملے گا، اور جو شخص ہجرت دنیا یا کسی عورت سے نکاح کی نیت سے کرے تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے کی دینی ایسی ہجرت دنیا کے لئے ہے دین کے لئے نہیں اس لئے اس کا اجر و ثواب بھی نہیں ہے۔“

اس حدیث کا پہلا جزو انما الأعمال بالنیات بتلا رہا ہے کہ اعمال شرعیہ سے ثواب بدون نیت کے حاصل نہیں ہوتا۔ اعمال کی تفسیر اعمال شرعیہ سے اس لئے کی گئی کہ شارع علیہ السلام کو اعمال غیر شرعیہ سے بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ پھر آگے ہجرت کا ذکر فرمانا اس کا تشریح ہے اور ثواب الاعمال سے تفسیر اس لئے کی گئی کہ وجود اعمال بدون نیت کے ہو سکتا ہے، چنانچہ مشاہدہ ہے، لہذا توقف وجود اعمال علی النیۃ شارع کا مقصود نہیں ہو سکتا، کیونکہ اول تو یہ خلاف واقع ہے، دوسرے وجود اشیا بھی ان امور کے قبیل سے ہے جو شارع علیہ السلام کی بحث سے خارج ہیں، شارع کا مقصود بیان احکام ہوتا ہے نہ کہ بیان کیفیات وجود۔ اب اس میں گفتگو ہو سکتی ہے کہ یہاں صحت اعمال مراد ہے یا ثواب اعمال۔ سو اس کا جواب حقیقہ نے کتب فقہ میں دیدیا ہے، کہ چونکہ ثواب اعمال کا نیت پر موقوف ہونا اجماعی ہے، اس لئے تقدیر صحت سے تقدیر ثواب اولیٰ ہے ۱۲ جامع، اور ثواب درضا باہم قریب قریب ہیں، جب حق تعالیٰ کسی عمل پر ثواب دیں گے تو اس سے راضی بھی ہوں گے۔ دوسرے ثواب سے بھی رضا ہی مقصود ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ رضا ثواب کی اعلیٰ فرد ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کیتعلق صاف فرمایا کہ اگر اس سے خدا مطلوب نہ ہو تو وہ شرعاً قابل تدر اور لائق اعتبار نہیں اور اس سے خدا تک وصول نہ ہوگا، تو دیکھئے ہجرت کتنا بڑا عمل ہے کہ جہاد کے برابر ہے، اور اس کا طریق ہدایت ہونا یقینی ہے کیونکہ عمل شرعی ہے مگر بدون نیت و ارادہ کے وہ بھی موصل نہیں۔ علیٰ ہذا نماز کتنا بڑا عمل ہے لیکن خدا کے لئے نہ ہو بلکہ ریاکاری سے ہو تو ہرگز وصول و قرب مرتب نہ ہوگا، اسی طرح جملہ اعمال شرعیہ میں غور کر لیا جائے کہ مقصود کی نیت اور مقصد

سب میں شرط ہے بدون اس کے وہ موجب وصول نہیں ہو سکتی، جب نصوص شرعیہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بدون نیت کے کوئی عمل مقبول نہیں، تو معلوم ہوا کہ ہدایت صرف اس کا نام نہیں کہ اعمال شرعیہ کی صورت کو اختیار کر لیا جائے بلکہ اس کے ساتھ طلبِ رضا حق بھی شرط ہے پس یہ ثابت ہو گیا کہ اَدَّيْتِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ میں سیدھے راستے پر چلنے کے ساتھ مقصود پر نظر رکھنا بھی مذکور ہے، کیونکہ اس کے بغیر ہدایت کی صورت ہی صورت ہوگی حقیقت نہ ہوگی، اور مقصود رضا حق ہے، پس حاصل یہ ہوا کہ صابر وہ ہیں جو ناگواری کے وقت رضا حق پر نظر رکھتے ہیں اور اس کو فوت نہیں کرتے، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ رضا حق کا مدار امتثالِ امر پر ہے، پس صبر کی حقیقت امتثالِ امر ہوتی، اور ماعلیہ الصبر مامور بہ ہوا، یہی مطلوب تھا،

اب ہمارے اندر بعض لوگ تو ایسے ہیں جو پریشانی کے وقت طریق ہی میں خلل ڈالتے ہیں کہ جہاں مصیبت آئی فوراً اعمال سابقہ کی پابندی چھوڑ دی اور ناجائز امور میں مبتلا ہو گئے، اکثر لوگ تو ایسے ہی ہیں ان کی تو زیادہ شکایت نہیں، یہ تو گنت گوہی سے خارج ہیں، دو نسری جماعت وہ ہے جو طریق پر غلو کے ساتھ جے رہتے ہیں کسی حال میں بھی انکی تسبیحیں اور معمولات فوت نہیں ہوتے۔ مگر ان کی نظر مقصود پر نہیں ہوتی اس لئے بعض دفعہ ان سے مقصود فوت ہو جاتا ہے، مثلاً بعض لوگ ایسے معمولات کے پابند ہوتے ہیں کہ چاہے لڑکا مر جاوے مگر وظیفہ فوت نہیں ہوتا، لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں کہ بڑے پابند اوقات ہیں، مگر قواعد شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی پابندی شرعاً محمود نہیں، یہ غلو فی الدین میں داخل ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ پابندی کا توڑنا بھی مامور بہ ہے، بلکہ بعض دفعہ نماز شروع کر دینے کے بعد نماز کا توڑ دینا بھی واجب ہوتا ہے جیسے کوئی اندھا آ رہا ہو اور اس کے راستہ میں کنواں یا گڑھا ہو جس میں اس کے گرنے کا اندیشہ ہو، تو نماز کا توڑنا اور اس کا بچانا واجب ہے۔ اس وقت امتثالِ امر اسی میں ہے کہ عمل کو توڑ دے اس وقت نماز پڑھنے میں امتثالِ امر نہیں۔

ایک صحابی کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ وہ جنگل میں گھوڑے پر سوار چلے جا رہے تھے کہ

نماز کا وقت آگیا، وہ گھوڑے سے اترے اور وضو کر کے گھوڑے کی نگام ہاتھ میں لے کر نماز میں مشغول ہو گئے، وہ گھوڑا کبھی کبھی شوخی کر کے ایک دو قدم چلتا تھا تو آپ بھی ایک دو قدم اس کے ساتھ آگے پیچھے ہٹ جاتے تھے، ایک خارجی نے ان کو نماز میں آگے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھ کر اعتراض کیا کہ یہ کیسی نماز ہے، ان صحابی نے فرمایا کہ تم کیا جانو، ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں، آپ نے ہم پر ایسی سختی نہیں کی کہ سفر میں بھی اسی طرح خشوع و اطمینان سے نماز پڑھیں جس طرح حضر میں پڑھا کرتے ہیں، بھلا اگر میں گھوڑے کو چھوڑ کر نماز پڑھتا اور گھوڑا بھاگ جاتا، تو پھر کیسی پریشانی ہوتی، پھر شاید اس وقت یہ خیال آتا کہ ہائے میں نے نماز ہی کیوں پڑھی تھی جو اتنا نقصان ہوا، اور یہ حالت بہت سخت ہے، کہ انسان طاعت کر کے اس پر پھپھتائے "اس لئے حضرات صحابہ کو تقویٰ کا غلو نہ تھا، کہ چاہے کچھ ہی ہو جائے مگر معمول نہ چھوٹے، کیونکہ بعض دفعہ معمول کی پابندی ظاہر میں تو اچھی ہوتی ہے مگر باطن میں اس سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ پابندی سے جب دنیا کا ضرر ہوتا ہے تو اس وقت طاعت پر پھپھاتا ہے، اسی لئے بعض لوگوں سے جو حج کا ارادہ کر کے جاتے ہیں یہ کہہ دیتا ہوں کہ سفر مدینہ میں اگر خطرات سے پورا اطمینان ہو تو جانا ورنہ حج کر کے واپس آجانا، گو یہ بات ظاہر میں بہت سخت ہے مگر میں اس نیت سے کہہ دیتا ہوں کہ ایسا نہ ہو خطرہ کی حالت میں سفر کر کے بعد میں نفس یہ کہے کہ ہائے میں ناحق ہی آیا، اور سفر مدینہ پر پھپھتائے تو یہ حالت مدینہ نہ جانے سے زیادہ سخت ہوگی۔ کیونکہ اس وقت تو یہی حسرت ہوگی کہ ہائے میں زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہا اور امید ہے کہ یہ حسرت ہی کام دے جائے، اور اب یہ افسوس ہوگا کہ ہائے میں کیوں آیا تھا، اور اب دونوں حالتوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔ اس خارجی معترض کی نگاہ اس دسیسہ پر نہ پہنچی تھی، اس لئے اس نے صحابی پر اعتراض کیا۔ خارجی لوگ بظاہر اعمال کے بہت پابند ہوتے تھے، اور وہ نماز روزہ میں اہل سنت سے زیادہ پختہ تھے، کیونکہ ان کے یہاں اعمال حسد و ایمان ہیں اور ان کے نزدیک گناہ کبیرہ سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ مگر ان میں اعمال کی صورت بھی صورت تھی حقیقت وہ تھی،

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ قرآن کو ایسا سنوا کر پڑھیں گے جیسا کہ تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے مگر حالت یہ ہوگی کہ قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا بس اوپر ہی اوپر رہیگا وہ اسلام سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر بعض دفعہ نشانہ سے تیزی کے ساتھ نکل جاتا ہے کہ اس میں خون کا نشان تک نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ شریعت میں اعمال ظاہرہ کی ایسی پابندی مطلوب نہیں جس میں محض صورت ہی صورت ہو اور مقصود پر نظر نہ ہو، بلکہ ایسی پابندی مطلوب ہو جس میں ہر وقت مقصود یعنی رضا حق پر نظر ہو، گو اس سے بعض دفعہ صورت میں بھی خلل آجائے، چنانچہ ایک بار امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سفر میں تھے اونٹ پر چلتے ہوئے نیند آگئی اور بالکل طلوع شمس کے قریب آنکھ کھلی، جلدی سے اتر کر وضو کیا، نماز شروع کی، امام ابو یوسف امام بنائے گئے، امام ابو یوسف نے چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور تمام ارکان میں تخفیف کی، رکوع اور سجدہ وغیرہ جلدی جلدی ادا کیا، اس وقت کوئی زام خشک ہوتا تو یوں کہتا کہ نماز ناقص ہوئی، مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نماز کے بعد فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ صَاۤءِرًا یَعْقُوۡبُنَا فِیۡقِرًا خَدَاکَا شَکَرۡہٗۤ اَیۡہِہٖۤ اَعۡقَابُہٗۤ اَلۡیٰۤیۡمِۤ اَبُو یٰۤوۡسُفَ فقیہ ہو گئے، اس وقت ان کا نماز میں جلدی کرنا تفقہ کی علامت تھی، کیونکہ طلوع شمس قریب تھا اگر وہ جلدی نہ کرتے تو نماز قضا ہو جاتی، اور گناہ ہوتا، دوسرے ادا نماز کا درجہ قضا سے بہت بڑھا ہوا ہے، پس اس وقت جلدی کرنے ہی سے نماز کامل ہوئی، ہنشوع خضوع کی ساتھ پڑھنے سے ناقص ہوتی، مگر ان باتوں پر فقیہ کی نظر ہی پہنچ سکتی ہے کہ اس وقت جلدی مناسب ہے یا ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مناسب ہے، جاہل تو ہر حالت میں ایک سی ہی نماز پڑھے گا، چاہے وہ ادا ہو یا قضا ہو جائے، یا رفقار کو ایذا ہونے لگے، چنانچہ ایک بزرگ ہمارے ساتھ سفر میں تھے، راستہ میں مغرب کی نماز پڑھی گئی تو اس بندہ خدا نے فرض و سنت کے بعد صلوٰۃ الادابین شروع کر دی، اب جب تک ان کی صلوٰۃ الادابین ختم نہ ہو گئی سب لوگ رُکے رہے، تمام رفقار کو تکلیف ہوئی، اسی طرح ایک اور بزرگ کے ساتھ لوگ سفر میں چل رہے تھے، ظہر کی نماز کا وقت آیا تو وہ حضرت فرضوں کے بعد وظیفہ پڑھنے بیٹھ گئے، لوگوں نے کہا سوار ہو جائیے، تو آپ فرماتے ہیں کہ میں تو ظہر سے عصر

صبح کی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ بڑے گھر سے آدمی دوڑا ہوا یہ خبر لایا کہ گھر میں سے کوٹھے کے اچھے سے گرگنیں ہیں، میں نے خبر سنتے ہی فوراً نماز توڑ دی، یہاں تو سب سمجھدار لوگ ہیں، مگر شاید بعض ناواقف اپنے دل میں اس وقت یہ کہتے ہوں گے کہ ہائے بیوی کے واسطے نماز توڑ دی، بیوی سے اتنا تعلق ہے کہ خدا کی عبادت کو اس کے لئے قطع کر دیا، بیشک اس وقت اگر کوئی دوکاندار پیر ہوتا وہ ہرگز نماز نہ توڑتا، کیوں کہ اس سے جاہل مریدوں کے نظروں میں ہیٹی ہوتی، مگر الحمد للہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی کیا کہے گا۔ اگر کسی کی نظر میں اس فعل سے میری ہیٹی ہوئی وہ شوق سے کوئی دوسرا شیخ تلاش کر لیں جب خدا کا حکم تھا کہ اس وقت نماز کو توڑ دو تو میں کیا کرتا، کیا اس وقت جاہلوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے میں حکم خداوندی کو چھوڑ دیتا اور جریح عابد کی طرح نماز ہی میں مشغول رہتا، وہ تو اس حکم سے ناواقف تھے، اس لئے معذور تھے، مگر میں تو بسم اللہ اس حکم سے ناواقف نہ تھا، ظاہر ہے کہ جب بیوی کوٹھے پر سے گری، تو اس کی چوٹ کو شوہر ہی ہلکا کر سکتا ہے، اور وہی دریافت کر سکتا ہے کہ چوٹ کہاں لگی کہاں نہیں لگی، خصوصاً ایسی حالت میں کہ گھر کے اندر بجز ایک نا سمجھ بچی کے اور ایک معذور بڑے ہیا کے کوئی امداد کرنے والا بھی نہ تھا، اور امداد کرنے والے ہوں بھی تو کوٹھے سے گر جانا بعض دفعہ ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے، فوراً ہی کوئی تدبیر ہو جائے تو زندگی کی آس ہو سکتی ہے، اس لئے بھی مجھ کو فوراً جانا ضروری تھا، اس لئے میں نے شرعاً اس وقت نماز کا توڑ دینا اور فوراً جا کر انکی خبر گیری کرنا ضروری سمجھا، حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے کہ حضرات حسین رضی اللہ عنہما میں سے کوئی ایک صاحبزادے مسجد میں آگئے اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے چلتے ہوئے لڑکھڑاتے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ توڑ کر ان کو دوری سے گود میں اٹھالیا، حالانکہ خطبہ بحکم صلوٰۃ ہے جو بدون کسی سخت عذر کے قطع نہیں ہو سکتا، تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے لئے خطبہ توڑ دیا تو میں کیا چسپز تھا، اتنے بڑے حادثہ کے وقت سنتوں کی نیت نہ توڑتا، اس میں بیوی کی رعایت نہ تھی بلکہ حق اللہ کی رعایت تھی، کیونکہ اس وقت خدا کا حکم یہی تھا، خدا کے حکم کے سامنے بیوی

۱۲

کیا چیز ہے، اگر حق تعالیٰ کسی وقت بیومی کے قتل کا حکم دیں تو سچا مسلمان ایسا بھی کر دے گا، اور جہاں وہ اس کی خبر گیری کا حکم دیں وہاں وہ اس کے لئے نماز بھی توڑ دے گا، اور دونوں صورتوں میں دونوں فعلوں کا سبب حق اللہ ہی ہوگا، پس جس جگہ شریعت ترک معمولات کا امر کرتی ہو جیسے سفر میں رفقاء کی رعایت سے فرائض و سنن مؤکدہ پر اکتفاء کرنا یا جس جگہ نماز توڑنے کا امر کرتی ہو جیسے کسی مسلمان کی حفاظت و خبر گیری کے لئے ایسا کرنا۔ وہاں معمولات کی پابندی کرنا غلو فی الدین اور تقویٰ کا ہیضہ ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص ایک دانہ گیہوں کی تعریف یعنی تشبیر کرتا پھرے کہ یہ دانہ کس کا ہے اس پر تعزیر جاری کی جائے، آخر کیوں، اسی لئے تو کہ یہ ورع نہیں بلکہ ورع کا ہیضہ ہے،

پس ہمارے اندر بعض لوگ تو وہ ہیں جو پریشانی کے وقت طریق کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اپنی وضع بنانے کے لئے طریق پر غلو کے ساتھ جے رہتے ہیں، لیکن مقصود کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، کیونکہ ان کی نیت اس وقت معمولات کی پابندی سے امتثال امر اور طلبِ رضا، حق نہیں، بلکہ محض اپنی وضع کو قائم رکھنا ہے اور یہ طریق ایسا نہیں جو بلا قصد کے بھی موصل ہو سکے، یہاں تو ہر وقت ارادۃً امتثال امر کی ضرورت ہے، جس عمل میں امتثال امر کی نیت نہ ہوگی وہ عمل موصل نہ ہوگا، پس جہاں شریعت تھوڑی دیر کے لئے ترک معمولات کا امر کرتی ہو وہاں بھی معمولات پر جما رہنا یہ پابندی طریق محض صوری ہے جس میں مقصود کا پتہ بھی نہیں۔ پس میں نے جو پہلے بیان میں مصائب کی وقت پابندی اعمال کی ضرورت کو ظاہر کیا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک شریعت ترک معمولات کا امر نہ کرے اس وقت تک تو معمولات کو ترک نہ کرے اور جس وقت جتنی دیر تک ترک معمولات کا امر کرے اس وقت اتنی دیر تک معمول کو ترک کر دے، اور اس حالت میں معمول کو ترک کر دینا بھی پابندی طریق میں داخل ہے۔ کیونکہ اس وقت اس میں امتثال امر ہے، اور پابندی طریق امتثال امر وہی کا نام ہے۔ مثلاً سفر میں قصر کا امر اور وہاں اتمام کرنا ظاہر میں پابندی طریق مگر حقیقت میں پابندی نہیں کیونکہ خلاف امر ہے، خلاصہ یہ کہ پابندی طریق کی حقیقت مامور بہ کو بجالانا ہے اور یہی ما علیہ الصبر ہے۔

باقی یہ بات کہ کہاں ترک معمول مامور بہ ہے کہاں نہیں، اور جہاں ترک معمول کا امر ہے وہ کتنی دیر کے لئے ہے علم شریعت اور محققین کی صحبت سے معلوم ہو سکتی ہے، کیونکہ شریعت ترک معمولات کا امر کسی ضرورت شدیدہ ہی سے کرتی ہے، اور قاعدہ ہے کہ *الضرر ودری یتقدّر ریقداً وصرّة* (ضروری کام ضرورت کے وقت سے پہلے بھی کر لیا جاتا ہے) اس لئے ضرورت سے زیادہ معمول کو ترک کرنا صبر کے خلاف ہوگا اور اس وقت یہ ترک ما علیہ الصبر میں داخل نہ ہوگا، خوب سمجھ لو، لیکن یہاں بعض نادانوں کو ایک دھوکہ ہوتا ہے میں اسکو بھی رفع کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ اہل علم کو معلوم ہے کہ اعمال میں قسم کے ہیں، ایک وہ جو دین میں نافع ہیں ان کا تو کرنا مامور بہ ہے خواہ وہ درجہ فرضیت و وجوب میں ہو یا درجہ سنت و استحباب میں، اور بعض وہ ہیں جو دین میں مضر ہیں ان کا ترک مامور بہ ہے خواہ درجہ حرمت میں ہو یا کراہت میں، اور بعض وہ ہیں کہ جن کے فعل یا ترک کا امر نہیں، وہ مباحات ہیں، پہلی دو قسموں کا ما علیہ الصبر میں داخل ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ وہ مامور بہ ہیں، خواہ فعلاً ہو یا ترکاً، لیکن مباحات کو اکثر مامور بہ سے خارج سمجھتے ہیں کیونکہ ظاہر میں وہ مامور بہ فعلاً یا ترکاً نہیں ہیں، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری قسم بھی پہلی ہی دو قسموں میں داخل ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اپنے اثر کے لحاظ سے مباحات دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دین کے لئے نافع ہیں، جیسے بغرض حفظ صحت چلنا پھرنا ورزش کرنا یا نافع نہیں۔ اگر دین میں نافع ہے تو وہ فعلاً مامور بہ ہے گو درجہ وجوب میں نہ ہو، مگر جب مباح نافع فی الدین کو اچھی نیت کیا جائے تو وہ مستحب ضرور

۱۳
 ہے یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ضرورت کے وقت اگر ایک معمول نہ ہو سکے مثلاً سفر میں تہجد و اشراق کی پابندی نہ ہو سکے تو ان اعمال کے وقت ذکر اللہ ہو سکتا ہے لہذا اس وقت کو ذکر سے خالی نہ چھوڑے خواہ تلاوت قرآن کر لے یا ذکر سانی چہر یا انخار کے ساتھ کرے، بغرض اس وقت کو یاد خدا سے خالی نہ جانے دے تاکہ دل کو اس وقت خالی میں معمول کا خیال نہ رہے یہی پابندی کا قائم مقام ہے فقہار نے لکھا ہے کہ حائضہ کو نماز کے وقت میں وضو کر کے مصلے پر بیٹھ کر کچھ دیر سبحان اللہ والحمد للہ کی تسبیحیں پڑھ لیں چاہتے تاکہ نماز کی عادت باقی رہے۔ فقہار نے اس راز کو سمجھا ہے، لہذا یہ غلطی ہے کہ سفر یا مرض میں اوقات عبادت کو سہل ذکر میں بھی مشغول نہ کیا جائے ۱۴

ہو جاتا ہے اور اس میں ثواب بھی ملتا ہے، یادہ دین میں نافع نہیں تو فضول ہے اور فضولیات کا ترک کر دینا مامور بہ شرعاً ہے، چنانچہ حدیث میں ہے مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَحْتَنِيهِ إِسْلَامُ كِي خُوبِي اور کمال یہ ہے کہ مالا یعنی کو ترک کر دیا جائے، جب فضولیات کے ترک کو حُسنِ اسلام میں دخل ہے اور حُسنِ اسلام مامور بہ اور مطلوب ہے، تو ان فضولیات کا ترک بھی مامور بہ ہو گیا، گو ان کو حرام نہ کہا جائے مگر فضولیات میں اشتغال کراہت سے خالی نہیں، پس مباحات کا مامور بہ سے خارج ہونا اس لحاظ سے ہو کہ اس کی ذات مِنْ حَيْثُ هِيَ ذَاتُ دِينِ کے لئے نافع یا مضر نہیں لیکن اثر کے لحاظ سے مباح یا نافع ہے یا فضول ہے اور فضول کا حُسنِ اسلام کے لئے مضر ہونا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے تو یوں کہنا چاہئے کہ مباح بھی یا نافع ہے یا مضر، تو آل کے اعتبار سے وہ بھی مامور بہ میں داخل ہے جس کے بعض افراد فعلاً مامور بہ ہوتے ہیں، اور بعض ترکاً، لہذا یہ بھی ما علیہ الصبر سے خارج نہیں، تو ہم کو مصائب میں جس طرح حرام اور مکروہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح فضولیات سے بچنا بھی ضروری ہے۔ لوگوں کو فضولیات سے بچنے کا بہت ہی کم اہتمام ہے، اسی لئے مصائب کے وقت بیکار تہ کروں میں وقت گزارتے ہیں اور اس کو صبر کے خلاف نہیں سمجھتے، حالانکہ جب صبر کی حقیقت امتثالِ امر ہے تو فضولیات میں مشغول ہونا خلاف صبر کیوں نہ ہوگا، جب کہ شارع علیہ السلام ترک مالا یعنی کا امر ترغیب کے صیغہ سے فرما رہے ہیں، اہل اللہ کو اس کا اس قدر اہتمام ہوتا ہے کہ ایک بزرگ ایک فضول بات زبان سے نکلنے پر تیس برس تک روئے تھے، مگر بعض لوگ اس میں بھی غلو کرتے ہیں کہ جب وہ فضولیات سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں تو خشک بن کر بیٹھ جاتے ہیں، کوئی انکے پاس آئے تو مزاج پُرسی کو بھی فضول سمجھتے ہیں، اور جو دوسرا ان کی مزاج پُرسی کو تو ناک منہ چڑھاتے ہیں، اور جب وہ کسی کامل کو ہنستے دوڑتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسا کامل ہے جو فضول افعال میں مبتلا ہے دوڑتا بھی ہنستا بھی ہے اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے بعض مباحات کی ذات کو فضول قرار دے لیا ہے ان کے نزدیک دوڑنا، ہنسانا دیر تک کسی سے باتیں کرنا مطلقاً فضول ہے، حالانکہ کوئی

مباح اپنی ذات سے فضول نہیں بلکہ مباح کا نافع یا فضول ہونا اکثر کے تابع ہے جس مباح پر کوئی نفع دینی مرتب نہ ہو اور نہ اس میں نفع دینی کا قصد ہو وہ فضول ہے، اور جس پر نفع مرتب ہو یا اس میں کسی دینی نفع کا قصد ہو وہ فضول نہیں، بلکہ نافع ہے اور مامور کی فرد ہو، پس ناقص کا کامل کے دوڑنے ہنسنے اور بہت باتیں کرنے پر اعتراض کرنا اس کے فہم کا قصور ہے، کامل محض نفس کے لئے یہ کام نہیں کرتا بلکہ وہ ان افعال میں دینی نفع کا قصد کرتا ہے، اس لئے اس کے حق میں یہ افعال فضول نہیں۔ خبر بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہے صحابہ سے مزاح فرمایا کرتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کی ہے، تو کیا تمھارے نزدیک معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ کام فضول کئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کوئی مباح اپنی ذات سے فضول نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ جن کاموں کو تم فضول سمجھتے ہو ان میں بھی کوئی دینی حکمت ہو، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں ایک حکمت مناسب نبوت تھی، وہ یہ کہ آپ کا جلال خدا داد بہت بڑھا ہوا تھا، جو صحابہ کو آپ کے سامنے دل کھول کر بات کرنے سے مانع تھا، اس لئے آپ نے ان کو اپنے سے بے تکلف کرنے کے لئے مزاح شروع فرمایا، کیونکہ افادہ و استفادہ کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ طرفین کے دل کھلے ہوئے ہوں کسی کو انقباض نہ ہو، انقباض مانع فیض ہوتا ہے خواہ طالب کی طرف سے ہو یا مرئی کی طرف سے ہو، اسی طرح ہر کامل کے ہنسی اور مزاح میں اس کے مناسب حال کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے جس پر ناقص کی نظر نہیں پہنچتی، اس لئے وہ اعتراض کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کی ہے اس میں یہ حکمت تھی کہ آپ نے امت کو تعلیم دی ہے، کہ اگر زیادہ عمر والا کمسن لڑکی سے شادی کرے تو اس کو یہ نہ چاہئے کہ اپنی طرح اس بچی کو بھی دانا بنا کر رکھے، بلکہ اس کے جذبات کی بھی رعایت کرے، بچیوں کی طبیعت کھیل کود کو چاہا کرتی ہے تو اس کو اس کا موقع دینا چاہئے اور اگر وہ شوہر کے لحاظ و ادب سے کھیل کود میں شرم کرتی ہو تو اس کو صرف قولاً ہی نہیں بلکہ عملاً اجازت دینی چاہئے، اسی لئے آپ خود حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کی ہے۔

کر نامضر ہے اور کامل کو مضر نہیں، کالمین کی باتیں بھی ذکر ہی ہوتی ہیں، اور جس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ ان کی باتوں سے خواہ وہ دین کے متعلق ہوں یا دنیا کے اہل مجلس پر ذکر اللہ کا اثر غالب ہوتا ہے، اور جتنی دیر تک بھی کوئی ان کے پاس بیٹھا باتیں سنتا رہو حق تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہیگا، اور ناقص کی باتوں میں یہ اثر نہیں ہوتا (۱۲)

ایک دفعہ مولانا فتح محمد صاحب کو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں زیادہ دیر لگ گئی، اور اٹھتے وقت بطور معذرت کے حضرت سے عرض کیا کہ آج حضرت کا بہت حرج ہوا کیونکہ یہ وقت عبادت کا تھا۔ فرمایا کہ میاں کیا تسبیح چلانا ہی عبادت ہے، دوستوں سے باتیں کرنا بھی تو عبادت ہے (کیونکہ اس میں تطیب قلب مسلم ہے) اور ایک بار میرا نام لے کر فرمایا کہ میاں اشرف علی جب ہم مجلس میں باتیں کرتے ہوں اس وقت بھی تم ہمارے باطن کی طرف متوجہ رہا کرو، یہ مت سمجھنا کہ اس وقت تو باتوں میں مشغول ہیں اس لئے باطن سے فیض نہ ہوگا، بھائی ہمارا باطن اس وقت بھی ذکر ہی میں مشغول ہوتا ہے تو بات کیا ہے، اس کا راز یہی ہے کہ کامل باتیں بھی عبادت ہی کی نیت سے کرتا ہے اس کا باطن اس وقت بھی مشغول بحق ہوتا ہے، اسی لئے اس کو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اب خاموشی کا وقت ہے اور اس وقت بولنے کی ضرورت ہے، اس وقت مزاح کی ضرورت ہے تو اس کا کوئی قول و فعل عبادت و ذکر سے خالی نہیں ہوتا، اس لئے کامل کو ہنسی مزاح اور زیادہ باتوں میں مشغول دیکھ کر اپنے اوپر قیاس کر کے اس پر اعتراض نہ کرنا چاہئے، جن باتوں کو تم فضول سمجھتے ہو وہ کسی حکمت یا ضرورت کی وجہ سے ان میں مشغول ہوتا ہے، صوفیہ نے اس کو خوب سمجھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلوت طویلہ سے طبیعت گھبرا جائے تو چند روز کے لئے خلوت کو چھوڑ کر لوگوں سے ملنا ملانا اور دوستوں سے باتیں کرنا اور ہنسی مزاح کرنا چاہئے، یا کچھ دنوں کے لئے سفر کر کے کسی شہر میں سیر و تفریح کے لئے چلا جانا چاہئے، بلکہ امام غزالی نے تو اس حالت میں ان امور کے اختیار کرنے کو واجب لکھا ہے، جس کی وجہ سے ان پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا گیا، کہ انھوں نے مباحات بلکہ بظاہر فضولیات کو واجب کہہ دیا

مگر امام کی رائے صحیح ہے، کیونکہ قاعدہ فقہیہ ہے مُقَدِّمَةُ الْوَاجِبِ وَاجِبٌ كَمَا وَاجِبٌ كَمَا
مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے اور جب طبیعت اعمال طاعات سے گھرانے لگے تو اس کو
طاعات کی طرف مائل کرنا واجب ہے ورنہ یہ حالت بڑھتے بڑھتے تعطل کی طرف مفضی
ہو جائے گی، اور جب کثرتِ اعمال سے طبیعت اکتا جائے تو اس صورت میں انشراح
و انبساط کے لئے اختلاط و سیر و تفریح و مزاح بھی مفید ہوتا ہے، اس راز کو محقق ہی سمجھ
سکتا ہے، غیر محقق تو ایسے موقع میں یہ بتلائے گا کہ یا باسٹ کا وظیفہ پڑھو، یا فتاح کا
ورد کرو، مگر محقق اس کی رائے پر ہنستا ہے اور کہتا ہے سہ

بے خبر بودند از حال دروں و استعیند اللہ بما یفترون

جن طبیبوں نے علاج کیا ان کو اندرونی بیماری کا پتہ نہ چلا، پناہ مانگتا ہوں اطباء کے اس افتراء اور بہتان
اس جگہ مولانا نے طبیب الہی کا قول نقل فرمایا ہے کہ اس نے دوسرے اطباء کی

رائے سنکر یہ کہا ہے سہ

گفت ہر دار و کہ ایشاں کردہ اند و آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

۱۹ اطباء نے مرض پہچانا نہیں، علاج مرض کے خلاف ہونے سے بیماری اور بڑھ گئی

سو غیر محقق تو اس موقع پر ایک وظیفہ اور بڑھا دیتا ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ وظیفوں
ہی سے تو یہ حالت پیدا ہوئی، مگر وہ الٹا اور وظیفہ ہی بڑھاتا چلا جاتا ہے تو اس سے
مرض کم ہو گا یا بڑھے گا، ظاہر ہے کہ جب سبب مرض میں اضافہ ہو گا تو مرض کی بھی
ترقی ہوگی، محقق اس وقت علاج بالصدق کرتا ہے، وظیفوں سے قبض ہوا ہو تو وہ
ترک و ظائف کی تعلیم کرتا ہے، خلوت سے انقباض ہو تو وہ ترک خلوت کا امر کرتا
ہے، اور اس سے بہت جلد حالت میں افاقہ ہو جاتا ہے۔ میرے ایک دوست تھے
مولوی صادق الیقین صاحب مرحوم، وہ بیعت تو حضرت حاجی صاحب سے تھے،
اور اجازت یافتہ حضرت مولانا گنگوہی کے تھے، مجھ سے بھی ان کو محبت و عقیدت کا
تعلق تھا، ایک دفعہ ان پر قبض شدید طاری ہوا، تو مجھے اطلاع کی، کیونکہ میں اس وقت
ان کے وطن سے قریب کانپور میں تھا، میں نے لکھا کہ آپ کچھ دنوں کو ذکر و شغل اور

خلوت بالکل ترک کر دیجئے اور لکھنؤ جا کر چوک وغیرہ میں سیر و تفریح کیجئے۔ اول تو ان کو اس جواب بڑی وحشت ہوئی، مگر انھوں نے اس پر عمل کیا۔ اس طریق میں انقیاد و امتناع کی بہت ضرورت ہو خود رانی اس طریق میں سدا رہے، چنانچہ انھوں نے انقیاد سے کام لے کر فوراً عمل کیا دو ہی تین دن میں سارا قبض جاتا رہا، اور شدت سے بسط طاری ہوئی اب ایسا شخص اگر ہنسی مزاح میں مشغول ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ علاجاً ایسا کر رہا ہے اور ضرورت کی وجہ سے ان کو اختیار کر رہا ہے مگر ظاہر ہیں کہ کیا خبر وہ تو صرف یہ دیکھ کر کہ یہ شخص زاہد و عابد ہو کر شیخ و صوفی ہو کر ہنسی مذاق کر رہا ہے اس کو یہ کیا معلوم ہے کہ اس وقت اس کا ہنسنا اور مزاح کرنا ہی عبادت ہے کیونکہ مقدمہ واجب ہے، غرض جن امور مباحہ کو فضول کہا جاتا ہے وہ اسی وقت تک فضول ہیں جب ان سے دین میں کوئی نفع نہ ہو، اور اگر کوئی مباح دین میں نافع ہو تو وہ فضول نہیں، اس لئے بے ضرورت مباحات میں مشغول ہونا بھی بُرا اور ضرورت کے وقت مشغول نہ ہونا بھی بُرا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ مباحات بھی اپنے اثر کے اعتبار سے مامور بہ میں داخل ہیں بحمد اللہ اس تقریر سے مَا عَلَيْهِ الصَّبْرُ کی تعیین بخوبی ہو گئی، اور صبر کی حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو گئی، شبہات کا ازالہ بھی ہو گیا،

خلاصہ یہ ہے کہ ناگوار واقعات کے وقت دو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ جو طریق حق تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے اس میں تو حاصل نہیں آیا، خواہ وہ واجبات ہوں یا مستحبات، کیونکہ مستحبات کی پابندی بھی خواص کے لئے ایک درجہ میں ضروری ہے۔ حدیث میں ہے أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا، کہ حق تعالیٰ کی طرف سب اعمال میں زیادہ محبوب وہ ہیں جن پر دوام کامل ہو، اس میں لفظ أَحَبُّ عاشق کی نظر میں دوام کی ضرورت کو بتلا رہا ہے، کیونکہ جب ایک چیز حق تعالیٰ کو محبوب ہے تو عاشق کو ان کے سامنے محبوب ہی چیزیں پیش کرنا چاہئے۔ لفظ أَحَبُّ سے دوام کی عدم ضرورت پر ہی استدلال کرے گا، جس میں محبت و عشق نہ ہو ورنہ عاشق تو یہ سن کر کہ محبوب فلاں چیز سے خوش ہوتا ہے اس پر جاں نثار کر دے گا،

اور جب تک محبوب ہی اس سے منح نہ کرے اس وقت تک اس کو اپنے ذمہ لازم کر لیا،
 میں پوچھتا ہوں کہ آخر عبادت اور عمل سے مقصود کیا ہے، ظاہر ہے کہ رضا حق مطلوب
 ہے، تو عامل کو ضروری ہے کہ عمل اس طرح کرے اور اس میں وہ طریق اختیار کرے جس
 سے محبوب خوش ہوتا ہو، اور حدیث سے معلوم ہو چکا کہ حق تعالیٰ دوام سے خوش ہوتے
 ہیں، تو دوام کا اہتمام ضروری ہوا، اور دوسری حدیث میں تو اس کی تصریح ہے۔ حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں يَا عَبْدَ اللَّهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُومُ مِنَ
 اللَّيْلِ ثُمَّ تَرَكَ^۱ اے عبد اللہ (بن عمر) تم فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا جو رات کو
 اٹھا کرتا تھا پھر قیام لیل ترک کر دیا، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معمول
 مستحب کے ترک پر صراحت کراہت کا اظہار فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مستحب کو معمول
 بنا کر بلا عذر ترک کر دینا ایک گونہ مکروہ ہے تو دوام ضروری ہوا، اسی لئے میں کہا کرتا ہوں
 کہ عمل تھوڑا سا سخت یا رکرو جس پر نباہ ہو سکے، اور کسی وقت زیادہ کا شوق ہو تو میں کہتا
 ہوں کہ اس وقت زیادہ کرو، مگر اپنے ذمہ زائد کو لازم نہ کرو، معمول اسی مقدار کو سمجھو
 جس پر نباہ کر سکتے ہو، اور اسی کی پابندی کو لازم سمجھو، کبھی نشاط و سرور ہو تو زیادہ بھی کرو
 مگر اس کی پابندی کو لازم نہ سمجھو، اس صورت میں اگر کبھی زیادہ نہ ہو سکا تو قلیل کو ادا
 کر کے تسلی ہو جائے گی کہ ہاں معمول پورا ہو گیا، کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ بغیر معمول پورا کئے
 تسلی نہیں ہوتی، رادری حکمت ہے صوفیہ کے اس فعل کی کہ وہ طالبین کے لئے ذکر کی
 کوئی مقدار معین کر دیتے ہیں، حالانکہ ذکر ایسی چیز ہے کہ اس کے کوئی مقدار معین
 نہ ہونا چاہئے، جتنا بھی زیادہ ہو اچھا ہے، مگر بغیر تعین مقدار کے ذکر کی تسلی نہیں ہو سکتی
 وہ ہر دن اسی فکر میں رہیگا کہ نہ معامد جتنا ذکر میں کر رہا ہوں یہ وصول الی المطلوب کے
 لئے کافی بھی ہے یا نہیں، اور جب شیخ نے ایک مقدار معین کر دی اب اس کو پورا کر کے
 تسلی ہو جاتی ہے (۱۲) اور اس طریق میں تسلی قلب و جمعیت خاطر کی رعایت بہت ضروری
 ہے اس لئے اپنے ذمہ عمل اتنا ہی لازم سمجھو جس کو نباہ سکو، زیادہ کو معمول نہ بناؤ تاکہ
 روزانہ قلب کو تسلی حاصل ہوتی رہے کہ کام پورا ہو گیا، اہل اللہ کو جمعیت قلب کا

بہت زیادہ اہتمام ہوتا ہے، کیونکہ اس طریق کا مدار اسی پر ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ نے اسی لئے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ میرا عمر بھر کا رزق ایک دم سے دیدیا جائے، ارشاد ہوا کیا ہمارے اوپر اعتماد نہیں، عرض کیا اعتماد تو ہے مگر شیطان روز آکر مجھے پریشان کرتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھا دے گا، میں جواب دیتا ہوں کہ اللہ دے گا وہ کہتا ہے کہ اللہ تو دے گا مگر یہ تو وعدہ نہیں کہ کب دے گا، ممکن ہے کہ تین چار روز بھوکا رکھ کر دیں، پس یہاں آکر میں خاموش ہو جاتا ہوں، اگر آپ مجھے عمر بھر کا رزق ایک دم سے دیدیں تو میں اس کو اپنے گھر میں بھر کر قفل لگا دوں، اور جب شیطان کہے گا کہ کل کو کہاں سے کھا دے گا تو میں کہوں گا کہ دیکھ اس کو ٹھہری میں سے کھاؤں گا، ان بزرگ نے جمع و طبع کے ذریعہ سے (مگر طبع من اللہ) جمعیت قلب کو حاصل کرنا چاہا، اور بعضے قناعت و توکل کے ذریعہ سے اس کو طلب کرتے ہیں، بہر حال کامل کا مطلوب رضا و جمعیت قلب مع اللہ ہے خواہ طبع سے حاصل ہو یا توکل سے، جس میں خدا تعالیٰ نے طبع ہی کا مادہ رکھا ہے وہ توکل اور قناعت کو کیونکر اختیار کرے، وہ تو طبع ہی ظاہر کر کے جمعیت کا طالب ہوگا، اسی کو فرماتے ہیں ۲۲

چوں طبع خواہد ز من سلطان دین و خاک برفرق قناعت بعد ازین
 جب دین کا بادشاہ مجھ سے طبع کا اظہار کرے، تو پھر ایسی قناعت پر خاک پڑے ۱۱

لیکن وہ مخلوق سے طبع ظاہر نہ کرے گا بلکہ محبوب سے ظاہر کرے گا، اسی طرح جس کو خدا تعالیٰ نے راحت کا عادی بنایا ہے وہ راحت ہی کے ذریعہ سے جمعیت طلب کرے گا، اچھے کپڑے پہنے گا، اچھا کھانا کھائے گا، اور جب تک حق تعالیٰ ہی مشقت نہ بھیجیں اس وقت تک وہ اپنے اختیار سے طریق مشقت کو کبھی اختیار نہ کرے گا، اور جب حق تعالیٰ ہی اس کو مشقت میں ڈالتے ہیں تو اس میں دوسروں سے زیادہ رضا و تحمل ظاہر ہوتا ہے اور لین کہتا ہے ۱۲

ناخوش تو خوش بود بر حبان من و دل فدائے یار دل رنجبان ممکن
 تیرا رنجبدرہ کرنا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے، دل نہ دہرائے یار پر جو میرے دل کو رنجبدرہ

کرنے والا ہے ۱۱

۱۱

اور یوں کہتا ہے ۵

نشور نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیزت ؛ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپکی تیغ کا کشتہ بنے، دوستوں کا سر ہی سلامت ہے کہ اس پر آپ کا

خنجر چلے!

اس کا مذاق تفویض کلی ہوتا ہے، حق تعالیٰ جس حال میں رکھتے ہیں اسی میں خوش

رہتا ہے۔ بعض لوگ یہاں آئے اور کہنے لگے کہ یہاں تو فقیری معلوم نہیں ہوتی، اچھے

کپڑے پہنتے ہیں، اچھا کھانا کھاتے ہیں، میں نے کہا جاؤ کسی لنگوٹ بند کے یہاں، بلکہ

کسی تنگ دھڑنگ کے یہاں جس نے لنگوٹ بھی اتار پھینکا ہو، آجکل بہت لوگ اسی

مذاق کے ہیں کہ تنگ دھڑنگ آدمی کے جلدی معتقد ہو جاتے ہیں، اور وہ انھیں

گالیاں بھی دے تو راضی رہتے ہیں، بلکہ اگر کفریات بھی بگے جب بھی معتقد رہتے ہیں،

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ کہیں چلے جاتے تھے، راستہ میں

ایک مجمع دیکھا، معلوم ہوا کہ بیچ میں ایک تنگ دھڑنگ آدمی بیٹھا ہوا کبخت کفریات

پک رہا ہے، نالائق اپنے عضو کو ہلا ہلا کر کہتا ہے کہ تو بہ تو بہ یہ تو اللہ کا الف ہے۔

(نقل کفر نہ باشد) اور بہت لوگ اس کے معتقد ہو رہے ہیں، شاہ صاحب نے

اپنے ایک ہمراہی شاگرد سے فرمایا کہ اس شخص کی کمر میں ایک لات مارو اور یہ کہو کہ

نا معقول بے پیر معلوم ہوتا ہے بھلا کہیں الف کے نیچے دو نقطے بھی ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب

جامع فنون تھے، ننگوں کا جواب انہی کے مذاق میں دیا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور سارے

معتقدین ^(جہاں) فتنہ روا ہو گئے، اس طرح فتنہ فرو ہوا، اور یہ مذاق کچھ آج سے نہیں،

پرانا مذاق ہے، لوگ ہمیشہ سے ایسے شخص کے کم معتقد ہوتے ہیں جو آدمیوں کی شکل

میں ہو، عقل و تہذیب سے آراستہ ہو۔ چنانچہ کفار کو انبیاء پر یہی اعتراض تھا کہ

یہ تو ہمارے جیسے آدمی ہیں، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ نبی آدمی نہ ہونا چاہئے۔ یہی مذاق

آجکل ہے کہ آدمیت کو کمال کے منافی سمجھتے ہیں، چنانچہ جتنا کوئی آدمیت سے گزرا ہوا ہو

اس کے جلدی معتقد ہو جاتے ہیں۔

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ مصیبت کے وقت معمولات میں کمی نہ کرو، اور طریق وصول کی طرف متوجہ رہو، درنہ یاد رکھو اگر تم طلب میں کمی کر دو گے تو ادھر سے بھی عطا میں کمی ہو جائے گی، حق تعالیٰ اس وقت تک اپنا برتاؤ بندہ کے ساتھ نہیں بدلتے، جب تک وہ خود اپنے برتاؤ کو نہ بدلے، اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغۡیُرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغۡیِرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ جب ادھر سے برتاؤ بدلتا ہے تو ادھر سے بھی معاملہ بدل جاتا ہے، صوفیہ کا ارشاد ہے مَنْ لَا یُرۡدُّ لَهٗ لَا وَاۡرِدَ لَهٗ حِسۡنَ کَا کَچھ درونہ ہو اس پر وارد بھی نہیں ہوتا، اور اس طریق میں وارد بڑی نعمت ہے، جس جزئیات میں ہر دم الہام ہوتا ہے کہ اب یہ کرنا چاہئے، اس وقت بولنا چاہئے، اس وقت خاموش رہنا چاہئے۔ اس طریق کے علوم کتابی نہیں ہیں، جو کتاب سے جزئیات کے احکام معلوم ہوتے رہیں یہاں تو ہر جزئی کے لئے الہام کی ضرورت ہے، چنانچہ کامل کو ہر وقت الہام پر الہام ہوتا رہتا ہے، اور یہ حالت ورد کی پابندی ہی سے حاصل ہوتی ہے، بدون ورد کے وارد نہیں ہو سکتا، دوسرے یہ تو نادانی کی بھی بات ہے کہ ایک نقصان تو غیر اختیاری ہوا تھا، یعنی مصیبت تکوینیہ دوسرا ضرر اپنے اختیار سے مول لیا جائے یعنی ترک معمولات، دنیا دار بھی ایسا نہیں کرتے، ان کا بھی یہ قاعدہ ہے کہ ایک مد میں نقصان ہوتا ہے تو وہ دوسری مد میں ترقی کی منکر کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ جاہلیت کے ایک حلیم کی حکایت بیان فرمائی تھی کہ اس کے بھتیجے نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا، لوگ قاتل کو پکڑ کر اس کے پاس لے گئے تو غایتِ حلم یہ تھا کہ اس نے اپنی نشست بھی نہیں بدلی جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح بیٹھا رہا، اور یہ کہا اِخۡذۡنِیۡ یٰۤاٰیۡ قَطَعَتِ الْاُخۡرٰی مِیۡرَے ایک ہاتھ نے دوسرے ہاتھ کو کاٹ دیا ہے، اب یہ حماقت ہے کہ میں دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ دوں، ثُمَّ قَالَ وَ لٰکِنۡ اَدُوۡا لِیۡ اَمۡرًا تِیۡ دِیۡۡۃً اِبۡنِہَا مِنْ اِبۡلِیۡ فَاِتۡہَمَا لَا تَرۡضٰی بِدُوۡنِہَا۔ پھر کہا لیکن میری بیوی کو میرے اذنیوں میں سے اس کے بیٹے کی دیت دیدو، کیونکہ وہ بدون دیت کے راضی نہ ہوگی۔

دیکھئے یہ ایک کافر تھا جس نے ایک غیر اختیاری ضرر سے پریشان ہو کر اختیاری ضرر کو گوارا نہ کیا، تو کیا ہم کو مسلمان ہو کر ایسا نہ ہونا چاہئے؟ پس یہ بڑی حماقت ہے کہ ہم مصائب غیر اختیاریہ کی وجہ سے اپنے معمولات کو تباہ کر کے اختیاری ضرر میں مبتلا ہوں اس وقت اعمال پر جمار ہنا یہی صبر ہے۔ ایک بات تو یہ قابل لحاظ ہے، دوسری بات قابل لحاظ یہ ہے کہ پابندی طریقی میں رضائے حق کا قصد کرو مہن عادت کے طور پر پابندی نہ کرو۔ پس اگر کہیں ضرورت شدیدہ سے ترک معمول میں رضائے حق معلوم ہو تو وہاں ضرورت کے وقت تک معمول کو ترک کر دو (لیکن ذکر خدا سے اس وقت کو بھی خالی نہ جانے دو، چاہے چلتے پھرتے ہی ہو یا آہستہ آہستہ ہی ہو ۱۲ جاح) اور اس ضرورت کے ختم پر پھر پابندی شروع کر دو (ترک معمول سے جو بے برکتی ہوتی ہے وہ جب ہی ہے جب کہ ترک میں رضائے حق نہ ہو ورنہ رضائے حق کے ساتھ ہر حالت میں برکت ہی برکت ہے ۱۲) جب رضائے حق کا اہتمام ہوگا تو ہر حال میں وہی کام ہوگا جو امر کے موافق ہے، کسی حال میں مامور بہ ترک نہ ہوگا، اس سے قلب میں ایک صلاحیت پیدا ہوگی، اور زبان و دل و گوش سب پابند ہو جائیں گے۔ جمعیت و سکون حاصل رہیگا، پریشانی کا نام بھی نہ رہے گا، اور جب امتثال امر میں خلل ہوتا ہے یا بلا وجہ معمولات ناغہ ہوتے ہیں تو خیالات میں تفرق ہو جاتا ہے اور خیالات کے تفرق سے روح بھی پریشان ہو جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۱۵

جاں ہمہ دم زیں لکد کو پخیال و می شود مجروح دستہ پانعمال
 انسان کا دل خیالات کی کشمکش سے ہر وقت زخمی اور بے حال و برباد رہا کرتا ہے
 نے صفائی ماندش نے لطف و فر و نے بسوئے آسماں راہ سفر
 نہ اس میں صفائی باقی رہتی ہے اور نہ زندگی کا لطف باقی رہتا ہے، نہ اس سے نجات حاصل

کرنے کا کوئی ذریعہ باقی رہتا ہے ۱۵

صاحبو! حق تعالیٰ نے ہر شخص کو آسمان کی طرف سفر کرنے کی قوت عطا فرمائی ہے، مگر تشقت اعمال سے ہم اس قوت کو خود ہی کم زور کر رہے ہیں، ذکر و طاعات و

امتنال امر کی پابندی اور التزام کر کے دیکھو انشاء اللہ خدا کے ساتھ دل لگا رہے گا اور چاروں طرف سے اطمینان نصیب ہوگا، اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے) عارف کو مصائب میں بھی یہ اطمینان نصیب ہوتا ہے اور اس کا قلب چاروں طرف سے مطمئن ہوتا ہے، یہ تو دنیوی پریشانی کا حال تھا کہ اس کی وجہ سے اعمال و معمولات پر امتثال امر میں لوگ غفلت ڈالتے ہیں۔ اب میں ایک باطنی پریشانی کا حال بتلانا چاہتا ہوں، جو بعض دفعہ پابندی اعمال کے ساتھ پیش آتی ہے، وہ یہ کہ بعض لوگ اعمال و معمولات پر پابندی کرنا چاہتے ہیں مگر جب کام کرنے بیٹھتے ہیں فوراً شیطانی وساوس اور نفسانی خطرات آکر گھیر لیتے ہیں، اور بعض دفعہ ایسے داہیات کفریہ وسوسے آتے ہیں جن سے سالک پریشان ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں طریق سے ہٹ گیا، اور خدا تعالیٰ کے یہاں سے مردود ہو گیا ہوں، اس حالت میں بہت لوگ کام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، کیونکہ یہ وسوسے کام ہی کے وقت آتے ہیں، مگر یہ بڑی غلطی ہے، اس طرح تو تم نے شیطان کی مراد پوری کر دی، وہ یہی تو چاہتا تھا، چنانچہ ایک صاحب نے اس حالت کی وجہ سے تلاوت قرآن بالکل چھوڑ دی تھی، کیونکہ جب وہ قرآن پڑھنے بیٹھتے ساتھ ہی ساتھ دل میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالیوں کے خطرات آتے تھے، ایک تفسیر توحید بالین کی تھی ایک تفسیر وبالین کی خود بخود ان کے ذہن میں آتی تھی، آخر وہ گھبرا گئے، اور تلاوت چھوڑ بیٹھے، مجھ سے یہ حال بیان کیا، میں نے کہا اس کا یہ علاج نہیں، اس کا یہ علاج ہے کہ خوب تلاوت کرو اور گالیاں ذہن میں آویں تو آنے دو یہ تو ویسا حال ہو گیا ہے

بحر تلخ و بحر شیریں همعناں ؛ در میان شان بر زرخ لایبغیاں

بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر برابر جاری ہیں مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ

سے ایک دوسرے سے ملتے نہیں۔

کام کے ساتھ ان وساوس و خطرات سے کچھ بھی تسننزل یا بعد نہیں ہوتا، ہاں جب کام

چھوڑ دو گے تو بعد کا اندیشہ ہو گو دسا دس بھی نہ ہوں، اس لئے سالک کو طریق پر قائم
ہو کر بے فکر رہنا چاہئے، عارف فرماتے ہیں سہ

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست و بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

یعنی جب تک صراط مستقیم پر جا رہے، یعنی اعمالِ اختیاریہ میں خلل نہ ڈالے تو بیٹھ کر
رہے، اب اس کے بعد چاہے بلا اختیار کچھ ہی ہوتا رہے کفر کے وسوسے آویں، یا
معصیت کے، سب بے ضرر ہیں، بلکہ بخدا صراط مستقیم پر رہ کر تمام ظلمتیں انوار ہیں
جیسے نورِ عین کہ وہ منبج انوار ہیں مگر خورد سیاہ ہے، اور صوفیہ نے فرمایا ہے کہ لطیفہ
اخفی کا لون بھی سیاہ ہے، اور تجلی ذاتی اصطلاحی سیاہ رنگ میں بھی ظاہر ہوتی ہے
پس اگر اعمالِ اختیاریہ میں خلل نہیں تو قلب میں کیسی ہی ظلمات ہوں وہ سب
خیر و نوری ہیں چاہے دسا دس کھنسر یہ ہی کیوں نہ ہوں، لہذا ان سے گھبرا کر کام میں
ہرگز خلل نہ ڈالنا چاہئے، اس طرح تو یہ قیامت تک بھی پیچھا نہ چھوڑیں گے، اس کا
علاج یہی ہے کہ کام میں لگا رہے اور ان پر التفات بھی نہ کرے۔ جب شیطان دیکھیگا
۲۷ کہ یہ تو خطرات سے گھبراتا ہی نہیں، نہ کام میں کمی کرتا ہے تو وہ جھک مار کر خود ہی پیچھا
چھوڑ دے گا۔ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وضو کے بعد
شہہ ہو گیا کہ شاید خنہیں پر مسح نہیں کیا، حضرت نے دوبارہ پھر مسح کر لیا۔ بس
دوبارہ مسح کرنا غضب ہو گیا، فرماتے تھے کہ پھر تو یہ حالت ہوئی کہ ہر دفعہ وضو کر کے
جب نماز شروع کروں یہی وسوسہ آوے کہ مسح نہیں کیا، ہمیدہ بھرتک پریشان رہا،
ایک ہمیدہ کے بعد جو مولانا مصلیٰ پر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے پھر وہی وسوسہ
آیا، مولانا نے دوبارہ اعادہ مسح نہیں کیا، اور نماز کی نیت باندہ لی، شیطان نے کہا
کہ بے وضو نماز ہوگی، مولانا نے فرمایا کہ ہونے دے، تیری بلا سے، اس نے کہا بے وضو
نماز پڑھ کر کافر ہو جاؤ گے، کیوں کہ تم عمداً ایسا کر رہے ہو، مولانا نے فرمایا کہ تیری
بلا سے تو بڑا آدمیوں کو کافر ہونے سے بچانے والا نکلا ہے، اتنی دنیا کو تو کافر بنا رکھا
ہے تجھے ان کی فکر نہ ہوئی، سب سے زیادہ میرے ہی کفر کی فکر ہوئی، جا، چاہے نماز ہو

یا نہ ہو، وضو سے ہو یا بے وضو ہو میں تو اب مسح کرتا نہیں، فرماتے تھے کہ بس اس دن کے بعد شیطان نے پھر یہ دسوسہ نہیں ڈالا، یہ بڑا ہوشیار ہے۔ بعض دفعہ خیر خواہ بن کر دھوکہ دیتا ہے، چنانچہ ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تہجد کی نماز کے لئے شیطان نے جگایا، پوچھا کون ہے؟ کہا میں ہوں ابلیس، فرمایا کیوں جگایا؟ کہا تہجد کا وقت ہے، نماز پڑھ لیجئے، فرمایا کہ تجھے اس سے کیا مطلب تو ایسا خیر خواہ کب سے بن گیا؟ کہا آخر کبھی تو میں بھی کام کرنے والا تھا ہی، وہ جوش آگیا، تو منسرا یا کبخت اس وقت تیرے اس جگانے میں بھی کوئی راز ہے، جب تک تو راز نہ بتلائیگا اس وقت تک محض تیرے کہنے سے سچپانہ چھوڑوں گا، کہا صاحب بات یہ ہے کہ میں نے کل آپ کا تہجد ناغہ کر دیا تھا اور میں خوش ہوا تھا کہ آج ان کا نقصان کر دیا، مگر تم نے جو صبح اٹھ کر تہجد کے فوت ہونے پر بچ و غم اور آہ و افسوس کیا اس سے تمہارے درجے اتنے بلند ہو گئے کہ تہجد سے بھی نہ ہوتے تو میں نے کہا اس سے تو ان کا تہجد پڑھنا ہی اچھا ہے، یہ تو ناغہ کر کے آرام سے نیند بھی لیتے ہیں اور درجہ بھی لیتے ہیں، تہجد میں کم از کم نیند تو خراب ہوگی، گو آخرت کا نقصان نہ ہوگا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ راز سن کر اٹھ بیٹھے اور تہجد کی نماز پڑھ لی، اس وقت اگر کوئی غالی صوفی ہوتا تو شاید تہجد پڑھتا ہی نا، اور یہ کہتا کہ اس وقت تہجد پڑھنے میں شیطان کی اطاعت ہے، حالانکہ اس کی تو مخالفت کرنا چاہئے، مگر اس کو بھی محقق ہی سمجھتا ہے کہ شیطان کی مخالفت کہاں کرنا چاہئے، اگر ہر بات میں مخالفت کی جائے اور شیطان دیکھ لے کہ اس کو میری مخالفت میں غلو ہے تو پھر وہ ہمیشہ نیک کاموں ہی کا امر کرے گا، تاکہ یہ شخص مخالفت کر کے طاعات سے محروم رہے۔ اس لئے محقق مخالفت میں بھی غلو نہیں کیا کرتا، اگر اس وقت حضرت معاویہ تہجد نہ پڑھتے تو ظاہر ہے کہ یہ عدا ناغہ ہوتا اور اس پر وہ بچ و افسوس بھی نہ ہوتا، جو غلبہ نیند پر ناغہ ہونے پر ہوا کرتا ہے تو بچ و غم سے جو ترقی ہوتی وہ اب نہ ہوتی اور تہجد کا وقت پا کر اسے بھی فوت کر دیتے تو نقصان ہی نقصان تھا، نفع کچھ نہ ہوتا، اس لئے انہوں نے تہجد پڑھ لیا۔ یہی تو باتیں

ہیں جن کی وجہ سے حدیث میں آتا ہے فقیہہ راجدٌ اشدُّ علی الشیطان من آلف عابدٌ
ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے؛ مراد فقیہ النفس ہے جو احکام
کے ساتھ نفس و شیطان کے مکائد سے بھی عارف ہو، اور سلف کی اصطلاح میں فقہ
محض علم ظاہر کے ساتھ مختص نہ تھا، بلکہ علم باطن بھی اس میں داخل تھا۔ چنانچہ
امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعریف معْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَ مَا عَلَيْهِمَا مَقْبُول
ہے جس میں علم اخلاق و سلوک بھی داخل ہے کیونکہ معرفۃ النفس ما لہا و ما علیہا
اس کو بھی شامل ہی، پس حدیث میں فقہ کے وہی معنی ہیں جو سلف میں متعارف تھے
نہ وہ معنی جو متاخرین کی اصطلاح ہے۔ فقیہ ظاہر تو ہجوم و سادس سے ذکر اور تلاوت
قرآن کو چھوڑ بیٹھتا ہے جس سے شیطان اپنے مقصود میں کامیاب ہو جاتا ہے، مگر فقیہ
باطن کہتا ہے کہ اس حالت میں کام کو ہرگز نہ چھوڑے بلکہ کام میں لگا رہے چاہے کتنے
ہی دوسرے آئیں، کچھ پروا نہ کرے، اور دسادس سے ہرگز پریشان نہ ہو، نہ اُن کے دفع
کی کوشش کرے، اور نہ از خود ادھر متوجہ ہو بلکہ اپنی توجہ کو ہمت کے ساتھ ذکر وغیرہ
۲۹ میں مشغول کرے اور دسادس سے بے توجہی اور بے التفاتی برتے، انشاء اللہ چند
روز میں خود ہی سب دسو گئے رہیں گے، اور شیطان اپنی مراد میں ناکام ہو کر خود ہی
پچھا چھوڑ دے گا، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر کسی وقت غیب سے بھی کوئی خطاب
پریشانی کا قلب پر وارد ہو اس سے بھی پریشان ہو کر کام کو نہ چھوڑے، کیوں کہ
کبھی غیب سے بطور امتحان کے کوئی بات کہی جاتی ہے، کہ دیکھیں یہ شخص درجائے
کے لئے عمل کر رہا ہے یا محض ہماری محبت میں کام کر رہا ہے، اس وقت کامیابی
کا طریقہ یہی ہے کہ عمل کو ہاتھ سے نہ دے، اور بدستور اپنے کام میں لگا رہے۔ چنانچہ
ایک بزرگ کو ذکر کے وقت غیب سے یہ آواز آتی تھی کہ تو کافر ہو کر مرے گا چاہے
کچھ ہی کر، وہ بڑے پریشان ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے، چونکہ یہ عارف تھے اس لئے
یہ بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ آواز شیطان کی نہیں ہے بلکہ غیب ہی کی آواز ہے، اس
لئے پریشانی زیادہ تھی، قسمت سے اُن کے شیخ اس وقت زندہ تھے گھبراہٹ سے ہوئے شیخ

کے پاس گئے، واقعی شیخ بھی بڑی نعمت ہو سالک چاہے کتنا ہی کامل ہو جائے، مگر شیخ کی احتیاج فی الجملہ باقی رہتی ہے، کامل کو بھی بعض دفعہ ایسی حالت پیش آتی ہو جس کو وہ خود حل نہیں کر سکتا، اس وقت شیخ ہی امداد کرتا ہے، چنانچہ انھوں نے اپنے شیخ سے اس حالت کو بیان فرمایا، فرمایا کام میں لگے رہو اور اس آواز سے پریشان نہ ہو، یہ دشنامِ محبت ہی، معشوقوں کا قاعدہ ہے کہ عاشقوں کو بعض دفعہ ناز و انداز سے یوں ہی پریشان اور تنگ کیا کرتے ہیں، سبحان اللہ واقعی شیخ محقق تھا، کیا کہتی بات کہی کہ یہ دشنامِ محبت ہے، غور کیجئے کہ طالب کی اس جواب کو سن کر کیا حالت ہوئی ہوگی، بس اب تو وہ محبوب حقیقی سے یوں کہتا ہوگا

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ بگو گفتی ۛ جواب تلخ می زید لب لعل شکر خارا
تو نے مجھے برا کہا مگر میں خوش ہوں، تیرے لب کے لئے جواب تلخ تلخ ہی بہتر ہے
اور شیخ کو اس طرح دعائیں دیتا ہوگا

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی ۛ مرا با جانِ حباں ہمسراز کردی
اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور میرا محبوب حقیقی سے
تعلق پیدا کر دیا

اور شیخ کے پاس سے یہ کہتا ہوا لوٹا ہوگا
از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم ۛ ہمہ غم آمدہ بودم ہمہ شاداں رفتم
دوست کے دروازہ پر ہم کس حال میں گئے تھے سب غمگین گئے تھے سب خوش و خرم واپس لوٹے
اور یوں کہتا ہوگا

دوش وقت سحر از غصہ نخباتم دادند ۛ واندر ان ظلمت شب آپ حیاتم دادند (جائے)
سُحری رات صبح کے وقت غم و غصہ سے مجھ کو نجات دی، رات کی اندھیری میں مجھ کو عیادت نو بخشی

باقی یہ کہ دشنامِ محبت کذب تو نہ ہو اور خوش خانمہ کو بد خانمہ کہنا تو کذب
جواب یہ ہے کہ قرآن میں مومن کو کافرا لٹا سخت کہا گیا ہے، ممکن ہے کہ معنی
اس وارد کے یہ ہوں گے کہ تو مومن ہو کر مرے گانا خواہ تجھ سے کوئی معصیت صادر

ہو جائے جیسے حدیث میں ہے اَعْمَلُوا مَا سَأَلْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ (جو عمل چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا) تو دیکھئے غیر محقق تو شیطانِ خطرات سے بھی پریشان ہو جاتا ہے اور محقق عالمِ بالا کے دشمنِ خطرات سے بھی پریشان نہیں ہوتا، وہ ان کو بھی دشنامِ محبت سمجھ کر اپنے کام میں لگا رہتا ہے، اور میں کہتا ہوں کہ اگر وہ دشنامِ محبت بھی نہ ہو بلکہ ظاہر ہی پر محمول ہو تب بھی عمل کو ترک نہ کرنا چاہئے، کیونکہ اگر یہ عمل کی حالت میں کافر ہو گا تو بدوین عمل کے تو کافر ہو گا، پھر ترکِ عمل سے فائدہ کیا، صاحبِ اگر وحیِ قطعی سے بھی کفر پر خاتمہ ہونے کا علم ہو جائے جب بھی عشق کا مقتضی یہ ہے کہ محبوب سے تعلقِ محبت کو ترک نہ کرے بلکہ محبت میں ثابت قدم رہے۔

ورنہ شاید بدوست رہ بردن ؛ شرطِ عشق است در طلبِ مردن
عاشقانِ مجازی میں بھی جو سچے عاشق ہیں انہوں نے ایسا کر کے دکھلا دیا ہے، مجنوں کو لیلیٰ سے محبت تھی مگر لیلیٰ کے باپ نے اس کی شادی دوسرے شخص سے کر دی جب مجنوں کو یہ خبر پہنچی تو کہنے لگا

وما اکثر الاحبار ان قد تزوجت ؛ فهل یاتینی بالطلاق بشیر
اور مرتے دم تک باوجود وصال سے ناامیدی کے محبت و عشق پر ثابت قدم رہا ۱۲ جامع، بوستان میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ ایک رات وہ تہجد کے لئے اٹھے، تو غیب سے آواز آئی کہ یہاں کچھ قبول نہیں چاہے کتنا ہی کر، اور یہ آواز اتنے زور سے آئی کہ ایک مرید نے بھی سُن لی، مگر وہ بزرگ اللہ کے بندے وضو کر کے تہجد میں مشغول ہو گئے، اگلے دن ہوا تو پھر حسبِ معمول تہجد کو اٹھے، مرید نے کہا حضرت ایسی بھی کیا

بے غیرتی ہے کہ وہ تو دھکے دیں اور آپ پھر بھی لیٹتے ہیں، جب وہاں کچھ قبول ہے نہیں تو آپ خواہ مخواہ اپنی راحت میں کیوں خلل ڈالتے ہیں؟ یہ سن کر بزرگ بے لگے اور فرمایا بیٹا یہ تو بتلاؤ کہ اس دروازہ کو چھوڑ کر میں جاؤں کہاں، اس لئے بھی تو نہیں جہاں ان کو چھوڑ کر چلا جاؤں، بس میرا تو یہی ایک در ہے آواز ہے، اس دیدوں گا چاہے وہ قبول کریں یا رد کریں انہیں اختیار ہے۔ جرنے ہوئے شیخ

تو انی ازاں دل بپسردا حستن و کہ دانی کہ بے او تو اں ساحتن

اس شخص سے دل کیسے خالی کر سکتے ہو جس کے متعلق معلوم ہو کہ بغیر اس کے گذر کر سکتے ہو ۵

بس اس پر دریائے رحمت کو جوش آگیا، اور پھر آواز آئی ۵

قبول ست گرچہ ہنر نیست و کہ جز ما پناہے دگر نیست

قبول ہے اگرچہ کمال کی کوئی بات اس میں نہیں سوائے اس بات کے کہ تو نے یہ کہہ دیا کہ ہمارے سوا پناہ

کی کوئی دوسری جگہ نہیں ۵

کہ جاؤ قبول کر لیا مگر اس کے ساتھ ایک چہرہ بھی لگا دیا کہ گو ہنر تو کچھ نہیں مگر ہم کو رحم آتا
ہو اس لئے قبول کر لیا کیونکہ تیرا ہمارے سوا کوئی ٹھکانا نہیں،

تو صاحبو! اہل اللہ تو اس حالت میں بھی کہ صاف صاف غیب سے مردود کر دیا جائے

عمل کو نہیں چھوڑتے پھر حیرت ہو کہ ہم ذرا ذرا سی مصیبت یا ہجوم و سادس سے عمل کو ترک

کر دیں، پس اب میں ختم کرتا ہوں، خلاصہ سارے بیان کا یہ ہوا کہ ناگوار واقعات میں جس

صبر کی ہم کو تعلیم کی گئی ہے اس کی حقیقت امتثال امر ہے اور مامور بہ ما علیہ الصبر ہے،

پس ایسی حالت میں ہم کو احکام پر مستقیم رہنا چاہئے اور عمل میں خلل نہ ڈالنا چاہئے اور عمل

میں مقصود پر نظر رکھنی چاہئے جو کہ رضا، حق ہے، اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہماری مدد

فرمائیں کیونکہ بدون ان کی امداد کے نرے علوم و مجاہدات سے کچھ نہیں ہو سکتا، جو کچھ ہوتا

ہے ان کی عنایت ہی سے ہوتا ہے ۵ ایں ہمہ گفتیم لیک اندر پیچ ڈبے عنایات خدا، ہمہ کہیں ۵

(یہ سب کچھ ہم نے کہا بغیر حکم خداوندی ہم بچ ہیں اور کچھ نہیں کہہ سکتے)

بے عنایات حق و خاصان حق و گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

بغیر حکم خداوندی اور خاصان خدا کی عنایت کے اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا ورق بھی سیاہ ہے ۵

حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں، اور عمل کی ہر حال میں توفیق دیں، آمین،

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۵ قَسَمْتُ

(نوٹ) اس رسالہ پر سال ختم ہو گیا براہ کرم آئندہ سال ۸۹ء کیلئے پچیس روپے آج ہی بھیجیں اور خریداری
ختم نہ کریں۔ منی آرڈر بھیجنے کا پتہ:- مکتبہ تھاتوسی، دفتر- الابقار، متصل مسافر خانہ بندر روڈ، کراچی ۷